آیۂ کریمہ

انک لعلیٰ خلق عظیم

کے مخاطب یعنی جناب سرورِ کائنات
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاک اخلاق و اطوار کے متعلق رسالہ

اخلاق النبوۃ

مدخلہ احیاء العلوم الدین مصنفہ حجۃ الاسلام
امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا اردو ترجمہ

جو
حسب فرمائش محمد اسلم خان تاجر کتب اکبر منڈی لکھا گیا

۱۹۱۱ء میں
مطبع اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں چھپا

پیارے نبی کے پیارے حالات

یعنی

سوانح عمری حضرت رسول کریم صلعم

اہل اسلام کو بشارت ہو کہ ہم نے رسول کریم صلعم کی سوانح عمری جدید فلاسفی کے مطابق تالیف کرا کر بڑی خوش اسلوبی سے چھپوائی ہے اس کتاب کی تالیف سے یہ مقصد ہے کہ جناب رسالتمآب کے صحیح حالات اہل اسلام کو بلا زحمت بڑی بڑی کتابوں کے مطالعہ کے معلوم ہو سکیں اور جو اسلام مخالفین نے اس ذات ستودہ صفات پر لگائے ہیں انکا بخوبی قلع قمع ہو جاوے۔ کتاب کی خوبیاں اس مختصر فہرست میں بیان نہیں ہو سکتیں مطالعہ کے بعد ہر شخص اس امر کی تصدیق کریگا کہ اہل اسلام کو اسکی کس قدر ضرورت ہے جس ضرورت کو ہم نے بنظر افادہ عام اسکی اشاعت کو پورا کیا ہے فہرست مطالب جو ذیل میں درج ہے خود اس بات کی کفیل ہے کہ کیسے کیسے اہم و دلچسپ مباحث ہیں مصنف نے [illegible] کر کے سعادت دارین حاصل کی ہے اصل قیمت فی جلد تین روپیہ (سے) رعایتی قیمت فی جلد ایک روپیہ (عہ)

مختصر فہرست مضامین

درخواستیں محمد اسلم خان تاجر کتب اکبری منڈی لاہور آنی چاہئیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق کل شیء فاحسن خلقہ و ترتیبہ و ادب نبیہ محمد صلی اللہ علیہ و سلم فاحسن تادیبہ و زکی اوصافہ و اخلاقہ ثم اتخذہ صفیہ و حبیبہ و وفق للاقتداء بہ من اراد تھذیبہ و حرم عن التخلق باخلاقہ من اراد تخییبہ و صلی اللہ علی نبینا محمد سید المرسلین وعلی آلہ الطیبین الطاہرین و سلم تسلیما کثیرا ط

امابعد

پہلے تم کو یہ بتا دینا ضروری ہے۔ کہ ظاہری آداب باطنی آداب کے عنوان ہوتے ہیں اور ظاہری اعضا کی حرکتیں اندرونی خیالات کے ثمرات سمجھنے چاہئیں۔ اعمال اخلاق کے نتیجے ہیں۔ اور آداب معلومات کے مطابق خوگر ہونے کا نام ہے۔ دلی جذبات ہی سے تمام افعال اُگتے اور پھوٹتے ہیں۔ باطنی نور ظاہری حالت کو منور اور مزین بناتا ہے اور تمام ظاہری عیوب اور برائیوں کو خوبیوں سے بدل دیتا ہے۔ جس شخص کا دل خالق ذوالجلال سے متاثر نہیں ہوتا۔ اس کے اعضا بھی اس سے متاثر نہیں ہوتے۔ جس شخص کا سینہ خدائی انوار کی مشعل نہیں بنتا۔ اس کے ظاہر پر بھی نبوی آداب کا پرتو نہیں پڑتا۔

احیاء العلوم کے ربع دوم میں میرا ارادہ تھا کہ آداب معیشت کا ذکر کروں۔ لیکن میں نے دیکھا۔ کہ عبادات و عادات کے بیان میں ضمناً آداب معیشت کا ذکر بھی آچکا ہے۔ تکریر مکرر فضول اور بے لطف ہوگی۔ اس لئے میں مناسب سمجھا کہ اس رسالہ میں خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب زندگی اور اخلاق پاک جو اخبار و آثار میں مروی ہیں جدا جدا فصلوں میں بحذف اسانید بیان کروں تا آنحضرت کے آداب سے واقفیت حاصل ہونے کے ساتھ ہی ایمان محکم و مضبوط ہو جائے۔ کیونکہ آپ کی ایک ایک عادت مبارک بھی قطعی شہادت دیتی ہے۔ کہ آپ مخلوق خدا میں سب سے برتر اور عالی قدر ہیں۔ تو ... کے تمام خصائل و شمائل آپ کے سید البشر اور خیر الدارین ہونے پر کیوں نہ ... ہونگے۔

یہ بھی مناسب معلوم ہوا۔ کہ آپ کے اخلاق و اطوار کے ساتھ ہی آپ کا

حلیہ مبارک اور بعض معجزات بھی (جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں) بیان کروں تاکہ اِس سے آپ کے اخلاق اعلیٰ و عادات کا تصور دل میں جم سکے۔ اور منکران نبوت کے کان کھولے جا سکیں واللہ تعالیٰ ولی التوفیق للاقتداء بسید المرسلین فی الاخلاق والاحوال وسائر معالم الدین فانہ دلیل المتحیرین ومجیب دعوۃ المضطرین۔ یہ رسالہ بارہ فصلوں پر مشتمل ہے ؛

پہلی فصل ۔ اللہ کا قرآن کے ذریعہ سے آپ کو ادب سکھانا۔ اور آپ کے جامع اور اصولی اخلاق ؛

دوسری فصل ۔ آپ کے عام اخلاق و آداب کا مجمل ذکر ؛

تیسری فصل ۔ آپ کے کلام اور تبسم کا ذکر ؛

چوتھی فصل ۔ آپ کے کھانا کھانے کے آداب کا ذکر ؛

پانچویں فصل ۔ آپ کے لباس اور پوشش کے آداب کا ذکر ؛

چھٹی فصل ۔ انتقام و سزا کی قدرت رکھتے بھی آپ کے عفو کر دینے کا ذکر ؛

ساتویں فصل ۔ ناپسند باتوں سے آپ کی چشم پوشی کا ذکر ؛

آٹھویں فصل ۔ آپ کے جود و سخاوت کا ذکر ؛

نویں فصل ۔ آپ کی شجاعت و ہیبت کا ذکر ؛

دسویں فصل ۔ آپ کی تواضع اور کسر نفسی کا ذکر ؛

گیارہویں فصل ۔ آپ کی صورت و خلقت کا ذکر ؛

بارہویں فصل ۔ آپ کے بڑے بڑے اور جامع معجزات کا ذکر ؛

پہلی فصل

اللہ کا قرآن کے ذریعہ سے آپکو ادب سکھانا اور آپ کے اصولی اور جامع اخلاق پاک کا ذکر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کی درگاہ میں تضرع اور زاری بہت کرتے تھے۔ اور ہمیشہ اللہ سے یہی چاہتے تھے کہ مجھ کو اعلیٰ صفات اور نیک اخلاق سے آراستہ کرتے اور یوں دعا کرتے اَللّٰھُمَّ حَسِّنْ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ[1] اور عرض کرتے اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنِیْ مُنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ[2] پس اللہ تعالےٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اپنے وعدہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ[3] کو پورا کیا۔ اور آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا۔ اس سے آپکو ادب سکھایا۔ لہذا یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ آپ کا خلق و سیرت قرآن مجید ہے۔

سعد ابن ہشام کہتے ہیں۔ کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گیا اور ان سے آنحضرت کے اخلاق پاک کی نسبت سوال کیا۔ انہوں نے پوچھا۔ تم قرآن پڑھتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن مجید تھا۔ قرآن کے ساتھ آنحضرت کے ادب کی مثال اللہ تعالےٰ کا یہ قول ہے خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ[4] اور یہ قول اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ[5] اور یہ قول کہ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ[6] اور یہ قول کہ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ[7] اور

---

[1] الٰہی میرا ظاہر و باطن اچھا کر۔ ۱۲ [2] الٰہی مجھ کو برے اخلاق سے بچا۔ ۱۲ [3] یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ یعنی مجھ سے دعا مانگو۔ میں قبول کرونگا ۱۲ [4] معافی اختیار کر اور نیکی کا حکم دے۔ اور جاہلوں سے کنارہ کر ۱۲ [5] بیشک اللہ تعالےٰ عدل۔ احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ اور فحش اور برائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے ۱۲ [6] اپنی مصیبت پر صبر کر بیشک ہمت کے کاموں میں سے ہے ۱۲ [7] البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا بیشک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے ۱۲ [8] پس معاف کر انکو اور ان سے درگزر کر بیشک اللہ نیک کام کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے ۱۲

قول کہ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۔ اور یہ قول کہ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۔ اور یہ قول کہ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۔ اور یہ قول کہ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۔ اور یہ قول کہ اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۔

جب جنگ احد میں آپ کے اگلے دندان مبارک ٹوٹ گئے۔ اور سر مبارک زخمی ہوا۔ تو آپ کے چہرہ پر خون جاری ہونے لگا۔ آپ خون کو پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے۔ کیسے بھلا ہوگا اس قوم کا جس نے اپنے نبی کے چہرہ پر خون آلود کیا۔ حالانکہ وہ اُن کو ان کے پروردگار کی طرف بلاتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالےٰ نے ادب آموزی کے طور پر آپ پر یہ آیت نازل کی لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۔ ایسی تادیبی آیات قرآن مجید میں بےشمار ہیں +

اللہ تعالےٰ کی یہ تادیب و تہذیب سب سے پہلے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے پھر آپ کی ذات پاک سے باقی مخلوق پر ادب کے نور کی شعاعیں پڑتی ہیں یعنی قرآن مجید سے پہلے تو آپ کو ادب سکھایا گیا ہے پھر آپ سے مخلوق کو ادب کی تعلیم دی گئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت فرماتے ہیں۔ کہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اعلیٰ اخلاق کو تکمیل دوں۔ اسی کے مطابق آپ نے لوگوں کو اعلیٰ اخلاق کی ترغیب دی۔ جس کا ذکر ہم احیاء العلوم کے باب ریاضت نفس میں کر آئے ہیں +

جب اللہ تعالےٰ نے آپ کی اخلاقی حالت کو مکمل کر دیا۔ تو تعریف کے طور پر فرمایا۔ إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۔ یعنے بیشک تو بڑے اعلےٰ اخلاق پر پیدا ہوا ہے۔ سبحان اللہ اس کی کیسی اعلیٰ شان اور کتنا کامل احسان ہے۔ اس کے

---

[1] اور چاہئے۔ کہ معاف کریں۔ اور درگذر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے۔ کہ اللہ تم کو معاف کرے ۱۲ ۔ [2] ایسی بات جواب میں کہ جو بہت اچھی ہو تو دیکھیگا۔ کہ جس کے ساتھ تیری عداوت تھی وہ گہرا دوست ہے
[3] اور غصہ پی جانیوالے اور لوگوں سے درگذر کرنیوالے اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے [4] اکثر بدگمانیوں سے بچو۔ یعنیاً بعض بدظنی گناہ ہوتی ہے۔ کسی کے حالات کھود کھود کر دریافت نہ کرو۔ اور آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو [5] تیرا اختیار کچھ نہیں (اللہ اگر چاہے) یا ان پر رحم کرے۔ یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں ۱۲

فضل عظیم اور لطف عمیم کو دیکھو۔ کہ آپ ہی اپنے نبی کریم کو حلیہ اخلاق سے زینت بخشی۔ اور آپ ہی اس کی تعریف فرماتا ہے۔ اور خلق عظیم کو آپ کی طرف منسوب کرتا ہے +

نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے فضل و کرم سے اعلیٰ اخلاق کا مونہ بن گئے تو اب باقی خلوق کی باری آئی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے بیان فرمایا۔ کہ اللہ تعالےٰ مکارم اخلاق کو پسند کرتا ہے۔ اور برے اخلاق اس کو ناپسند ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کسی مسلمان کے پاس اس کا مسلمان بھائی کوئی حاجت لے کر آئے۔ اور اس میں اتنا حوصلہ نہ پڑے کہ اس کا ہاتھ بٹائے۔ تو اس پر سخت تعجب ہے۔ ثواب کی توقع اور عذاب کا خوف نہ ہی۔ کم از کم اعلےٰ اخلاق کی طرف قدم بڑھانا ہی چاہیئے۔ کہ ان سے راہ نجات کا پتہ چلتا ہے۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا۔ کہ کیا آپ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا۔ ہاں۔ بلکہ کچھ اور بھی سنا ہے۔ جو اس سے سنا ہے۔ یعنی جب یمن کے قبیلہ بنی طے کے قیدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے۔ تو ان میں ایک لڑکی بھی تھی۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں۔ تو مجھے آزاد کر لیجئے۔ اور قبایل عرب میں میری تضحیک نہ کیجئے۔ میں اپنے قبیلہ کے سردار کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ اپنے قبیلہ کی حمایت کرتا تھا۔ قیدی کو رہا کر دیتا تھا۔ بھوکے کو پیٹ بھر کھانے کے لئے دیتا تھا۔ برملا سلام کرتا تھا۔ اہل حاجت کو کبھی محروم نہیں جانے دیتا تھا۔ میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لڑکی یہ صفت سچے مومنوں کی ہے۔ اگر تیرا باپ مسلمان تھا۔ تو ہم اسکے لئے رحم و مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ (پھر آپ نے صحابہ سے فرمایا) اس لڑکی کو چھوڑ دو۔ اس کا باپ مکارم اخلاق کو پسند کرتا تھا۔ اور اللہ تعالےٰ بھی مکارم اخلاق کو پسند کرتا ہے۔ پس ابو بردہ بن نیار رضہ کھڑے ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ کیا اللہ تعالےٰ مکارم اخلاق کو پسند کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا قسم ہے

اِس ذات کی۔ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ جنت میں بجز خوشش اخلاق کے اور کوئی داخل نہ ہوگا ؞

حضرت معاذ بن جبل رضہ روایت کرتے ہیں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اسلام کو اخلاق اعلےٰ اور نیک اعمال سے گھیرا ہوا ہے اور اِن اخلاق میں سے یہ باتیں ہیں۔ باہم اچھی طرح بسر کرنا۔ نیک سلوک کرنا ملائمت کا پہلو برتنا۔ خیرات دینا۔ کھانا کھلانا۔ سب کو سلام کرنا۔ مسلمان بیمار کی خبر پوچھنے جانا۔ نیک ہو یا بد مسلمان کے جنازہ کے ہمراہ جانا۔ جس شخص کے پڑوس میں رہتا ہو۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اس کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ بڈھے مسلمان کی عزت کرنا۔ دعوت منظور کرنا دوسروں کو دعوت دینا۔ خطا بخشی کرنا۔ لوگوں میں صلح کرانا بخشش وسخاوت اور دریا دلی برتنا۔ پہلے خود سلام کرنا۔ غصہ پی جانا۔ لوگوں کو ملامت کرنا۔ اسلام نے جو باتیں حرام کی ہیں اِن سے بچنا۔ مثلاً کھیل۔ فضولیات۔ راگ۔ تمام باجے۔ تمام کینے۔ غیبت جھوٹ۔ بخل تنگ ظرفی ظلم۔ دغا۔ دھوکہ دینا۔ لگانا بجھانا۔ باہمی بگاڑ ڈالنا قرابت کو توڑنا۔ بدخلقی تکبر شیخی مارنا۔ اترانا۔ اپنی بڑائی مارنا۔ اکڑنا۔ بے شرمی کی باتیں کرنا۔ بے شرم بننا۔ کینہ حسد۔ بدشگونی۔ سرکشی۔ زیادتی ظلم ؞

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی عمدہ نصیحت نہیں چھوڑی۔ جس کی طرف ہم کو توجہ نہ دلائی ہو۔ اور اسکا ہم کو حکم نہ دیا ہو۔ اور نہ کوئی ایسا عیب چھوڑا جس سے ہم کو ڈرایا نہو۔ اور منع نہ کیا ہو۔ یہ ساری باتیں اسی ایک آیت میں آجاتی ہیں اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ[ف]۔ حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس طرح وصیت فرمائی۔ کہ اے معاذ میں تجھ کو اِن باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ یعنی اللہ سے ڈرنا۔ سچ بولنا۔ عہد کو پورا کرنا۔ امانت ادا کرنا۔ خیانت سے بچنا۔ پڑوسی کے حقوق کا لحاظ رکھنا۔ یتیم پر ترس کھانا۔ میٹھی باتیں کرنا۔ سلام کرنا۔ نیک کام کرنا۔ لمبی اُمیدیں نہ باندھنا۔ ایمان پر قایم رہنا۔ قرآن میں غور کرنا

[ف] ترجمہ اوپر گزر چکا ؞

خرت کا شوق رکھنا۔ آخرت کے حساب سے ڈرنا۔ بازو کو پست رکھنا۔ میں تجکو
منع کرتا ہوں۔ کہ جو شخص حکمت کی بات بتائے۔ اس کو گالی نہ دینا۔ سچے کو جھوٹا
ٹھیرانا۔ دینا کسی بدکردار کی بات نہ ماننا۔ امام عادل کی نافرمانی نہ کرنا۔ زمین
میں فساد برپا نہ کرنا۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔ کہ اللہ سے ڈرنا ہر پتھر۔ درخت
اور ڈھیلے کے پاس۔ اور یہ کہ ہر گناہ کے لئے نئی توبہ کرنا۔ پوشیدہ گناہ کے
لئے پوشیدہ توبہ۔ اور ظاہر کے لئے ظاہر۔ غرضکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
للہ تعالےٰ کے بندوں کو اس طرح ادب سکھایا۔ اور ان کو مکارم اخلاق اور
محاسن آداب کی ہدایت فرمائی ؛

دوسری فصل

(۱) آپکے عام آداب و اخلاق کا مجمل ذکر جسکو بعض علماء نے احادیث سے جمع کیا ہے

لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ بردبار۔ سب سے زیادہ بہادر
سب سے زیادہ عادل سب سے زیادہ پارسا تھے۔ آپ کا دست مبارک کبھی کسی ایسی عورت کے
تن سے چھوا تک نہیں جس کے آپ آقا۔ یا شوہر یا محرم نہ ہوں۔ آپ سب سے
زیادہ سخی تھے۔ رات تک آپ کے پاس درم و دینار رہنے نہ پاتا تھا۔ اگر کچھ نقدی
بچ رہتی۔ اور کوئی محتاج آپ کو نہ ملتا۔ جس کو عطا فرمائیں اور رات ہو جاتی۔ تو
اپنے مکان میں تشریف نہ لاتے۔ جب تک کہ اس کو کسی محتاج کو نہ دے ڈالتے
اللہ تعالےٰ جو کچھ آپ کو عطا فرماتا۔ اس میں سے سال بھر کے توشہ سے زیادہ
لیتے تھے۔ اور وہ بھی ارزاں خرما اور جو ہوتے تھے۔ اور باقی سب کو اللہ کی
راہ میں خرچ کرتے تھے۔ آپ سے جو کوئی سوال کرتا اس کو کچھ نہ کچھ عطا فرماتے پھر
آپ اپنے سال بھر کے توشہ میں سے دینا بھی شروع کر دیتے۔ یہاں تک کہ وہ بسا اوقات
سال گزرنے سے پیشتر آ گرا اور خرچ آپ کو نہ ملتا۔ تو ضرورت پیش آجاتی ؛
آپ اپنا جوتہ آپ ہی گانٹھ لیتے۔ اور کپڑوں میں پیوند لگا لیتے اور گھر کے لوگوں
کو کام دیتے۔ انکے ساتھ ملکر گوشت بنالیتے۔ آپ سب لوگوں سے زیادہ بہادر تھے

کسی کی آنکھوں میں آنکھیں نہ دیتے تھے - آزاد ہو غلام سب کی دعوت منظور فرماتے - اور ہدیہ قبول کرتے - گو دودھ کا ایک گھونٹ یا خرگوش کی ایک ران ہی ہوتی - ہدیہ کے بدلے ہدیہ دیتے - ہدیہ کو تناول فرماتے صدقہ نہ کھاتے - لونڈی و مسکین کی دعوت قبول کرنے سے تکبر نہ کرتے تھے - ان کے ساتھ چلے جاتے غضبناک ہوتے تھے تو خدا کی خاطر ہوتے تھے - اپنے نفس کی خاطر غصہ نہ فرماتے تھے حق کو جاری فرماتے - گو آپ کا اس میں اور آپ کے صحابہ کا نقصان ہی ہوتا - ایک مرتبہ مشرکوں نے آپ سے درخواست کی - کہ ہم آپ کے طرفدار ہو کر دوسرے مشرکین سے جنگ کریں - گو اس وقت آدمیوں کا اتنی قلت اور ضرورت تھی - کہ ایک آدمی کا اضافہ بھی غنیمت تھا - مگر آپ نے انکار کر دیا - اور فرمایا - کہ میں مشرک سے مدد لینی نہیں چاہتا - ایک مرتبہ آپ کے ایک فاضل صحابی یہودیوں میں مقتول پائے گئے - تو آپ نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی - ورنہ تلخ حق سے آگے بڑھے - بلکہ مقتول کی قریب سو اونٹنیاں بھی اپنے پاس سے ادا کر دیں - حالانکہ اس وقت اصحاب کو اونٹ کی نہایت ضرورت تھی - کہ ایک بھی ملتا - تو اس سے قوت حاصل کرتے - آپ بھوک برداشت کرنے کے لئے اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھتے تھے - جو موجود ہوتا - تناول فرماتے - اور جو پاتے اس کو رد نہ کرتے تھے - حلال کھانے سے ناک نہ چڑھاتے - اگر خرما ملتا - اور روٹی نہ ہوتی - تو اسی کو کھا لیتے - اگر بھنا ہوا گوشت ہاتھ لگتا - اسی کو نوش جان فرماتے - اور اگر گیہوں یا جو کی روٹی ملتی - وہی کھا لیتے - اگر مٹھائی یا شہد ملتا وہی کھا لیتے - اگر روٹی کے بغیر دودھ ملتا - تو اسی پر گزارہ کرتے - اگر خربوزہ یا خرما ملتا - وہی کھا لیتے - تکیہ لگا کر نہ کھاتے - اور نہ اونچے خوان پر رکھ کر کھاتے - ایثار کا یہ عالم تھا - کہ عمر گذر گئی - مگر کبھی برابر تین دن گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی - یہ بات کوئی تنگی کی وجہ سے نہ تھی - اور نہ بخل کی وجہ سے تھی - آپ ولیمہ کی دعوت قبول فرماتے تھے - بیمار کی عیادت کو جاتے - جنازہ کے ساتھ جاتے - دشمنوں میں بلا نگہبان تنہا پھرتے سب سے زیادہ متواضع اور سب سے زیادہ خاموش رہنے والے تھے - مگر یہ بات تکبر سے نہ تھی - کلام میں سب سے زیادہ بلیغ تھے - مگر بات کو طول نہ دیتے

تھے سب سے زیادہ خندہ پیشانی تھے۔ کوئی دنیوی بات آپ کے دل میں ڈر نہ سکتی تھی۔ جو پہننے کو پاتے پہن لیتے۔ کبھی کملی اور کبھی یمنی چادر اور کبھی صوف کا جبہ جو جائز مال سے ملتا پہن لیتے۔ آپ کی انگوٹھی چاندی کی تھی۔ اس کو دائیں یا بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں پہنا کرتے تھے۔ اپنے پیچھے اپنے غلام یا دوسرے شخص کو سوار کر لیتے۔ جو سواری بہم پہنچتی۔ اُسی پر سوار ہو جاتے۔ کبھی گھوڑے پر کبھی اونٹ پر کبھی چتکبرے خچر پر اور کبھی گدھے پر[1] کبھی پا پیادہ۔ ننگے پاؤں، چادر و عمامہ و ٹوپی پہنے بغیر چلتے۔ آپ مدینہ کے انتہائی کنارہ پر بھی بیماروں کو پوچھنے جاتے۔ خوشبو آپ کو پسند تھی۔ بدبو سے نفرت کرتے۔ فقیروں کے ساتھ بیٹھتے۔ مسکینوں کو اپنے ساتھ کھلاتے۔ جو لوگ اخلاق میں افضل ہوتے ان کا اکرام کرتے۔ بھلے لوگوں سے احسان کر کے ان کی دلجوئی کرتے۔ رشتہ داروں سے سلوک کرتے۔ بلا اس کے کہ ان کو اہل فضل پر ترجیح دیں کسی پر زبردستی نہ کرتے۔ عذر آور کا عذر قبول فرماتے۔ آپ کبھی کبھی دل لگی بھی کرتے تھے۔ مگر سچ کے سوا کبھی کچھ نہ کہتے۔ مسکراتے۔ مگر کھل کھلا کر نہ ہنستے تھے مباح کھیل کو دیکھتے۔ اور اس سے منع نہیں کرتے تھے۔ اپنے اہل کے ساتھ دوڑتے۔ کہ کون آگے نکلے۔ آپ کے سامنے کوئی چلا کر بھی بولتا تو آپ صبر فرماتے۔ آپ کے پاس ستہ بیر دار اونٹنی اور بکری تھی۔ جن کا دودھ آپ اور آپ کے گھر کے لوگ پیتے۔ آپ کے پاس لونڈیاں اور غلام بھی تھے۔ کھانے پہننے میں آپ کو ان سے برتر نہ رکھتے۔ کوئی ساعت ایسی نہ گزرتی ہوتی۔ جس میں آپ کوئی کام اللہ کی رضامندی کے لئے یا اپنے نفس کی بہبودی کے لئے نہ کرتے ہوتے۔ اپنے صحابہ کے باغات میں تشریف لے جاتے۔ کسی مسکین کو اس کے مفلس اور اپاہج ہونے کے سبب سے حقیر نہ سمجھتے تھے۔ نہ کسی بادشاہ سے اس کی بادشاہت کے لحاظ سے دبتے تھے۔ بلکہ دونوں کو بلا امتیاز ایک ہی ندا سے اللہ کی طرف بلاتے۔

اللہ تعالےٰ نے آپ میں اعلیٰ سیرت اور مکمل سیاست جمع کر دی تھی۔ آپ اپنی

[1] عرب میں سواری کا کام گدھوں سے بھی لیا جاتا ہے۔ اور وہ گدھے ہمارے ملک کے گدھوں کی طرح صورت اور ذلیل و مبتذل جانور نہیں ہوتے۔ بلکہ خوبصورت چالاک قسم و اچھی نسل کے گدھے ہوتے ہیں ۱۲ مترجم

ہیں۔ کہ نہ پڑھے نہ لکھے۔ جاہل قوم کے ملک اور سنگلاخ میں ناداری اور بکریاں چرانے اور یتیمی کی حالت میں آپ نے پرورش پائی۔ نہ باپ تھا نہ ماں تھی مگر اللہ نے آپ کو تمام محاسن اخلاق اور اچھے طریقے اور اگلے اور پچھلے لوگوں کے حالات اور جن باتوں سے آخرت میں نجات ملے۔ اور دنیا میں جن باتوں کی ایسی کی جاتی ہے اور فرض کی پابندی اور ترک لایعنی سب کچھ سکھا دیا۔ اللہ تعالٰے ہم کو توفیق دے کہ آپکی ہر بات کی اطاعت بجا لائیں۔ اور آپ کے ہر کام کی اطاعت کریں۔ آمین یارب العلمین ٭

(۲) آپکے ان آداب اور اخلاق کا ذکر جنکو ابو بختری نے روایت کیا ہے

ابو بختری کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کبھی کسی مومن کو گالی دی۔ تو اس کے لئے کفارہ اور رحمت کی دعا کی۔ اور نہ کبھی کسی عورت کو لعنت کی نہ خادم کو ایک مرتبہ کسی جنگ میں آپ سے عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ آپ دشمنوں پر لعنت کیوں نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا میں رحمت بنکر آیا ہوں۔ لعنت ڈالنے والا بنکر نہیں آیا۔ جب کبھی آپ سے درخواست کی جاتی۔ کہ کسی مسلمان یا کافر عام یا خاص کے حق میں بد دعا کریں۔ تو آپ بد دعا کی بجائے اس کے حق میں نیک دعا کرتے آپنے جہاد فی سبیل اللہ کے سوا اور کسی موقع پر کسی شخص پر ہاتھ نہیں چلایا۔ جو بدسلوکی آپ کے ساتھ کی گئی۔ اس کا بدلہ آپ نے کبھی نہیں لیا۔ ہاں اس وقت جب کہ حرمت الٰہی کی حرکت کی گئی ہو۔ جب کبھی آپ کو دو امروں کا اختیار دیا گیا۔ تو آپ نے امر سہل کو اختیار کیا۔ بشرطیکہ اس میں گناہ یا قطع قرابت نہ ہوں۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں آپ سے بہت بعید تھیں۔ جو کوئی آزاد یا غلام یا لونڈی آپ کے پاس آتی۔ آپ کا مدعا پورا کرنے کے لئے چل کھڑے ہوتے +

حضرت انس رض فرماتے ہیں۔ کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ کہ جو چیز آپکو بری لگی اس میں کبھی آپ نے مجھ سے یہ نہیں فرمایا۔ کہ یہ تونے کیوں کی۔ کہ جب کسی نے آپ کے گھر والوں میں سے مجھ کو ملامت کی تو آپ نے یہی ارشاد فرمایا۔ کہ اس کو کچھ مت کہو۔ تقدیر میں یوں ہی ہونا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے سونے کی جگہ کو برا نہیں کہا

اگر کسی نے بچھونا بچھا دیا۔ تو لیٹ رہتے اور اگر بستر نہ ہوا۔ تو زمین پر لیٹ رہتے اللہ
بن سلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف آپ کے بن بنانے سے بیشتر
توریت کی پہلی سطر میں اس طرح کیا ہے۔ کہ محمد الرسول اللہ میرا بندہ برگزیدہ
ہے۔ نہ بدمزاج ہے نہ بدکلام ہے۔ نہ بازاروں میں چیختا ہے۔ نہ بدی کا بدلہ بدی
سے دیتا ہے۔ بلکہ معاف اور درگذر کرتا ہے۔ اس کی پیدائش کی جگہ مکہ
معظمہ اور ہجرت کی جگہ طابہ[۱] اس کا ملک شام میں ہے۔ وہ اس کے ساتھی
تہمد باندھتے ہیں۔ قرآن اور علم کے حافظ ہیں۔ ہاتھ پاؤں کو وضو سے دھوتے
ہیں۔ ایسا ہی وصف انجیل میں مذکور ہے۔ آپ کی عادت یہ تھی۔ کہ جس سے
ملتے۔ پہلے خود سلام کہتے۔ اگر آپ کو کوئی شخص کسی بات کے لئے کھڑا کر لیتا
تو آپ صبر کے ساتھ کھڑے رہتے جب تک کہ وہ خود نہ الٹا پھرتا۔ جو شخص
آپ کا ہاتھ پکڑ لیتا۔ آپ اس سے ہاتھ نہ چھڑاتے۔ جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ
دیتا۔ آپ جب اپنے اصحاب میں سے کسی کے ساتھ ملتے۔ تو پہلے مصافحہ
کرتے۔ پھر اس کی انگلیوں میں انگلیاں ڈالتے۔ اور خوب مضبوط
گرفت فرماتے اور کھڑے رہتے۔ اور بیٹھتے ہر حالت میں خدا کا ذکر فرماتے۔
اگر آپ کے نماز پڑھتے وقت کوئی شخص آ بیٹھتا۔ تو آپ اپنی نماز کو مختصر
کر دیتے۔ اور اس کو پوچھتے۔ کہ تم کو کچھ کام ہے؟ جب اس کے کام سے فارغ
ہوتے۔ تو پھر اپنی نماز میں مشغول ہو جاتے۔ آپ کی نشست اکثر یہ تھی۔ کہ دونوں
پنڈلیوں کو کھڑی کر کے ان کے گرد دونوں ہاتھ اس طرح ڈال لیتے جس طرح
گوٹ مارتے ہیں۔ آپ کی نشستگاہ آپ کے اصحاب کی نشستگاہ سے متمیز نہ تھی۔
جہاں بیٹھنے کو جگہ مل جاتی اُسی جگہ بیٹھ جاتے۔ آپ نے کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ کہ
آپ نے اصحاب کی طرف پاؤں پھیلائے ہوں۔ اور اِن پر جگہ تنگ ہو گئی ہو۔
ہاں اگر مکان وسیع ہوتا۔ اور پاؤں پھیلانے سے تنگی نہ ہوتی۔ تو کچھ مضایقہ نہ
تھا۔ آپ اکثر قبلہ رخ ہو کر بیٹھتے تھے۔ اور جو آپ کے پاس آتا تھا۔ اُس کی
خاطر و تواضع کرتے۔ جہاں تک کہ جن کی ساتھ آپ کی کوئی قرابت یا دودھ کا تعلق

---

[۱] مدینہ منورہ کے کئی نام ہیں۔ جن میں سے ایک طابہ بھی ہے ۱۲۔

نہ تھا۔ اِن کے لئے اپنی چادر بچھا کر اس پر ان کو بٹھاتے۔ اور چونکہ آپ کے پیچھے لگا ہوتا تھا۔ اِس کو نکال کر آنے والے کے حوالہ کرتے اگر وہ ان سے انکار کرتا۔ تو آپ اس کو قسم دیتے۔ کہ اسی پر تکیہ لگا کر بیٹھے۔ جس شخص نے آپکو مخاطب کیا۔ اس کو یہی گمان ہوتا کہ سب سے زیادہ آپ ہی کی عنایت زیادہ مجھ پر ہے۔ یہاں تک کہ حاضرین میں سے ہر شخص کو آپ کی نظر عنایت اور توجہ خاص کا حصہ ملتا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کا بیٹھنا۔ فرمانا۔ سننا۔ اور آپ کی توجہ خاص اس شخص کیلئے تھی۔ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اور باہمہ آپ کی مجلس حیا اور تواضع کی مجلس تھی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ[1] وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ اپنے اصحاب کی دلداری کے لئے اِن کو اِن کی کنیتوں سے پکارتے۔ اور جن کی کنیت نہ ہوتی۔ اُس کی کنیت مقرر فرماتے۔ پھر لوگ اس کو اسی کنیت سے پکارتے۔ جن عورتوں کی اولاد ہوتی۔ اِن کی کنیت بھی مقرر کر دیتے۔ اور بے اولاد کی کنیت پہلے سے کر دیتے۔ لڑکوں کے لئے بھی کنیت ٹھیرا دیتے جس سے اِن کے دل نرم ہو جاتے۔ آپ کو سب لوگوں سے زیادہ دیر میں غصہ آتا۔ اور جلد راضی ہو جاتے۔ لوگوں پر حد درجہ کی مہربانی کرتے۔ اور ان کے حق میں سب سے بہتر اور فیض رساں تھے۔ آپ کی مجلس میں کوئی چلا کر نہ بولتا تھا۔ جب آپ مجلس سے اٹھتے تو کہتے سُبْحَانَكَ[2] اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ اور فرماتے کہ یہ کلمات مجھ کو نے لکھائے ہیں ؛

تیسری فصل

آپ کے کلام اور تبسم کا ذکر

---

[1] ترجمہ خدا کی رحمت ہے۔ کہ تو اِن کے لئے نرم ہو گیا اور اگر تو سخت اور سنگدل ہوتا۔ تو تیرے گرد سے منتشر ہو جاتے ۱۲ [2] الٰہی تیری پاکی بیان کرتا ہوں اور تیری حمد کے ساتھ گواہی دیتا ہوں۔ کہ تیرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہیں تم سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو میں سب لوگوں سے زیادہ فصیح تھے اور آپکا کلام سب سے میٹھا تھا۔ آپ فرماتے کہ میں عرب بھر میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اور بہشت میں بہشتی لوگ محمد کی بولی میں باتیں کرینگے۔ آپ تھوڑا بولتے نرم بات کرتے جب کچھ فرماتے زیادہ بات نہ کرتے۔ آپ کی تقریر موتیوں کی لڑی کی طرح منتظم ہوتی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح بہت باتیں کرتے تھے۔ آپکا کلام مختصر ہوتا تھا اور تم کس قدر بہت باتیں بناتے ہو۔ سب سے زیادہ مختصر کلام آپ کا تھا۔ اور اسی کے ساتھ جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آتے۔ اختصار کے باوجود آپ جو کچھ چاہتے اپنے کلام میں جمع فرماتے۔ آپ جامع کلمات استعمال کرتے جن میں نہ زیادتی ہوتی۔ نہ کمی۔ گویا موتیوں کے دانوں کی طرح مسلسل چلے آتے تھے۔ اور اثنائے کلام میں قدرے توقف ہوتا تھا۔ کہ سننے والا اس کو یاد کرلے۔ آپ کی بلند اور لہجہ سب سے اچھا تھا سکوت بہت فرماتے اور بدوں حاجت کے لب مبارک نہ ہلاتے۔ غیر معقول الفاظ زبان پر نہ لاتے۔ اور رضا یا غضب کی کسی حالت میں سچ کے سوا کچھ نہ کہتے۔ جو کوئی بُرا لفظ بولتا اُس کی طرف سے منہ پھیر لیتے۔ اور جو لفظ آپ کو بُرا معلوم ہوتا۔ مجبوری کہنا پڑتا تو اسکو صاف صاف نہ کہتے۔ اشارے سے ظاہر کرتے۔ جب آپ خاموش ہو جاتے۔ تو حاضرین بولتے۔ آپ کے پاس کوئی دوسرے کی بات نہ کاٹتا تھا۔ خیر خواہی کے طور پر سنجیدگی سے بات چیت کرتے فرماتے کہ بعض قرآن کو بعض سے مت ٹکراؤ۔ کہ وہ کئی طرح پر اُترا ہے اپنے اصحاب کے سامنے سب سے زیادہ تبسم اور خندہ فرماتے اور ان کی باتوں سے متعجب ہوتے اور ان کے ساتھ خوب مل جل کرتے۔ اکثر ہنستے تو اسیقدر کہ آپ کے دندان مبارک کھل جاتے۔ اصحاب بھی آپ کی اقتدار کرتے اور آپ کے حضور میں اسی قدر تبسم کرتے جس سے آپ کی توقیر مقصود ہوتی تھی +

کہتے ہیں کہ ایک روز ایک اعرابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کا رنگ اس وقت متغیر تھا۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو خلاف عادت شریف دیکھ کر پہچان گئے تھے۔ اس اعرابی نے آپ سے کچھ پوچھنا چاہا۔ صحابہ نے کہا کچھ نہ پوچھو۔ کہ ہم آپکا رنگ متغیر دیکھتے ہیں۔ اس نے کہا مجھکو چھوڑ دو۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں آپ کو ہنسائے بغیر نہ چھوڑونگا۔ غرضکہ اس نے

عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے سنا ہے۔ کہ دجال لوگوں کے لئے ثرید لائیگا اور لوگ بھوکے مرتے ہونگے تو آپ پر میرے والدین فدا ہوں۔ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں۔ کہ میں اس کے ثرید سے رکا رہوں اور نہ مانگوں یہاں تک کہ بھوک سے جان دیدوں۔ یا یہ حکم دیتے ہیں۔ کہ اس کے ثرید پر ہاتھ ماروں۔ اور جب خوب پیٹ بھر لوں تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤں۔ اور اس کا منکر ہو جاؤں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ اس کو سنکر ہنسے۔ یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک کھل گئے اور فرمایا نہیں بلکہ اس کافر کی جس چیز سے اللہ تعالیٰ دوسرے ایمانداروں کو غنی کر دیگا اس سے تجھکو بھی غنی کر دیگا ✦

آپ سب سے زیادہ تبسم فرمانے اور خوشدل رہتے بشرطیکہ آپ پر قرآن مجید نازل ہو رہا ہوتا۔ یا قیامت کا ذکر یا خطبہ یا وعظ نہ فرمانے ہوتے۔ اور جب آپ خوش اور راضی ہوتے۔ تو سب سے بہتر رضا کی حالت میں ہوتے اور اگر وعظ فرماتے تو واقعی طور پر فرماتے ہنسی کے طور پر نہیں اگر آپ غصہ ہوتے اور آپ کا غصہ ہمیشہ خدا کی خاطر ہوتا تھا تو کسی چیز کو آپ کے غصہ کے سامنے ٹھیرنے کی تاب نہ تھی اور آپ اپنے کاموں میں ایسے ہی تھے۔ اور جب کوئی مشکل آپ کو پیش آتی۔ تو اس معاملہ کو خدا کے سپرد کرتے۔ اور اپنی قدرت و استطاعت سے بری ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی التجا کرتے اور الٰہی مجھ کو حق کی صورت میں دکھا پھر اس کا اتباع کروں۔ اور بری بات کو بری دکھا۔ میں اور اس کے بچنے کی توفیق مجھکو عطا کر۔ اور مجھکو اس حالت میں پناہ دے۔ کہ بری بات کی مجھکو تمیز نہ رہے۔ سبب بدوں تیری ہدایت کے بغیر میں اپنی خواہش کا اتباع کروں اور میری خواہش کو اپنی طاعت کا طابع دار بنا۔ اور اپنی ذات پاک رضا کا کام مجھ سے میری تندرستی میں لے۔ اور امر حق میں اختلاف پڑنے کے وقت مجھ کو اپنے حکم سے حق کی ہدایت کر بیشک تو جسکو چاہتا ہے۔ سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے ✦

چوتھی فصل

کھانے پینے میں آپ کے آداب کا ذکر ✦

خدا کی نعمت رہیں جو کچھ آپ کو ملتا بخوشی تناول فرماتے ایسا کھانا آپکو نہایت پسند تھا
جس میں آپ کے ساتھ کھانے میں اور بھی بہت سے لوگ شریک ہوتے جب دسترخوان
دیا جاتا تو آپ کہتے بسم اللہ اللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا نِعْمَۃً مَشْکُوْرَۃً تَصِلُ بِھَا نِعْمَۃُ الْجَنَّۃِ
جب آپ کھانا کھانے بیٹھتے تو اول دونوں زانو اور دونوں قدم ملا لیتے۔ جیسے نماز میں بیٹھا
جاتا ہے۔ پھر زانو پر زانو اور قدم پر قدم ہوتا تھا۔ اور فرماتے ہیں بندہ ہوں اور بندوں کی
طرح کھاتا ہوں سخت گرم کھانا نہیں کھاتے تھے اور فرماتے زیادہ گرم کھانا برکت
نہیں پاتا ہے خدا ہم کو آگ نہ کھلائے۔ کھانے کو ذرا ٹھنڈا کر کے کھایا کرو۔ آپ اپنے آگے
سے کھاتے اور تین انگلیوں سے لقمہ اٹھاتے کبھی کبھی چوتھی انگلی بھی ملاتے۔ مگر
دو انگلیوں سے کبھی نہ کھاتے، اور فرماتے کہ شیطان کے کھانے کا طریق ہے۔
ایک مرتبہ حضرت عثمان رض آپ کے پاس فالودہ لائے۔ آپ نے اس میں سے
تناول فرمایا۔ اور پوچھا اے ابو عبداللہ یہ کیا ہے۔ عرض کی کہ آپ پر میرے والدین
قربان ہوں۔ ہم شہد اور گھی دیگچی میں ڈال کر آگ پر پکاتے ہیں اور اس میں
گیہوں کا میدہ ڈال کر گھی اور شہد کو چمچہ سے ہلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پک کر
ایسا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا یہ غذا
طیب ہے۔ جو کے ان چھانے آٹے کی روٹی بھی کھا لیتے اور ککڑی تر خرما۔ اور نمک
کے ساتھ تناول فرماتے۔ ترمیووں سے خربوزہ اور انگور آپ کو بہت بھاتے
تھے۔ خربوزہ روٹی کے ساتھ بھی کھا لیتے اور کبھی اس پر نبات ڈال لیتے کبھی
خربوزہ تر سے کھاتے اور کھانے میں دونوں ہاتھوں سے مدد لیتے ایک روز آپ
تر خرما دائیں ہاتھ سے کھاتے تھے اور گٹھلیاں بائیں ہاتھ میں جمع فرماتے جاتے
تھے۔ کہ اتنے میں ایک بکری آئی۔ آپ نے اس کی طرف گٹھلیوں کا اشارہ کیا۔ وہ
آپ کے بائیں ہاتھ میں کھاتی رہی اور آپ دائیں ہاتھ سے کھاتے رہے یہاں تک
کہ جب آپ کھا چکے۔ تو بکری بھی چلی گئی۔ اور کبھی آپ انگوروں کا خوشہ منہ میں رکھ
لیتے۔ یعنی کئی کئی ایک دفعہ کھا لیتے۔ اور انگوروں کا پانی آپ کی ریش مبارک پر
موتیوں کی طرح اترتا معلوم ہوتا تھا۔ اور آپ کا اکثر کھانا خرما اور پانی تھا اور کبھی
آپ ایک گھونٹ دودھ کا لیتے۔ اور اوپر سے ایک خرما کھاتے پھر اس طرح کھاتے

اور دودھ اور خرما اطیبین فرماتے۔ کھانوں میں سے آپ کو گوشت نہایت پسند تھا اور فرماتے یہ قوت سامعہ کو قوت بخشتا ہے اور دونوں جہان میں سید الطعام ہے اور اگر میں اپنے پروردگار سے درخواست کرتا۔ کہ مجھ کو ہر روز گوشت عطا کرے تو وہ بیشک عطا فرماتا۔ اور آپ ثرید کو گوشت اور کدو کے ساتھ کھاتے اور کدو کو آپ پسند فرماتے اور ارشاد فرماتے۔ کہ یہ پیڑ میرے بھائی یونسؑ کا ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ آپ ارشاد فرماتے کہ جب تم ہنڈیا پکاؤ تو اس میں کدو بہت ڈالا کرو کہ وہ غمگین دل کو تقویت دیتا ہے۔ اور جس پرند کا شکار ہوتا۔ اس کو تناول فرماتے۔ اور شکار کا پیچھا خود نہ کرتے تھے۔ اور نہ آپ شکار مارتے تھے۔ مگر کوئی شکار کرکے لاتا۔ تو اس کا کھا لینا پسند فرماتے تھے۔ اور جب گوشت کھاتے۔ تو سر مبارک کو اس کے لئے نہ جھکاتے بلکہ اس کو منہ کے پاس لاکر دانت سے کاٹتے۔ اور روٹی اور گھی تناول فرماتے۔ اور بکری میں سے آپ کو دست اور شانہ پسند تھا۔ اور ہنڈیا میں سے کدو اور روٹی لگاکر کھانے کی چیزوں میں سے سرکہ اور کھجوریں میں سے عجوہ پسند فرماتے تھے اور عجوہ کھجور کے حق میں برکت کی دعا فرمائی۔ اور فرمایا۔ کہ یہ جنت میں سے ہے۔ اور زہر اور جادو سے شفا ہے۔ اور ساگ کی قسم سے آپ کاسنی اور ریحان اور خرفہ جس کو رجلہ کہتے ہیں پسند فرماتے تھے۔ اور گردوں کو آپ برا جانتے۔ اس لئے۔ کہ پیشاب کا مقام ہے۔ اور بکری میں سے سات چیزیں نہ کھاتے تھے۔ ذکر۔ اور فوطے اور پھکنا اور پتا اور غدہ اور فرج اور خون ان کو برا جانتے تھے۔ کچا لہسن اور پیاز اور گندنا نہیں کھاتے تھے۔ کوئی کھانا اگر آپ کو پسند ہوتا۔ کھانے لگتے۔ اور ناپسند ہوتا۔ تو نہ کھاتے۔ مگر اس کو برا نہ کہتے اور دوسرے کو نہ نفرت دلاتے۔ گوہ جانور اور تلی سے آپ کو نفرت تھی۔ مگر ان کو حرام نہیں فرمایا۔ انگلیوں کے ساتھ برتن چاٹتے اور فرماتے کہ کھانے کے آخری حصہ میں بہت برکت ہوتی ہے۔ کھا چکنے کے بعد انگلیاں اتنی چاٹتے۔ کہ سرخ پڑ جاتیں۔ جب تک ایک ایک انگلی نہ چاٹ لیتے۔ تب تک رومال سے ہاتھ صاف نہ کرتے۔ اور فرماتے معلوم نہیں۔ کس کھانے میں برکت ہے۔ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے الحمد[۵]

---

[۵] تمام تعریف اللہ کو۔ الٰہی تیرا شکر ہے تو نے کھانا کھلا کر پیٹ بھر دیا اور پانی پلا کر سیراب کر دیا تجھی کو حمد ہے بحالیکہ ہم ناشکری نہیں کرتے نہ آگے کو تیری نعمتوں سے توقع توڑتے ہیں نہ تجھ سے بے نیاز ہوتے ہیں ۱۲

اللّٰہُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَطْعَمْتَ فَاَشْبَعْتَ وَسَقَیْتَ فَاَرْوَیْتَ لَکَ الْحَمْدُ غَیْرَ مَلْقُوْرٍ لَا
مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًا مِنْہُ گوشت روٹی کھاتے تو حضور اچھی طرح ہاتھ دھونے اور دھونے
کے بعد ہاتھ منہ پر پھیرتے۔ پانی کو تین گھونٹ کرکے پیتے ہر گھونٹ کے شروع میں
بسم اللہ پڑھتے۔ اور آخر میں الحمد للہ کہتے۔ پانی کو چوس چوس کر پیتے بڑے گھونٹ سے نہ
پیتے کبھی ایک ہی سانس میں پانی پینے سے فراغت پاتے۔ اور برتن میں اثنائے
شرب میں سانس نہ لیتے۔ بلکہ اس سے منہ ہٹاکر سانس لیتے۔ اپنا بچا ہوا اس کو
مرحمت فرماتے۔ جو آپ کے دائیں طرف ہوتا۔ اور کبھی بائیں طرف والا رتبہ میں بڑا
ہوتا۔ تو دائیں طرف سے اجازت لیتے۔ کہ طریق سنت تو یہی ہے۔ کہ تجھ کو ملے۔ لیکن
اگر تجھ کو پسند ہو۔ تو دائیں والونکو اپنے آپ پر ترجیح دے۔ ایک بار آپ کی خدمت
میں ایک برتن آیا جس میں شہد اور دودھ تھا۔ آپ نے اس کو پینے سے انکار
کیا۔ اور فرمایا کہ دو پینے کی چیزیں ایک دفعہ میں اور دو سالن ایک برتن میں ہیں پھر
فرمایا۔ کہ میں اس کو حرام نہیں کرتا ہوں مگر فخر کو اور دنیا کی فضول بڑائی کا قیامت میں
حساب ہونیکو برا جانتا ہوں۔ اور تواضع کو پسند کرتا ہوں۔ کہ جو کوئی اللہ تعالےٰ کے
واسطے تواضع کرتا ہے۔ اللہ اس کو بلند کرتا ہے۔ آپ اپنے مکان کے اندر باکرہ عورت
سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ کھانا گھر والوں سے نہ مانگتے۔ نہ اس پر کسی کھانے
کی فرمائش کرتے۔ اگر انہوں نے کھلا دیا۔ تو کھا لیا۔ اور جو سامنے لا رکھا۔ قبول فرمایا
اور جو پلا یا پی لیا اور بعض اوقات اپنے کھانے یا پینے کی چیز کو خود کھڑے ہو کر لے لیتے

پانچویں فصل

لباس میں آپ کے آداب کا ذکر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تہمد۔ چادر۔ کرتہ۔ جبہ وغیرہ جو ملتا۔ پہن لیتے۔ سبز رنگ
کپڑے آپ کو بہت پسند تھے۔ مگر اکثر سفید رنگ ہی پہنا کرتے۔ اور فرماتے اس رنگ
کپڑے اپنے زندوں کو پہناؤ۔ اور اپنے مردوں کو اسی میں کفن دو۔ لڑائی میں رئیدار

قدرت ہوتی - مگر بہر حال عفو ہی آپ کو اچھی لگتی تھی - یہانتک کہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں سونا چاندی کے ہار آئے - آپ نے اُن کو اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا - اُسی وقت ایک بدوی اُٹھا - اور کہنے لگا - کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم البتہ اللہ نے آپ کو عدل کرنیکا حکم دیا ہے مگر میں آپ کو عدل کرتے نہیں دیکھتا آپنے فرمایا کم بخت میرے سوا تجھپر کون عدل کریگا - جب وہ پشت پھیر کر چلا - تو آپ نے فرمایا اس کو نرمی کے ساتھ میرے پاس لاؤ - اور حضرت جابر رضہ سے روایت ہے - کہ حنین کی لڑائی میں کچھ چاندی ہاتھ لگی - آپنے لوگوں کو تقسیم کر دینے کی غرض سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چادر میں ڈال لیا - ایک آدمی بولا یا رسول انصاف کیجئے - آپ نے فرمایا - کمبخت اگر میں عدل نہ کرونگا - تو اور کون کریگا - تو محروم اور خسارہ میں رہیگا - اگر میں عدل نہ کروں حضرت عمر فاروق رضہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا - یا رسول اللہ اجازت ہو تو اس کی گردن اڑا دوں - یہ منافق ہے - آپنے فرمایا معاذ اللہ - لوگ کہینگے - کہ میں اپنے یاروں کو قتل کرتا ہوں - ایک لڑائی میں ایسا اتفاق ہؤا - کہ مسلمان آپ کی حفاظت سے ذرا غافل ہوئے - دشمنوں سے ایک شخص نے موقعہ غنیمت جانا - اور تلوار لیکر آپ کے سر پر جا پہنچا - اور کہنے لگا - کہ اب تم کو مجھ سے کون چھڑا سکتا ہے - آپ نے فرمایا اللہ - راوی کہتا ہے کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلوار اُٹھا کر فرمایا تجھ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے - اس نے کہا رحم کیجئے - آپنے فرمایا - کہہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمد الرسول اللہ - اس نے کہا یہ تو میں نہ کہونگا - البتہ آیندہ آپ سے لڑونگا نہیں - نہ آپ کو مدد دونگا - نہ آپ کے دشمنوں کو - آپنے اس کا پیچھا چھوڑا - وہ اپنے ہمراہیوں کے پاس آکر کہنے لگا - میں اس شخص کے پاس سے آرہا ہوں - جو تمام لوگوں سے اچھا ہے ؞

حضرت انس رضہ سے روایت ہے - کہ ایک یہودی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بکری کا گوشت لائی - جس میں زہر ملائی گئی تھی - تاکہ آپ کھائیے - جبرئیل علیہ السلام نے آپکو اس دہوکہ سے مطلع کیا، تو اس یہودیہ عورت کو آنحضرت کے روبرو

حاضر کیا گیا۔ آپنے اس امر کا باعث پوچھا اس نے صاف کہہ دیا۔ کہ آپ کو قتل کرنیکی غرض سے میں نے یہ کیا تھا۔ آپنے فرمایا خدا کو منظور نہ تھا۔ کہ تجھ کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے لوگوں نے عرض کی۔ کیا آپ حکم نہیں دیتے۔ کہ اسے قتل کر ڈالیں۔ فرمایا نہیں۔

یہودیوں میں سے ایک شخص نے آپ پر جادو کیا۔ جبریل ع نے آپکو اسسے مطلع کیا آپنے وہ جادو دلکا دہاگہ نکلوایا۔ اور اسکی گرہیں کھولیں فوراً آپ کو آرام ہو گیا مگر آنحضرت کا عفو و حلم دیکھو کہ) یہودی سے اسبات کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ اور نہ کبھی اس پر ظاہر کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اور زبیر اور مقداد کو فرمایا۔ کہ روضہ خاخ کو جاؤ۔ وہاں ایک عورت ملیگی جو ہودے میں بیٹھی (سفر کر رہی ہے) اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے چھین لاؤ۔ ہم روانہ ہوئے اور روضہ خاخ میں پہنچکر۔ اس عورت سے کہا۔ خط نکال۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا بہتر ہے کہ خود نکالے۔ ورنہ ہم جامہ تلاشی لینگے (یہ سنکر) اس نے اپنی مینڈہیوں میں سے خط نکالا۔ اور ہمارے حوالہ کیا) ہم اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے (کھولا گیا) تو دیکھا۔ کہ حاطب ابن ابی طبعہ کی طرف سے مکہ کے مشرکوں کے نام تھا (جس میں اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی (مخفی) بات سے اُن لوگوں کو مطلع کرنا چاہا تھا آپ نے فرمایا اے حاطب یہ کیا کارروائی ہے۔ اس نے عرض کی یا رسول میرے بارہمیں جلدی نہ فرمایئے۔ (یعنی مجھکو عذر پیش کرنیکی مہلت دیجئے) میں اپنی قوم میں یونہی ملا جلا ہوا ہوں۔ یعنے قریش میں مقیم ہوں۔ نسب میں شریک نہیں)۔ اور آپ کے ساتھ جو دوسرے مہاجر لوگ ہیں۔ ان کے رشتہ دار مکہ میں بہت ہیں وہ انکے گھروں کی حفاظت کرینگے۔ میں نے سوچا کہ مجھکو اگر نسبی قرابت حاصل نہیں۔ تو قریش پر کچھ احسان ہی کروں۔ جس سے وہ میرے عیال کو بچائیں۔ اور یہ کام میں نے کفر کی نیت سے نہیں کیا۔ اور نہ اسلام کے بعد کفر سے راضی ہو کر کیا ہے۔ نہ اپنے دین سے

لہ ایک جگہ کا نام ہے۔ جو مدینہ اور مکہ کے درمیان ہے ۱۲

مرتد ہو کر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس شخص نے تم سے سچ سچ بیان کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رضہ نے عرض کیا۔ مجھ کو اجازت دیجئے۔ کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آنحضرت نے فرمایا۔ یہ شخص بدر کی لڑائی میں شریک تھا۔ اور تم کو کیا معلوم ہے۔ کہ شاید اللہ تعالےٰ نے بدر والوں کے حال پر مطلع ہو کر یہی فرمایا ہو۔ کہ جو چاہو۔ عمل کرو۔ میں نے تم کو بخشا؛

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال تقسیم فرمایا۔ انصاریوں سے ایک شخص نے کہا۔ اس تقسیم میں خدا کی خوشنودی کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ یہ بات کسی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچا دی یہ سنکر آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور فرمایا۔ رحم کرے اللہ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر۔ کہ اُن کو اس سے بھی زیادہ ایذا دی گئی۔ مگر انہوں نے صبر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ تم میں سے کوئی میرے اصحاب کی طرف سے کوئی بات مجھ سے نہ کہا کرے۔ کہ میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ تمہارے پاس سینہ صاف ہو کر آؤں؛

ساتویں فصل

ناپسند باتوں سے آپ کی چشم پوشی کا ذکر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بشرہ مبارک لطیف اور ظاہر و باطن صاف تھا آپکی خفگی اور رضامندی آپ کے چہرہ سے معلوم ہو جاتی تھی۔ اور جب آپ کو غصہ بہت ہوتا تو آپ اپنی مبارک کو بہت چھوتے۔ کسی کے سامنے ایسی بات نہ کرتے۔ جو اُس کو بُری لگے ایکمرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر کیا۔ جو زرد خوشبو لگائے ہوئے تھا وہ آپ کو بُری معلوم ہوئی۔ مگر اس سے کچھ نہ فرمایا۔ جب وہ چلا گیا۔ تو لوگوں سے ارشاد فرمایا۔ کہ اگر تم اس سے کہدو۔ کہ اس کا استعمال نہ کرے۔ تو اچھا ہو۔ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کیا۔ صحابہ اس کی طرف لپکے۔ آپ نے فرمایا اس کا پیشاب نہ روکو۔ پھر اس سے ارشاد فرمایا۔ کہ یہ مسجدیں اس غرض نہیں بنائی گئیں

کر ان میں کوڑا کرکٹ اور پیشاب پاخانہ ڈالا جاتے ۔
ایک روز ایک اعرابی آپ کی خدمت میں آیا ۔ اور کچھ سوال کیا آپ نے اُس کو کچھ دیکر پوچھا ۔ کیا میں نے تجھ سے نیکی کی ۔ آپنے کہا نہ آپ نے احسان کیا نہ نیکی کی ۔ راوی کہتا ہے کہ مسلمان اس بات سے طیش میں آگئے ۔ اور جھنجلا کر اس پر لپکے آپنے اُس کو ارشاد فرمایا کہ باز رہو ۔ پھر آپ اُٹھکر اپنے مکان میں تشریف لے گئے ۔ اور اس اعرابی کو بلاکر کچھ اور دیا پھر پوچھا کہ کیا میں نے تجھپر احسان کیا ۔ اس نے عرض کی ہاں اللہ تعالٰے آپ کے اہل وقبیلہ کو جزائے خیر دے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ کہ تو جو لفظ اول کہہ چکا ہے ۔ میرے اصحاب کے دلمیں کھٹک رہا ہے اگر تیرا دل چاہے ۔ تو جو بات تو میرے سامنے کہتا ہے وہ چل کر انکے سامنے بھی کہدے ۔ تاکہ اِن کے دلوں میں جو تجھ سے کدورت ہے وہ دور ہوجائے اعرابی نے کہا بہتر ۔ دوسرے روز صبح کو یا شام کو وہ اعرابی آیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اس اعرابی نے جو کہنا چاہا کہدیا ۔ مگر ہم نے اس کو کچھ اور بھی دیا ۔ تب اُس نے کہا کہ میں اس سے راضی ہوگیا ۔ پھر آپ نے اس اعرابی سے پوچھا ۔ کہ ایسی طرح ہے نا؟ اس نے کہا ۔ ہاں آپ کے اہل قبیلہ کو خدا جزائے خیر دے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ میری اور اس اعرابی کی مثل ایسی ہے ۔ جیسے کسی شخص کی اونٹنی بدک گئی ہو ۔ اور لوگ اس کو پکڑنے کے لئے پیچھے دوڑیں ۔ اور اس کو اور بھی بھگادیں ۔ پھر مالک ان کو آواز دے کہ تم سب علیحدہ ہوجاؤ ۔ میں جانوں اور میری اونٹنی ۔ کیونکہ میرا دل اسپر زیادہ نرم ہے ۔ اور میں اس کی عادت سے زیادہ واقف ہوں ۔ پھر وہ سامنے کی طرف چلا اس کی طرف چلا ۔ اور زمین سے کچھ گھاس لیکر اُس کو دکھائی اور آہستہ آہستہ اُس کو اپنی طرف بلالیا یہاں تک کہ جب وہ آئی تو اُس کو بٹھالیا ۔ اور اسپر کاٹھی رکھکر سوار ہوگیا پھر آپنے فرمایا ۔ جب اس شخص نے وہ لفظ جو اُس کے منہ میں آیا کہدیا تھا ۔ اگر میں تم کو منع نہ کرتا ۔ اور تم اُس کو مار ڈالتے ۔ تو وہ دوزخ میں چلا جاتا ۔

آٹھویں فصل

آپ کے جود وسخا کا ذکر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی اور دریا دل تھے ماہ رمضان میں تو آپکی سخاوت ایک تند مزاج بن جاتی تھی - کہ کوئی چیز نہ چھوڑتی تھی حضرت علیؓ جب آپکی تعریف کرتے - تو فرماتے کہ آپ سب سے زیادہ فراخ دست اور دریا دل اور بات دھنی - قول کے سچے اور عہد کے پکے تھے - عادات نرم اور آپ کا خاندان شریف تھا - جو کوئی آپ کو یکایک دیکھتا - تو اسپر رعب چھا جاتا - اور اگر شناسائی کے طور پر آپ سے ملتا جلتا - تو عاشق ہو جاتا - آپ کا ہر مداح کہتا ہے - کہ میں نے آپ جیسا نہ آپ سے پہلے کوئی دیکھا ہے - نہ آپ کے بعد - مسلمان ہونیپر کسی نے جو چیز آپ سے مانگی - آپ نے اس کے دینے میں دریغ نہیں کیا - چنانچہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا - تو آپ نے اُس کو اتنی بھیڑ بکریاں عطا کیں - کہ دو پہاڑ وں کے درمیان کی فضا ان سے پر ہوتی تھی - وہ شخص اپنی قوم کی طرف واپس گیا - اور اُن لوگوں سے کہا - کہ تم مسلمان ہو جاؤ - کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ ایسی دریا دلی سے عطا و بخشش کرتے ہیں - گویا ان کو اپنے فاقہ سے خوف ہی نہیں ہے *

جب کبھی آپ سے کسی چیز کا سوال کیا جاتا - تو آپ اس کے جواب میں کبھی نہیں کا لفظ نہیں کہا - ایک مرتبہ آپکی خدمت میں نوے ہزار درہم آئے آپنے انکو بوریئے پر رکھدیا پھر انکو تقسیم کرنا شروع کیا - اور کسی سایل کو نکما نہ جلنے دیا - یہاں تک کہ ان کو ختم کرکے دم لیا - ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر سوال کیا - آپ نے فرمایا - میرے پاس کچھ نہیں - مگر تجھ کو جو کچھ چاہیئے وہ کسی دوسرے شخص سے میرے نام پر قرض لیلے - جب ہم کو کچھ ملیگا - تو ہم اس کو ادا کر دینگے - حضرت عمر فاروق رضؓ نے عرض کیا - یا رسول اللہ جس چیز پر آپ کو قدرت نہیں اللہ نے اسکے لئے آپ کو مجبور نہیں کیا - آنحضرت کو یہ بات بُری معلوم ہوئی - اس شخص نے عرض کیا - کہ آپ خرچ کئے جایئے مدعرش بریں کے مالک سے مفلسی کا خوف نہ کیجیئے آنحضرت مسکرائے متبسم فرمایا - اور آپکے چہرہ مبارک

پر ہر دو معلوم ہوا ۔

جب آنحضرت غزوۂ حنین سے واپس تشریف لائے۔ تو عربوں نے حاضر ہو کر آپ پر سوال پر سوال کئے۔ یہانتک کہ آپکو دھکیلتے دھکیلتے ایک ببول کے درخت کی طرف لے گئے۔ اس درخت میں آپ کی چادر اٹک گئی۔ تو آپ نے ذرا توقف کرکے فرمایا۔ مجھکو میری چادر دے دو۔ اگر میرے پاس ان خاندار درختوں کے برابر بھی اونٹ ہوں۔ تو میں ان کو تقسیم کر دوں۔ پھر تم کو مجھکو بخیل اور جھوٹا اور کم حوصلہ نہ پاؤگے ۔

نویں فصل

آپ کی شجاعت اور ہیبت کا ذکر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ جری اور بہادر تھے حضرت علی رضہ فرماتے ہیں۔ کہ غزوۂ بدر میں ہم نے اپنے آپ کو دیکھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ ڈھونڈتے تھے۔ اور آپ ہم سب سے زیادہ دشمن سے قریب تھے۔ اور اسروز سب لوگوں سے زیادہ آپ سخت لڑنے والے تھے۔ اور یہ بھی حضرت علی رضہ سے مروی ہے۔ کہ جب میدان جنگ گرم ہوتا تھا۔ اور دونو صفیں مل جاتیں۔ تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ میں ہوجاتے تھے۔ پس دشمن کی طرف آپ سے زیادہ قریب اور کوئی نہیں ہوتا تھا ۔

روایت ہے کہ آنحضرت چونکہ کم گو تھے۔ اس لئے لوگوں کو لڑائی پر آمادہ کرنے کے لئے زیادہ باتوں اور تقریروں سے کام نہیں لیتے تھے۔ جب لوگوں کو لڑائی کا حکم دیتے۔ تو آپ بنفس نفیس مستعد ہوجاتے۔ اور آپ سب لوگوں سے زیادہ جنگجو تھے۔ وہ شخص بہادر گنا جاتا تھا۔ جو لڑائی میں آپ کے قریب ہوتا تھا کیونکہ آپ دشمن کے قریب رہتے تھے۔ عمران ابن حصین فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نے جب کسی فوج سے مقابلہ کیا ہے۔ تو سب سے پہلے آپ ہی نے وار کیا۔ آپکا حملہ تند ہوتا تھا۔ اور جب آپ کو مشرکوں نے گھیر لیا۔ تو آپ اپنی خچر سے اتر پڑے اور فرمانے

لگے۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ ہ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ[1] اس روز کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا تھا۔ جو آپ سے زیادہ جری ہو۔

دسویں فصل

آپ کی تواضع اور کسرِ نفسی کا ذکر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بلند مرتبہ کے باوجود سب لوگوں سے زیادہ تواضع و فروتنی کرتے تھے ابن عائذ رض سے کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ اونٹنی پر سوار جمرہ پر کنکریاں مارتے دیکھا ہے اسوقت آپ کسی کو مارتے تھے نہ دھکے دیتے تھے نہ ہٹو بچو کہتے تھے آپ گدہے پر بھی جادر کا زین ڈالکر سوار ہوتے تھے اور کسی دوسرے کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے آپ کی بیمار کی خبر گیری کو جاتے چنانچہ جنازہ کے ساتھ جاتے۔ اور غلام کی دعوت منظور فرماتے اور اپنی پاپوش کو خود ہی گانٹھ لیتے اور کپڑے میں پیوند لگاتے اپنے مکان میں گھر والوں کے کام کاج میں شریک ہوکر ان کا ہاتھ بٹاتے آپکے اصحاب آپ کے لئے تعظیماً کھڑے نہیں ہوتے تھے اس لئے کہ ان کو معلوم تھا۔ کہ اس بات کو آپ برا جانتے ہیں۔ جب آپکا گذر لڑکوں پر ہوتا۔ تو ان کو سلام کرتے ایک شخص آنحضرت کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ تو وہ آپ کے رعب میں کانپنے لگا آپنے فرمایا ڈرو نہیں۔ میں بادشاہ نہیں ہوں[2] صرف ایک قریش عورت کا بیٹا ہوں۔ جسکو کھانے کے لئے خشک گوشت جڑتا تھا۔ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ اس طرح مل جل کر بیٹھتے۔ گویا کہ آپ انہیں میں شامل ہیں۔ کوئی اجنبی آتا تو وہ پوچھے بغیر معلوم نہ کرسکتا تھا۔ کہ آپ کون سے ہیں۔ یہاں تک کہ مجاز سے عرض کیا۔ کہ آپ ایسی ممتاز جگہ پر بیٹھا کریں۔ کہ اجنبی آدمی آپ کو پہچان لیا کرے چنانچہ آپ کے لئے مٹی کا چبوترہ بنا دیا گیا۔ آپ اس پہ بیٹھتے۔ حضرت عائشہ رض نے آپکی خدمت میں عرض کیا۔ اللہ تعالی مجھکو آپ پہ قربان کرے آپ تکیہ لگا کر کھانا کھایا کیجئے اس سے آپکو تکلیف نہ ہوگی آپنے سرمبارک اتنا جھکایا۔ کہ پیشانی مبارک زمین سے لگجانیکے قریب

---

[1] میں نبی ہوں۔ جھوٹا نہیں ہوں۔ میں عبد المطلب کا پوتا ہوں ۱۲

…تی۔ اور دنیا میں اس طرح کھاؤنگا جسطرح بندہ کھاتا ہے۔ اور اس طرح بیٹھونگا
اس طرح بندہ بیٹھتا ہے۔ آپنے عمر بھر میں کبھی بھی خوان یا کشتی میں کھانا نہیں کھایا۔
آپ کے اصحاب یا دوسرے لوگوں میں سے جو کوئی آپ کو پکارتا۔ تو اس کے
جواب میں فرماتے لبیک (حاضر ہوں) اور جب آپ لوگوں کے پاس بیٹھتے تو اگر وہ
آخرت کی باتیں کرتے۔ تو خود بھی ان کے ساتھ اسی کے متعلق گفتگو کرتے۔ اگر
وہ کھانے پینے کی باتیں کرتے۔ تو آپ بھی ویسی ہی باتیں کرنے لگتے اگر وہ دنیا کے
باب میں کلام کرتے۔ تو آپ بھی وہی ذکر کرتے۔ اور اگر اصحاب رضی کبھی آپکے سامنے شعر
پڑھتے اور کچھ حالات عہد جاہلیت کے بیان کرتے اور ہنستے تو آپ بھی ان کے ساتھ
تبسم فرماتے اور حرام کے سوا کسی بات سے خلق کے ساتھ منع نہ فرماتے ۔

گیارھویں فصل

آپ کی صورت اور خلقت کا ذکر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک نہ بہت لمبا اور بیڈول تھا اور نہ پست و فربہ تھا
بلکہ جب تنہا چلتے۔ تو لوگ آپ کو میانہ قد کہتے اور تاہم اگر کوئی لمبے قد کا آدمی آپکے ساتھ چلتا
تو آپ ہی کا قد اس پر فائق رہتا۔ اور کبھی دو لمبے قد والے آپ کے ادھر ادھر ہوتے
تو بلند بالائی میں آپ ان پر غالب ہوتے اور جب آپ سے وہ علیحدہ ہوتے تو ان کو لوگ
دراز قد بتاتے اور آپکو میانہ قد بتاتے آنحضرت فرماتے کہ خیر بالکل میانہ پن میں کر
دی گئی ہے ۔

آنحضرت صلعم کا رنگ مبارک ازہر یعنی گورا چٹا تھا۔ نہ آپ گندم گوں تھے اور نہ
سفید اور ازہر وہ خالص سفید ہے جس میں زردی یا سرخی یا کسی دوسرے رنگ کی آمیزش
نہو۔ آپ کے رنگ کی تعریف میں آپکے چچا ابو طالب نے یہ شعر کہا ہے ؎

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ } وہ نورانی رنگ والا جسکی بدولت بادل سے مینہ مانگا جاتا ہے
ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِّلْاَرَامِلِ } یتیموں کیلئے پناہ ہے اور بیوہ عورتوں کو محتاجی سے بچانیوالا ہے

اور بعض نے یوں تعریف کی ہے کہ آپکا رنگ سرخی مائل تھا تو ان دونوں قولوں میں جمع ہو سکتی

صورت یوں ہو سکتی ہے کہ سرخی مائل وہ اعضا مبارک ہے جو ہوا میں کھلے
رہتے تھے۔ جیسے چہرہ اور گردن اور جو اعضا کپڑے کے نیچے رہتے تھے وہ سرخی کی ملاوٹ
کے سبب گورے تھے آپ کے چہرہ مبارک سے پسینے کے قطرے موتی کی طرح مشک
خالص سے بھی زیادہ خوشبودار رہتے تھے۔ اور آپ کے بال خوبصورتی کے ساتھ
مڑے ہوتے تھے۔ نہ بالکل لٹکے ہوئے نہ بہت گھنگھریالے جب آپ انہیں کنگھی کر لیتے
تو اس میں ایسی لہریں پڑ جاتیں جس طرح ہوا سے ریت میں پڑ جاتی ہیں روایت ہے
کہ آپ کے بال شانوں سے چھوٹے ہوتے تھے اور عام روایت ہے کہ کانوں کی لو تک
تھے کبھی آپ ان کو ۴ حصوں میں تقسیم کر دیتے اور ہر ایک کان دو حصوں میں سے
نکلا رہتا۔ اور کبھی آپ بالوں کو کانوں کے اوپر کر دیتے۔ تو آپ کی گردن کا کنارہ
چمکتا دمکتا معلوم ہوتا۔ آپ کے سر مبارک اور ریش میں سترہ بال سفید تھے اس
سے زیادہ بال سفید نہیں ہوئے آپ کا چہرہ مبارک سب سے زیادہ خوبصورت
اور روشن تر تھا۔ جس نے آپ کے چہرہ کا وصف بیان کیا اس نے اس کو چودھویں
رات کے چاند سے ہی تشبیہ دی اور چونکہ آپ کا بشرہ صاف تھا۔ اس لئے آپ کی خوشنودی
اور خفگی چہرہ سے معلوم ہو جاتی تھی۔ اور لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ آپ ایسے ہی ہیں۔ جیسے
آپ کے یار غار حضرت صدیق اکبر نے آپ کی مدح میں کہا ہے ؎

أمينٌ مصطفىٰ للخير يدعوا | حضرت مصطفیٰ اس عین خیر کی طرف بلاتے ہیں۔
كضوء البدر زائله الظلام | ماہ کامل کی چاندنی کی طرح جو اندھیری رات میں چھٹکی ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی فراخ اور بھویں باریک اور پوری اور دونوں بھووں
کے درمیان نور خالص چاندی کی طرح دمکتا تھا۔ آپ کی دونوں آنکھیں کشادہ تھیں
اور ان کی سیاہی خوب گہری تھی اور آپ کی آنکھوں میں کسقدر سرخی جھلکتی تھی پلکیں
لمبی اور اس کثرت سے تھیں۔ کہ ان میں فرق محسوس نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی ناک
پتلی دراز اور سڈول تھی۔ آپ کے دندان مبارک کچھ جھری دار تھے جب آپ
ہنستے۔ تو ان کی چمک بجلی سی معلوم ہوتی۔ آپ کے لب مبارک تمام بندگان خدا
سے زیادہ خوبصورت اور لطیف تھے اور آپ کے رخسار مبارک ہموار اور کسقدر
سخت تھے۔ چہرہ مبارک طبانہ تھا۔ نہ بالکل گول تھا۔ بلکہ کسیقدر گولائی لئے تھا

ریش مبارک گھنی تھی اور اُسکو آپ بڑھنے دیتے تھے اور مونچھوں کو کتر ڈالتے تھے
آپ کی گردن سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھی نہ لمبی نہ چھوٹی ایسے جس حصّہ پر دھوپ
اور ہوا لگتی ۔ وہ چاندی کی صراحی کا سا تھا جس میں سونا ملا ہوا ۔ آپ کا سینہ مبارک
چوڑا تھا کسی جگہ کا گوشت دوسری جگہ سے اُبھرا ہوا نہ تھا ۔ آئینہ کی طرح برابر اور چاندی
کی طرح روشن تھا سینہ سے ناف تک ایک باریک خط دھاری کی طرح تھا اس کے سوا
پیٹ اور سینہ پر اور بال نہ تھے ۔ آپ کے پیٹ میں تین بل تھے ایک بل تہمد کے نیچے
چھپ جاتا تھا اور دو بل کھلے رہتے تھے ۔ آپ کے دونوں شانے بڑے بڑے تھے ۔
اور ان پر بال کثرت سے تھے اور آپ کے شانے سرین اور کندیاں پُرگوشت تھے ۔
اور پشت مبارک چوڑی اور دونوں شانوں کے درمیان دہنے شانے کے پاس مہر
نبوت تھی جس میں ایک سیاہ داغ زردی مائل تھا اور اُس کے گرد نیچے بال
مسلسل وار گھوڑے کے بالوں کے سے تھے +

آپ کے دونوں بازو اور ہاتھ پُرگوشت تھے اور دونوں بہت لمبے اور ہتھیلیاں
فراخ اور ہاتھ پاؤں کشیدہ اور انگلیاں گویا چاندی کی شاخیں تھیں آپ کی
ہتھیلی ریشم سے بھی زیادہ نرم تھی اور خوشبو ایسی گویا عطر فروش کی ہتھیلی تھی خواہ
آپ اس پر خوشبو لگائیں یا نہ لگائیں ۔ جو مصافحہ کرنیوالا آپ سے مصافحہ کرتا تو
دن بھر اُس کی خوشبو سے معطر رہتا ۔ اگر کسی لڑکے کے سر پر اپنا دستِ شفقت
پھیرتے تو وہ آپ کے ہاتھ کی خوشبو کی بدولت جو اس کے سر میں لگجاتی دوسرے
لڑکوں میں سے صاف شناخت کیا جاتا تھا ؛

آپ کے تہمد کے نیچے کا بدن یعنی رانیں اور پنڈلیاں پُرگوشت تھیں اور آپکا بدن
فربہی میں معتدل تھا آخر عمر میں آپ کسیقدر بھاری بھرکم ہو گئے تھے ۔ مگر گوشت
ایسا چست تھا کہ آپکا جسم مبارک بقد انداز پر بھی معلوم ہوتا تھا ۔ فربھی سے آپ کو
کوئی نقصان نہیں ہوا ۔ آپ کی رفتار ایسی تھی گویا پاؤں کو جما کر اٹھاتے ہیں اور اونچی زمین
سے پست زمین کی طرف جا رہے ہیں ۔ قدم آگے کو جھک کر رکھتے اور پاؤں پاس پاس رکھکر
چلتے ۔ آپ فرماتے کہ اوروں کی نسبت میں حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ مشابہ ہوں
اور میرے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام صورت اور سیرت میں مجھ سے زیادہ مشابہ تھے ۔

اور فرماتے کہ میرے پروردگار کے ہاں سے میرے دس نام ہیں (۱) محمد ہوں (۲) میں احمد ہوں (۳) میں ماحی ہوں۔ کہ میری بدولت اللہ کفر کو محو کر دیگا (۴) میں عاقب ہوں یعنی پیچھے آنیوالا کہ میرے بعد اور کوئی نبی نہیں (۵) میں حاشر ہوں کہ اللہ تعالےٰ میرے آنے کے بعد لوگوں کو حشر کریگا۔ (۶) میں رسول الرحمۃ ہوں (۷) رسول التوبۃ ہوں۔ (۸) رسول المراحم ہوں (۹) مقفی ہوں۔ کہ سب لوگوں کے بعد آیا یعنے انبیا علیہم السلام کے خاتمہ پر آیا ہوں (۱۰) میں قثم۔ ابو البختری نے کہا ہے۔ کہ قثم کے معنے کامل اور جامع جمیع اوصاف کے ہیں ؛

بارھویں فصل

آپ کے بڑے بڑے اور جامع معجزات کا ذکر

واضح ہو کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر نظر کرے اور آپ کی عادتوں آپکے کاموں اور آپکی خصلتوں کو دیکھے اور احکام خلق کی نگہداشت اور انکا انتظام کرے اور تمام مخلوق کی دلجوئی کرنے اور اپنی اطاعت پر ان کو آمادہ کرنے کی خبر سنے۔ اور نیز عجیب و غریب جوابات آپنے باریک مسایل کے متعلق رائے دئیے خلق کی بہتری کے لئے اعلیٰ درجہ کی تدبیریں وضع کیں اور ظاہر شرع کی تفصیل میں عمدہ اشارات فرمائے۔ جنکی ابتدائی باریکیوں کے دریافت کرنے میں فقہا اور علماء عمر بھر حیران اور عاجز رہتے ہیں ان سب پر غور کرے تو اس کو اس بات میں کچھ شک اور شبہ باقی نہ رہیگا۔ کہ یہ امور ایسے نہیں کہ قوت بشری کی تدبیر سے حاصل ہوں بلکہ بدون تائید غیبی اور قوت الٰہی کے ممکن نہیں اور کسی جھوٹے یا فریبی سے ایسی باتیں ہونی محال ہیں +

آپ کے ظاہری اوصاف اور حالات ہی آپ کی سچائی کی قطعی دلیل ہیں یہانتک کہ ایک ٹھیٹ عرب بھی آپ کو دیکھکر کہتا۔ کہ صورت جھوٹوں کی نہیں یعنی وہ محض آپ کی ظاہری صورت کو دیکھکر آپ کے صدق کی شہادت دیتا تھا تو جس شخص نے آپ کے باطنی خصایل کو دیکھا ہے اور تمام حالات نشست و برخاست میں ساتھ رہا ہو

وہ کیوں آپ کی سچائی کی تعریف نہ کریگا۔ ہم نے اوپر آپ کے خلاق اس لئے بیان کئے ہیں۔ کہ آپ کے اعلیٰ اوصاف کا پتہ لگے اور آپ کی سچائی اور آپ کا اعلیٰ درجہ اور خدا کے نزدیک آپکا بلند رتبہ سمجھ میں آجائے۔ جس نے آپ کو یہ سب اوصاف عطا فرمائے ہیں حالانکہ آپ امی محض تھے نہ علم پڑھا اور نہ کتابوں کا مطالعہ کیا۔ نہ علم کی تلاش میں کبھی سفر کیا۔ ہمیشہ جاہل عربوں میں رہے اور باوجود یتیم اور بیکس لوگوں کی نظروں میں بےبس تھے تو ایسی بےسروسامانی میں آپ کو محاسن اخلاق اور آداب جہان کہاں سے میسر ہوئی۔ دوسرے علوم اور معرفت الٰہی اور فرشتوں اور آسمانی کتابوں کے علم تو جانے دو اس قدر عجیب وغریب اور فقہی مسائل آپ کو کہاں سے معلوم ہوئے اگر صریح وحی نہ ہوتی۔ تو یہ سب چیزیں کہاں سے آتیں اور قوت بشری ان امور کو خود بخود کیونکر معلوم کرسکتی ہے۔ اگر ان ظاہری امور کے سوا اور باتیں ان میں نہ ہوتیں تو بھی کافی تھیں مگر آپ کے ہاتھوں معجزے اور نشان بھی ظاہر ہوئے۔ جن کے بعد عاقل کو پھر کسی طرح کا شک باقی نہیں رہتا۔ ہم آپ کے معجزات میں سے وہ معجزات نقل کرتے ہیں۔ جو احادیث سے مروی ہیں اور صحیح اور معتبر کتابوں میں ان کا ذکر ہے اور ان کو بطور اجمال کے تفصیل کے بغیر لکھتے ہیں :۔

ان معجزات میں سے ایک شق القمر کا معجزہ ہے جو اسوقت ظہور میں آیا تھا۔ جبکہ قریش نے آپ سے معجزے کی درخواست کی تھی (۲) حضرت جابرؓ کے مکان پر واقعہ خندق کے دن بہت سے لوگوں کو سیر بھر جو میں کھانا کھلایا۔ (۳) حضرت طلحہ کے مکان پر تھوڑی سی غذا کے ساتھ بہت سے لوگوں کو سیر کردیا۔ (۴) ایک صاع جو اور ایک بکری کے بچہ سے اسی آدمیوں کو کھانا کھلایا (۵) حضرت انس رضہ جو کی چند روٹیاں اپنے ہاتھ میں لے گئے وہ ۸۰ آدمیوں کو کھلادیں (۶) بشر کے فرزند کچھ خرمے اپنے ہاتھ میں لائے۔ ان سے آپ نے سب اہل لشکر کو سیر کردیا۔ اور پھر کچھ خرمے بچ رہے (۷) ایک چھوٹا سا پیالہ تھا۔ جس میں آنحضرت صلعم کا ہاتھ پھیل نہ سکتا تھا۔ اس میں اپنا دست مبارک رکھا۔ تو آپ کی انگلیوں سے پانی پھوٹ نکلا۔ جس سے تمام لشکر نے وضو کیا۔ اور پانی پیا

اور اس وقت تمام لوگ پیاسے تھے (۸) ایک بار آپ نے وضو کا پانی تبوک کے چشمے میں ڈال دیا۔ جس میں پہلے پانی نہ تھا۔ تو اس میں اتنا پانی چڑھ آیا کہ لشکر والوں نے جو ہزاروں کی تعداد میں تھے خوب پیا (۹) ایک مرتبہ حدیبیہ کے کنوئیں میں وضو کا بچا ہوا پانی ڈال دیا۔ باوجود اس میں پانی نہ تھا۔ مگر اسقدر پانی جوش کر آیا۔ کہ پندرہ سو آدمیوں نے پیا۔ (۱۰) حضرت عمر فاروق رض کو آپنے فرمایا۔ کہ تھوڑے سے خرمے جو سب ملکر سینہ شتر کے گٹھے کے برابر تھے۔ چار اسواروں کو بطور زاد راہ کے دیدو۔ فاروق رض نے سب کو زاد بھی دیدیا۔ اور پھر اُسیقدر بچ بھی رہے (۱۱) آپ نے مٹی کی ایک مٹھی لشکر کی طرف پھینکی۔ جو سب کی آنکھوں میں پڑی اور اس نے سب کو بیکار کر دیا چنانچہ اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی[1] (۱۲) اللہ تعالےٰ نے آپ کے مبعوث ہونے سے کہانت (غیب کی بات بتانا) کو باطل کر دیا۔ حتٰے کہ وہ بالکل نابود ہوگئی۔ حالانکہ اس سے پیشتر اس کے بڑا چرچے تھے (۱۳) جب آپ کا منبر تیار ہُوا۔ تو جس ستون کے سہارے سے آپ خطبہ پڑھا کرتے تھے وہ چلا چلا کر رونے لگا۔ یہاں تک کہ اُس کی آواز اونٹ کے بلبلانے کی سی تمام اصحاب نے سُنی۔ آپ نے اُس کو سینہ سے لگایا تو وہ خاموش ہوگیا (۱۴) آپنے یہودیوں کو اشارہ فرمایا۔ کہ موت کی تمنا کرو۔ اور انکو مطلع فرمایا کہ تمنا نہ کرسکینگے" ویسا ہی ہُوا کہ بول نہ سکے اور اظہار تمنا سے عاجز ہوگئے۔ یہ قصہ سورۃ جمعہ میں مذکور ہے (۱۵) آپنے غیب کی باتوں کی خبر دی مثلاً حضرت عثمان رض کو خبر دی کہ تمکو بلوہ پہنچیگا جسکے بعد جنت ہے اور حضرت عمار کو فرمایا کہ ان کو باغی لوگ قتل کرینگے اور حضرت امام حسن رض کے بارہ میں ارشاد کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی بدولت مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائیگا۔ ایک شخص کو جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تھا فرمایا کہ یہ دوزخی ہوگا تو ایسا ہی ہُوا۔ یعنے اس شخص نے خود اپنے آپ کو ہلاک کیا یہ سب باتیں ایسی ہیں۔ کہ جامور پہلے سے معلوم ہیں اُن کے ذریعہ سے ان کا پتہ نہیں چل سکتا نہ نجوم سے نہ کہانت سے نہ رمل سے نہ فال سے بلکہ صرف اللہ تعالےٰ کے آگاہ کرنے سے

[1] یعنی تو نے نہیں پھینکی مشت خاک جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ تعالےٰ نے پھینکی تھی ۱۲

اور وحی کے ذریعہ سے آپ کو معلوم ہوئی تھیں (۱۶) سفر ہجرت میں سراقہ نے آپ کا تعاقب کیا۔ تو اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں اتر گئے اور ایک دھواں اس کے پیچھے آیا۔ یہاں تک کہ اس نے آپ سے فریاد کی۔ آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی تو لوٹ آیا نکل گیا اور آپ نے اسکو خبر دی کہ تیرے ہاتھوں میں شاہ کسریٰ کے کنگن پہنائے جائینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا (۱۷) آپنے اسود عنسی کے قتل کی خبر دی جسنے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور عین اسی رات خبر دی جبکہ وہ مارا گیا۔ حالانکہ وہ صنعا میں قتل ہوا تھا اور قاتل کا نام بھی بتا دیا (۱۸) قریش کے تنو آدمی جو آپکی گھات میں بیٹھے تھے آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور سب کے سر پر خاک ڈال آئے مگر انہوں نے آپ کو نہ دیکھا (۱۹) اصحاب نے روبرو انہیں نے آپکی خدمت میں شکایت کی اور آپ کے ہاتھ میں رام ہوگیا (۲۰) چند اصحاب آپکی خدمت میں حاضر تھے آپنے ان سے فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص دوزخ میں جائیگا اسکی ڈاڑھ کوہ احد جیسی ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور سب لوگ تو اسلام پر مرے۔ اور ایک شخص مرتد ہوگیا۔ اور اسی بددینی کی حالت میں مارا گیا (۲۱) چند اصحاب سے آپنے فرمایا کہ تم میں جو سب کے بعد مریگا وہ آگ میں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو سب کے پیچھے مرا وہ آگ میں جل کر مرا (۲۲) آپنے قضاء حاجت کیلئے دو درختوں کو بلایا وہ دونو آپکے پاس حاضر ہوئے اور مل گئے پھر آپنے حکم فرمایا تو وہ علیٰحدہ ہو کر جہاں سے آئے تھے وہیں چلے گئے (۲۳) آنحضرت میانہ قد تھے مگر جب لمبے قد والے لوگوں کے ساتھ چلتے۔ تو طول قامت میں ان سے فایق رہتے (۲۴) آپ نے نصاریٰ کو مباہلہ کے واسطے بلایا۔ وہ نہ آئے۔ اور ان سے فرمایا تھا۔ کہ اگر مباہلہ کروگے تو سب ہلاک ہو جاؤگے۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ آپ درست فرماتے ہیں اس لئے نہ آئے (۲۵) عامر بن طفیل اور اربد بن قیس جو عرب کے مشہور شہسوار اور شجاع تھے آپ کے قتل کے ارادہ سے آئے۔ مگر ان سے بن نہ پڑا اور آپ نے اِن کے حق میں بددعا کی۔ تو عامر طاعون سے ہلاک ہوا اور اربد پر بجلی گری جس نے اِن کو پھونک دیا (۲۶) آپنے فرمایا تھا۔ کہ ابی ابن خلف کو میں قتل کرونگا۔ پس جنگ احد میں آپ نے اس کے ایک ذرا سا چرکا لگا دیا۔ اور وہی اس کی موت کا باعث ہوا (۲۷) آپ کو زہر کھلایا گیا۔ تو جس شخص نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا۔ وہ تو مر گیا۔ اور آپ اس کے بعد چار برس تک زندہ رہے (۲۸) بکری کے جس گوشت میں زہر ملا ہوا تھا اس نے

خود آنحضرت سے عرض کی۔ کہ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے (۲۹) جنگ بدر کے روز آنحضرت نے سرداران قریش کی قتل گاہیں پہلے ہی سے بتا دیں اور ایک ایک کا نام لیکر فرما دیا۔ کہ فلاں یہاں گریگا اور فلاں وہاں۔ تو جو جگہ جس کے لئے آپ نے بتائی تھی۔ اس سے اس نے تجاوز نہ کیا (۳۰) آپ نے خبر دی تھی۔ کہ میری اُمت کے کچھ لوگ سمندر میں جہاد کرینگے اور ایسا ہی ہوا (۳۱) آپ کے لئے زمین سمیٹی گئی اور اس کی مشرق و مغرب کی سمتیں دکھلائی گئیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ میری امت کی حکومت عنقریب وہاں تک پہنچیگی۔ جہاں تک میرے لئے زمین سمیٹی گئی ہے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ کہ مسلمانوں کی سلطنت مشرق کے شروع یعنے ترکستان وتاتار سے لیکر مغرب کے انتہا یعنے اسپین اور بلاد بربر تک پھیل گئی۔ اور شمال و جنوب میں نہ پھیلی۔ جیسے فرمایا تھا۔ بالکل ایسا ہی ہوا (۳۲) اپنی بیٹی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ارشاد فرمایا۔ کہ میرے خاندان میں اول تم مجھکو ملوگی اور ایسا ہی ہوا۔ (۳۳) اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا۔ کہ تم میں سے جس کے ہاتھ لمبے[له] ہیں وہ مجھ سے بہت جلد ملیگی۔ تو حضرت زینب رضہ بنت جحش جس کا ہاتھ صدقہ و خیرات میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ سب سے پہلے آپ کے ساتھ واصل ہوئیں (۳۴) آپنے ایک دودہ نہ دینے والی بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا۔ جس نے کبھی دودہ نہ دیا تھا۔ پس وہ دودہ دینے والی اور یہی معجزہ عبداللہ ابن مسعود کے مسلمان ہونے کا موجب ہوا (۳۵) ایک مرتبہ ام معبد خزاعیہ کے خیمہ میں بھی آپ نے ایسا ہی کیا (۳۶) کسی صحابی کی آنکھ نکل کر گر پڑی تھی آپ نے اُس کو اپنے دست مبارک سے اسی جگہ رکھدیا۔ تو وہ آنکھ دوسری آنکھ سے بھی زیادہ تندرست اور خوبصورت ہو گئی (۳۷) خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ کی آنکھیں دُکھتی تھیں آپ نے اپنا آب دہن لگا دیا۔ اُسی وقت اچھی ہو گئیں اور آپ نے ان کو جھنڈا دیکر روانہ کیا۔ (۳۸) آپ کے سامنے اصحاب کی کھانے کی تسبیح سُنا کرتے تھے (۳۹) ایک صحابی کی ٹانگ میں چوٹ لگی تھی آپ نے اسپر اپنا ہاتھ پھیر دیا فوراً اچھی ہو گئی

[له] لمبے ہاتھ سے آپ کی مراد داد و دہش تھی مگر جب آپنے یہ کلمے سنائے تھے تو اس وقت ازواج مطہرات نے اسکا یہ مطلب نہیں سمجھا۔ اور اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔ مگر جب آنحضرت کے انتقال کے بعد ام المومنین زینب بنت جحش نے وفات پائی جو سب سے زیادہ سخی تھیں تو پھر آپکے مطلب کا مطلب سمجھ میں آیا۔

(۴۰) ایک بار لشکر میں زادِ راہ تھوڑا کیا آپ نے موجودہ سامان کو جو لوگوں کے پاس باقی تھا۔ اور بالکل تھوڑا تھا۔ منگوا کر برکت کی دعا کی اور اہل لشکر کو اجازت دی کہ لے جاؤ۔ انہوں نے اتنا لیا۔ کہ کوئی برتن نہ رہا۔ جو اس سے بھر نہ گیا ہو (۴۱) حکم ابن ابی العاص نے تمسخر کے طور پر آپ کی رفتار کی نقل کی آپ نے فرمایا۔ تو ایسا ہی رہے پس وہ مرنے دم تک ہمیشہ لڑکھڑا کر چلتا تھا (۴۲) ایک عورت سے آپ نے نسبت کا پیغام دیا اس کے باپ نے بہانہ کیا۔ کہ اس کو برص ہے اور واقعہ میں برص نہ تھا۔ آپ نے فرمایا ایسی ہی ہوگی۔ تو اس عورت کو برص ہو گیا۔ یہ شبیب ابن برصا شاعر کی ماں تھی +

ان کے سوا آپ کے معجزات اور نشان اور بھی بہت ہیں۔ ہم نے صرف مشہور معجزوں کا ذکر کیا ہے۔ اور جو شخص آپ کے ہاتھوں سے خرق عادت کے واقع ہونے میں شک کرے اور کہے کہ ان واقعات میں سے ہر واقعہ تواتر سے مروی نہیں ہے۔ اور متواتر صرف قرآن مجید ہے۔ تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جو حضرت علی کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت میں شک کرے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان دونوں کی حالات کا ایک ایک واقعہ غیر متواتر ہے۔ مگر مجموعہ واقعات مل کر ہر ایک شجاعت وسخاوت کا علم بدیہی پیدا کرتا ہے۔ ہاں قرآن کے متواتر ہونے میں کسی کو شک نہیں ہوسکتا۔ اور یہ آنحضرت کا زندہ معجزہ ہے۔ اور آپ کے سوا کسی دوسرے نبی کا کوئی معجزہ زندہ نہیں ہے آنحضرت صلعم نے بلغائے عالم اور فصحائے عرب کو مخاطب کیا اور اس وقت جزیرہ عرب میں اس قسم کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے۔ جن کا پیشہ فصاحت تھا۔ اور اسی پر ان کو باہم ناز تھا آپ نے سب سے علانیہ فرمایا۔ کہ اگر تم کو قرآن میں شک ہے۔ تو اس کا مثل لے آؤ اور دس نہیں اور ایک سورت اس جیسی بنا لاؤ اور ان کے سامنے ساتھ ہی فرما دیا۔ کہ اگر جن اور آدمی جمع ہو کر ایسا قرآن بنانا چاہیں۔ تو ہرگز نہ بنا سکینگے۔ خواہ اس کام میں وہ باہم مدد دیں۔ یہ کلمات آپ نے ان لوگوں کے عجز کو ظاہر کرنے کے لئے فرمائے تھے۔ چنانچہ وہ عاجز ہو گئے۔ اور اپنے آپ کو قتل کرایا عورتوں اور بچوں کو قید میں ڈالا۔ مگر یہ نہ ہوسکا۔ کہ قرآن مجید کا مقابلہ کریں یا اسی کی خوبی اور فصاحت

میں کوئی اعتراض یا نکتہ چینی کریں +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن مجید مشرق ومغرب میں
پھیلا اور صدیاں گذر گئیں یہاں تک آج تک کئی سو برس گزر گئے۔ کہ کوئی
اس کے مقابلہ پر قادر نہ ہو سکا۔ بڑا ہی غبی ہے وہ شخص۔ جو آپ کے احوال
اقوال، افعال۔ اخلاق اور معجزات کو دیکھے۔ اور معلوم کرے کہ آپ کی شریعت اب
تک قایم دایم ہے۔۔ اور اطراف عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور باوجود آپ کی
یتیمی اور کمزوری کے تمام روئے زمین کے بادشاہ آپ کے عہد مبارک میں
اور اس کے بعد آپ کے حلقہ بگوش ہوئے اور ان سب باتوں کے معلوم
کرنے کے بعد۔ وہ پھر کسی طرح کا شک آپ کی سچائی میں کرے اور بڑا صاحب
توفیق ہے وہ شخص۔ جو آپ پر ایمان لائے۔ اور آپ کی تصدیق سچے دل سے
کرے اور اپنے ہر آنے جانے میں آپ کے قدم بقدم چلے۔ ہم اللہ تعالے سے
دعا کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنی عنایت وکرم سے ہم کو توفیق دے۔ کہ ہم آپ کے
اخلاق احوال۔ افعال اور اقوال میں آپ کی اقتداء کریں۔ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ

تمت بالخیر

۱۰۳۹۶

(M. Barkat Ali Katib.)

سوانح عمری

حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ

یعنی عارف و ولی کامل امام اہلسنت

[illegible] یقینت شیخ الشیوخ الاسلام۔ قطب الاقطاب۔ فرد الاحباب۔ حضرت پیران [illegible] کی مبارک زندگی کے صحیح و معتبر حالات۔ چیدہ کلام۔ ادعیۂ تجربہ اور حقیقی عشق [illegible] میں ڈوبے ہوئے اشعار۔ درس۔ تدریس فتویٰ۔ علم عمل۔ کی دلچسپ اور قابل تقلید [illegible] یت نہایت فصیح و شستہ اور سلیس اردو زبان میں۔

[illegible] سوانحعمری کے پڑھنے سے مذہب اسلام کے ایک واقعی قابل تقلید مذہبی پیشوا [illegible] مخر بنی نوع انسان۔ یعنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی زندگی کے [illegible] لات و کوائف معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور انسان کو معرفت و اسرار دینی و عشق [illegible] تی کی چاشنی اور لذت حاصل کرنے کی ترغیب حاصل ہوتی ہے۔ ہندوستان [illegible] لوگوں کو بالعموم اور بالخصوص اس کتاب کے مطالعہ سے بہت سے فواید اور [illegible] آمد معلومات میسر آسکتے ہیں۔ یہ سوانحعمری منشی احمد حسین صاحب بی اے مرحوم [illegible] نہایت جانفشانی اور عرقریزی سے بڑی تحقیق کے بعد تالیف کی ہے اور اس کے [illegible] یب بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ قیمت فی جلد عہ رعایتی (۸/)

مترجم قرآن مجید محشی

[illegible] یت خوشخط جلی قلم۔ کاغذ بہت بڑھیا۔ ہر ایک صفحہ میں گیارہ گیارہ سطریں ہیں۔ [illegible] جمہ شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کیا ہوا ہے اور حاشیہ شاہ عبدالقادر [illegible] صاحب قدس سرہٗ کا بنایا ہوا ہے۔ چمڑے کی جلد بہت خوبصورت مضبوط قابل تعریف [illegible] دھی ہوتی ہے اصل ہدیہ فی جلد (صہ) رعایتی .. .. .. (عہ/)

تمام درخواستیں محمد اسلم خاں تاجر کتب اکبر کمشیڈی لاہور آنی چاہئیں

پانچ روپیہ سے دو لاکھ روپے کس طرح ہو گئے

میری کامیابی کا راز روح حیات کی مفید ایجاد ہے۔ میں نے پانچ روپے سے روح حیات کی تجارت شروع کی تھی اور آج دو لاکھ روپے کی جائیداد کا مالک بنا ہوں اسی لئے لوگ مجھے کیمیاگر کے نام سے پکارتے ہیں۔ روح حیات اب تک دس لاکھ روپے کا فروخت ہو چکا ہے جس شخص نے ایک دفعہ میری اس ایجاد کا استعمال کیا ہے وہ عمر بھر کے لئے روح حیات کا گرویدہ ہو گیا ہے۔ یہ وہ طاقت بخش دوا ہے جس کے پینے والے کو نامردی اور پیری کا مقابلہ آسان ہے۔

جناب ڈی ایچ اٹکنسن صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر لاہور میری تین ماہ کی آمدنی

آٹھ سو تراسی (۸۸۳) روپے چودہ آنے تصدیق کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے کسی دوائی کی بکری کبھی نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ نہایت مفید نہ ہو۔ جناب بی ناٹ صاحب بہادر انڈین میڈیکل سروس حضور شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم اور دیگر رئیس انگلستان کے معزز عہدہ داروں وغیرہ اصحاب نے روح حیات کو طاقت بخش بے نظیر مانا ہے۔ روح حیات کی تین دن کی بکری سے کون ہے جو یہ نتیجہ نہ نکالے کہ روح حیات اس انسان کی دوبارہ زندگی کے لئے لاثانی دوا نہیں ہے۔ بچپن کے زمانہ یا جوانی کی [illegible] حالت میں بوجہ بے اعتدالیوں یا خلاف قاعدہ قدرت عامل ہونے سے جو لوگ اپنی کمزوری اعصاب پیدا کر کے دنیا کی تمام لذتوں سے محروم ہو بیٹھے ہوں ان کے لئے یہ دوا روح حیات تریاق کامل تیر بہدف دوا ہے۔ یہ نہ صرف دوا ہے بلکہ اعصاب کی طاقت اور غذا ہے۔ یہ وہ مقوی روح ہے جو دو یوم میں ہی قوت رجولیت کو بڑھانا شروع کر دیتا ہے چہرہ پر رونق و آبداری حاصل ہوتی ہے۔ قوت باہ حالت طبعی پر آ جاتی ہے۔ دیگر امراض جو کثرت فواحشات اور طفولیت کی بد پرہیزیوں سے لاحق ہو گئی ہوں ان کے دفعیہ کے لئے روح حیات اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ نامردی۔ ضعف باہ۔ ضعف مثانہ۔ ضعف اعصاب۔ جریان۔ سرعت۔ رقت۔ ضعف معدہ۔ ضعف دماغ۔ ضعف جگر۔ ذیابیطس اور اختلاج قلب کے واسطے بمنزلہ تریاق ہے۔ جسمانی کمزوری۔ لاغری۔ [illegible] اور زردی چہرہ کے لئے اگر اسے تمام مقوی دواؤں پر ترجیح دی جائے تو بجا ہے۔ علامت اترتے ہی اس کا اثر خاص ان اعصاب پر پڑتا ہے جن پر قوت باہ کا مدار ہے۔ بزدل کو جوانمرد۔ جوان کو ممتاز۔ اور بوڑھے کو صاحب کار بنانا اسی روح کا کام ہے۔ اس کے استعمال سے اولاد نرینہ پیدا ہوتی ہے۔ اعصابی قوت بڑھانے کے لئے اس سے بہتر کوئی دوا نہیں۔ قیمت فی شیشی روح حیات دو روپے آٹھ آنہ (عہ۸)

روح حیات کے علاوہ ایک اور عجیب الاثر دوائی جو ہم نے [illegible] بیرونی استعمال سے مردہ اعصاب کو زندہ کر دیتی ہے وہ ہمارا روغن [illegible] ہے۔ یہ روغن رگوں پٹھوں کی سستی۔ لاغری وغیرہ دور کر کے معمولہ طاقت بحال کر دیتا ہے۔ بالکل گئے گذرے نامردی کے مریض پورے مرد ہو جاتے ہیں۔ قیمت فی شیشی روغن چار روپے چار آنہ (سہ)

مندرجہ ذیل پتہ پر طلب کریں:

حکیم محمد شریف آئی فی اکٹر کیمیاگر پروپرائٹر شفاخانہ عام لاہور

دلائل عقلیہ اور نقلیہ

سوانح عمری

پیغمبر عالم

یعنی

رسول اکرم ہادی کرم حضور سرور کائنات۔ خلاصہ موجودات سیدنا مولانا حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب شریعت محمد سلطنہم بالبقاء

کی

مقدس زندگی کے مقدس حالات

مؤلفہ و مرتبہ

کارکنانِ ہلال ٹریڈنگ کمپنی ملیہ اخبار ٹرسٹ لاہور

جس میں

آنحضرت کے متعلق بشارات مندرجہ توریت و انجیل حسب نسب۔ خاندان۔ شجرہ۔ عہد طفولیت۔ بعثت۔ غزوات معراج۔ شرح الصدر۔ تمام اہم واقعات و حالات اور بوقت ولادت باسعادت عرب کی حالت۔ اسلام کی مسلسل ترقی کی تاریخ۔ تاریخ مکہ مکرمہ اعتراضات کے جوابات بالتفصیل اور نقشہ جات درج ہیں

مطبع رضا بازار شیخ پریس امرتسر میں طبع کرا کر مؤلف نے شائع کیا

قیمت عـــہ

تعداد جلد ۱۰۰۰

انتساب

یہ مجموعۂ اوراق اگرچہ کتابی حیثیت سے دوسری تالیفات پر کوئی فوقیت نہیں رکھتا مگر بلحاظ نفس مطلب تمام دوسری کتابوں پر قرآن کریم کے بعد اس لئے فائق ہے کہ اس کا موضوع اُس مقدس ذات کے حالات زندگی ہیں جس کی شان میں لولاک لما خلقت الافلاک آیا ہے۔ اور جو دونوں جہانوں کے لئے سرچشمۂ رحمت و برکت ہے۔ ایسی کتاب کے انتساب میں بھی رسم زمانہ سے قطع نظر کر کے چند خاص باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

نظر برآں

یہ تالیف جناب مولوی ظفر علیخاں صاحب بی۔ اے (علیگ) ایڈیٹر اخبار زمیندار لاہور کی خدمت میں اس عقیدت و محبت کی بنا پر جو ان کو حضور رسالتمآب کی ذات جامع کمالات اور اسلام سے ہے۔ اور جس کا ثبوت ان کی تحریر و تقریر۔ قول و فعل سے بارہا ہو چکا ہے۔ بطور ایک تبرک کے پیش کی جاتی ہے جس کو وہ یقیناً نہایت خوشی سے قبول فرمائیں گے

اخقر اکرام عظیم پبلشر کتاب ہذا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

الحمد للہ رب العالمین والسلام علی المرسلین خصوصاً علی سیدنا و مولنا محمدؐ مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم و خاتم النبیین

اما بعد

یہ کتاب جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اس میں ایک ایسے عظیم الشان مقدس و برگزیدہ بزرگ کی زندگی کا مختصر سا نقشہ کھینچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس کی شان میں کہا گیا ہے۔ کہ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ایسے باوقار اور ذی اقتدار بزرگ کی زندگی کا مرقعہ لینا جس کی بزرگی خدا کے بعد مسلم ہو آسان کام نہیں۔ اور خصوصاً مجھ جیسے ناچیز ناتوان اور ہیچمیرز انسان کے لئے تو بہت کچھ دشوار ہے۔ لیکن میں مسلمان ہوں۔ اور میرا عقیدہ ہے کہ ہر نیک کام میں خدائے برتر اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ کام خاص اس کے حبیب کے ذکر سے تعلق رکھتا ہو۔ اس لئے میں نے اس اہم کام کو انجام دینے کی جرأت کی۔ اور بتائید الٰہی اس موضوع پر جو کچھ بھی مجھ سے ہو سکا لکھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ یہ چند اوراق آپ کے روبرو پیش کرتا ہوں۔ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے انوار و برکات کی جھلک آپ کو نظر آئیگی۔

انسان کیوں پیدا کیا گیا؟ میرے نزدیک اس سوال کا یہ جواب ہے۔ کہ دنیا میں نیکی اور اطمینان کی اشاعت کے لئے! نیکی اور اطمینان بادی النظر میں معمولی سے دو الفاظ ہیں۔ لیکن جب ان کے معانی پر مسلسل غور کیا جائے۔ تو ان کی وسعت کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔

محنت شعاری۔ خوش حالگی۔ شفقت۔ ادب۔ اطاعت۔ طاعت غرضکہ حقوق اللہ و حقوق العباد۔ یا یوں کہو۔ کہ جملہ اخلاق حسنہ انھیں کے ماتحت آجاتے ہیں۔

نیکی اور اطمینان کے قیام اور ان کی اشاعت کی غرض سے خدائے برتر نے اپنے خاص خاص بندوں کو دنیا میں وقتاً فوقتاً مامور کیا۔ اور ان بزرگوں نے اکثر اپنی جان کو خطرات میں ڈال کر ان ہر دو امور کی اشاعت کر کے احکام خداوندی کی تعمیل کی۔ اب ان بزرگوں کو پیغمبر کہو۔ رسول کہو۔ اوتار یا کچھ ہی کہو۔ یہ اپنی اپنی اصطلاحات ہیں۔ لیکن اس سے کوئی انصاف پسند انسان انکار نہیں کر سکتا۔ کہ دنیا ایسے بزرگوں کی ہمیشہ ممنون رہے گی۔

انسانی نیکی اور اطمینان کی تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اپنے آپ کو ایک ایسی اعلےٰ طاقت کے ماتحت نہ سمجھے جو قادر مطلق ہونے کے علاوہ تمام نیکیوں اور اطمینان کا سرچشمہ ہو۔ اور جسے اصطلاحی طور پر خدا یا کسی اور ایسے ہی بزرگ نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

کیسا مبارک تھا دنیا کا وہ پہلا انسان جس نے اول اول پکارا۔ اے خدا! یہ سمجھکر کہ وہ تمام مخلوق سے برتر ہے۔ اعلےٰ ہے۔ قادر مطلق ہے۔ مگر ایک ہے۔

انسان کے لئے خدا کا جاننا۔ اور اپنے آپ کو اس کے ماتحت ماننا امر ناگریز ہے۔ معرفت الٰہی کا سبق دینے کے لئے بے شمار بزرگ مامور من اللہ ہو کر اس دنیا میں آئے۔ جیسا کہ میں نے اوپر اشارہ کیا۔ لیکن ہمیں یہ نکتہ نظر انداز نہیں

کر دینا چاہیے۔ کہ وہ اور اُن کا کام زمانہ کی رفتار کے مطابق تھا یعنی جس طرح انسان دنیاوی معاملات میں ترقی کرتا گیا۔ اسی طرح احکام الٰہی بھی جو ابتدائے بالعموم مادیت اور جسمانیت سے ہی متعلق معلوم ہوتے تھے۔ بالآخر روحانیت کے لحاظ سے بھی کامل ہوتے گئے +

حضرت موسےٰ علیہ السلام یہی کہتے رہے کہ "اے بنی اسرائیل۔ خدا کی عبادت کرو۔ تاکہ تمہاری اولاد میں۔ تمہاری کھیتیوں میں برکت ہو۔ خدا تمہیں فلاں زمین دینے والا ہے"۔ غور کرو کسقدر خفیف روحانیت ہے۔

جناب عیسیٰ بھی یہی فرماتے رہے کہ "اگر تمہارے بائیں گال پر کوئی طمانچہ مارے۔ تو تم دوسرا گال بھی سامنے کر دو"۔ اس کے علاوہ جو کچھ آپ نے روحانیت کے متعلق فرمایا۔ اس کے سمجھنے سے کم از کم اس زمانہ کے انسان تو قاصر ہیں۔

رہنمایان ہند میں جناب سری کرشن مہاراج کی عملی زندگی کا ذکر اس طرح درج ہے۔ کہ صداقت کے مخالف کو تہ تیغ کرنے سے دریغ نہ کرو۔ اسی طرح راجہ رامچندر جی کی زندگی نمونہ ہے۔ اور کامل نمونہ ہے اطاعت والدین کا۔ مگر ان بزرگوں کی تعلیم میں کم از کم آج تو مکمل روحانیت کا پتہ نہیں ملتا۔ اور نہ وہ کامل طریق سے تمام دنیاوی معاملات میں انسان کی رہنمائی کر سکتی ہے +

میں بزرگان موصوف کی ذات یا اُن کے کام پر اعتراض نہیں کرتا ہوں۔ (حاشا وکلا) نہ مجھے اس کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ ان صداقتوں کے مجسموں نے اپنے اپنے وقت میں وہی کیا جو خدا کی جانب سے بتایا گیا۔ اور یہ ان کے زمانہ کے عین مطابق تھا۔ اور اسواسطے ہم سب ان کے ممنون ہیں۔ لیکن ان سب کے یکے بعد دیگرے چلے جانے کے بعد خدا کے نزدیک دنیا کے لئے ایسا وقت آگیا کہ روحانیت کی تکمیل کر دی جائے۔ اور نیکی اور اطمینان کے تمام مراحل طے کر دئیے جائیں۔ پس اس اہم خدمت کی بجا آوری کے لئے ایک کامل رہنما کو **مکمل احکام** دے کر نہ صرف کسی ایک ملک ملکہ تمام دنیا کی رہنمائی کے لئے

بھیجا۔ جس نے اس عالم میں تریسٹھ سال رہ کر یتیمی سے لیکر شاہانہ زندگی تک کے تمام مراحل طے کر دیئے۔

یہ کوئی اتفاق کی بات نہ تھی۔ کہ آپؐ کو اپنی زندگی میں وہ تمام واقعات پیش آئے۔ جو متعدد انسانوں کو مختلف حیثیتوں میں پیش آتے ہیں۔ بلکہ میرا اعتقاد ہے۔ کہ خاص خدا کا بھی یہی منشا تھا۔ کہ آپ کی زندگی ہر معاملہ میں رہنمائی کرے۔ چنانچہ یہ فخر صرف اسی بزرگ کو حاصل ہے۔ کہ اس کی زندگی یتیمی سے لے کر بادشاہت تک کے تمام پیشہ ور مدارج میں انسانی رہنمائی کے لئے مشعل کا کام دیتی ہے۔

آنحضرتؐ کی زندگی ایک ایسا کامل اور زندہ نمونہ ہے اعمال حسنہ کا۔ کہ اگر انسان ناانصافی اور تعصب سے دور ہو کر اس پر نظر ڈالے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا میں بیش از بیش نیکی کی اشاعت نہ کر سکے۔ اور اطمینان حاصل نہ کر سکے۔ دنیا کے سامنے نہ صرف آپؐ کے صحیح حالات زندگی عملی نمونہ کے طور پر موجود ہیں۔ بلکہ وہ احکام خداوندی بھی اسی حالت میں موجود ہیں جیسے کہ ابتداً نازل ہوئے تھے۔

دیگر انبیا کی عزت کی ہمارے دلوں میں کمی نہیں۔ لیکن یہ امر بھی واقعہ ہے کہ اول تو ان کے صحف میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔ اور ان کی اصلی ہیئت نہیں رہی۔ دوم وہ ہماری زندگی کے تمام مراحل کی رہنمائی نہیں کرتے سوم ان کے احکام کا عملی نمونہ نہیں ملتا۔

نظر بایں وجوہ صداقت کے متلاشی کو جناب خاتم المرسلین کی جانب جانا ناگزیر ہے۔ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں۔ یہ شاید میری اس محبت سے منسوب کیا جائے۔ جو بحیثیت مسلمان ہونے کے مجھے آنحضرتؐ سے ہے اور غیر مذہب و ملت کے احباب میری بات کو یکطرفہ سمجھیں۔ مگر میں ایسے اصحاب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ کہ وہ تمام حالات کو خود نظر انصاف و غور سے دیکھیں اور مرکز صداقت تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

میں اپنے برادران اسلام کی خدمت میں بھی یہ عرض کرنیکی جرأت کرتا ہوں
کہ آج ہم جس حالت میں مبتلا ہیں۔ اس کا سبب سوائے اس کے کچھ نہیں
کہ ہم نے قرآن اور پیغمبر کو عملاً بھلا دیا ہے۔ اسوقت نظر بہ حالات سخت
ضرورت ہے کہ ہم ان دونوں چیزوں کو مستحکم پکڑ لیں۔ اگر ہم ایسا کریں۔ تو کوئی
وجہ نہیں کہ ہم فلاح دارین سے محروم رہیں۔ یاد رکھو کہ قرون اولے کے مسلمانوں
کے پاس سوائے اس کے کچھ اور بھی تھا؟ ہرگز نہیں۔ اے خدا تو ہمیں توفیق
دے کہ ہم تیرے بندہ اور کامل نبی کی پیروی کریں۔ آمین

خاکسار

مؤلف

باب اوّل

آنحضرتؐ کے سوانح نگار

یہ بات بجائے خود نہایت حیرت انگیز اور دلچسپ ہے کہ جناب رسول کریمؐ کے حالات زندگی پر جس قدر توجہات مختلف زمانوں میں مبذول ہوئیں۔ وہ کسی اور پیغمبر یا ہادی کو نصیب نہیں۔ اس کا سبب میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ آپ کے حالات ہر ایک درجہ کے انسان کے لئے ہر ایک معاملہ میں رہبر ہیں۔ ایک دوسری وجہ اس کی میری رائے میں یہ ہے کہ حضور کے حالات ہی اس تفصیل سے آج دنیا کو معلوم ہیں۔ جن کے عشر عشیر بھی انبیائے سابقین مثل حضرات موسےٰ و عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام باوجود تلاش نہیں ملتے۔

آنحضرت کے سوانح عمری لکھنے کا فخر نہ صرف اہل اسلام کے افراد کو حاصل ہے۔ بلکہ علمائے مذاہب غیر (مثلاً عیسائی) نے بھی اس کو ایک مفید کام سمجھکر قلم اٹھایا ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ان کا اصل مقصد کیا تھا لیکن باینہمہ ایسی کتابیں بہت کم ہیں جو دنیا کو اصلی صورت میں حالات دکھا سکیں۔ کیا لطیف نکتہ اخذ کیا ہے سر سید احمد خاں نے کہ مسلمان تو شراب محبت کی سرشاری میں اصل راہ سے بھٹک گئے۔ مگر غیر مسلم اس راستہ کی عدم واقفیت سے اصل منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے۔ ابتدائے اسلام کے مقتدر مستند اور مشہور محدثین میں سے صرف ایک شخص نے آنحضرتؐ کے حالات زندگی قلمبند کئے ہیں۔ میری مراد ابو علی ترمذیؒ سے ہے۔ جو ۲۰۹ھ میں تولد ہوئے اور ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ انھوں نے دو کتابیں جامع ترمذی و شمائل ترمذی لکھیں۔ اور یہ دونوں کتابیں قدیم ہیں یعنی ان سے پہلے اس مضمون کی کوئی

کتاب ہمیں نہیں ملتی۔ ان میں آخرالذکر کتاب میں زیادہ تر آنحضرتؐ کے اخلاق وعادات کے متعلق احادیث درج ہیں۔ مگر ان میں سے بعض ایسی ہیں کہ ان کی صحت کا کامل اعتبار بعد تحقیق کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ احادیث کی تنقید کے قواعد سے انکی جانچ پڑتال کر لی جائے۔

باقی تمام محدثین نے بعض بعض روایات ایسی بھی بیان کی ہیں۔ جو آنحضرتؐ کی لائف[1] سے تعلق رکھتی ہیں۔ مگر خاص اس مضمون پر کسی نے کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی۔ البتہ ابن اسحاق۔ ابن ہشام۔ طبقات کبیر المشہور بہ واقدی۔ طبری۔ سیرت شامی۔ ابوالفدا۔ مسعودی۔ مواہب لدنیہ۔ میں بھی جناب کے حالات ذکر کئے گئے ہیں۔ اور ان میں سے اول الذکر چار زیادہ قدیم ہیں۔

مذکورہ بالا کتب کے علاوہ اور بھی چند عربی۔ فارسی کی تاریخیں آپ کے متعلق ہیں۔ مگر ان سب کا ماخذ مذکورہ بالا کتب ہی ہیں۔

ان میں سے تاریخ ابوالفدا بقول سرسید علیہ الرحمۃ کسی قدر اچھی ہے مگر اسکی بھی سب روایات بلاتحقیق ماننے کے قابل نہیں۔ واقدی کی روایات پر علماء اسلام نے بہت کچھ لے دے کی ہے اور اسے نامعتبر بتایا ہے۔ چنانچہ اسے حاطب اللیل (رات میں لکڑیاں چننے والا) کہا ہے۔ درحقیقت ان حضرت کو جو کچھ بھی ملا ہے۔ بلاتحقیق بھر دیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر مذاہب کے لوگ جو دراصل اسلام کی تعلیم سے واقف نہیں یا یہ کہ وہ اپنے مطلب کا پہلو دیکھکر تجاہل عارفانہ سے اسلام پر اعتراض گھڑتے اور اسلام کو بدنام اور لوگوں کو اس سے بدظن کرتے ہیں۔ حالانکہ ان باتوں کو نفس اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ سر ولیم میور اور دیگر معترضین نے جو اعتراض اسلام اور بانیٔ اسلام پر کئے ہیں وہ واقدی ہی کے صدقہ میں ہیں۔ جیسا کہ کسی اور مقام پر بالتفصیل بیان ہوگا۔

عیسائی مورخین میں سے جنھوں نے آنحضرت کے سوانح پر توجہ فرمائی۔ پہلے دور میں وہنیل۔ لوتھر۔ ملانک تھن۔ بیبیاں ہیم۔ ڈی ہری لاٹ ہیں۔ مگر

[1] حالات زندگی

افسوس ہے یہ لوگ صحیح نتیجہ پر نہ پہنچے۔ اور انکی کتابوں میں درشت کلامی اور بدزبانی کے سوا کچھ اور نہیں۔ اور مارگولیتھ کا بھی یہی حال ہے۔ ان کے علاوہ جان پریڈی نے اس مضمون پر خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر ان کی تحریر بھی کردن کی واقفیت پر مبنی آئی ہے علاوہ ازیں ماتحر۔ کیبارزی لتعداد کلی کتب میں بھی آپ کی مقدس زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مگر سر سید جنھوں نے انگلینڈ کا سفر اسی قسم کی تحقیقات کے واسطے کیا تھا۔ لکھتے ہیں کہ باوجود تلاش کے ان کتب کو نہ پا سکے۔

اس کے بعد تواریخ گوبھ۔ ماری۔ نالڈ انگ۔ دواری قابل الذکر ہیں جن کے متعلق ایک فاضل عیسائی لکھتا ہے کہ ان مورخوں نے بہت سی دنیا کو یہ بات سکھلادی کہ مذہب اسلام ایک شگفتہ اور تروتازہ باغ ہے۔ اور ہزاروں ثمردار گلبنوں سے پر۔ اور محمدؐ نے گو ان کی خصلت کو کیسا ہی سمجھا جائے انسانیت کی سنہری کتاب میں اپنے لئے جگہ حاصل کی ہے۔

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں بالعموم تعصبات سے پاک ہیں قریب تر زمانہ کی تصنیف ڈاکٹر اسپرنگر کی کتاب ہے۔ جو ۱۸۵۱ء میں الہ آباد سے شائع ہوئی۔ مگر اس کے پڑھنے والوں کو ویسی خوشی حاصل نہ ہوئی جیسی کہ مصنف کی ذات سے امید تھی۔ یہ سراسر ایک متعصبانہ تحریر ہے۔ جس کی بنا ناواقفیت حالات پر ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے متعلق ایک عیسائی مورخ یعنی سر ولیم میور مصنف لائف آف محمد (انگریزی) لکھتے ہیں کہ "جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں بعض مقامات پر ثابت کیا ہے۔ اس کے بعض مضامین کی بنیاد غلطی پر معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے محمد (صلعم) سے پہلے زمانہ کے عرب کا اور خاص محمد صاحب کا اور ان کے خصائل کا جو حال لکھا ہے۔ وہ سب غلط رایوں پر مبنی ہے۔"

ڈاکٹر صاحب موصوف نے آنحضرت کی لائف جرمن زبان میں بھی لکھی ہے جو چھ ضخیم جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ مگر چونکہ اس کے تمام حالات کا ماخذ واقدی

معلوم ہوئیں اور یہ اثر ان کی طبیعت کا ایسا تھا کہ اُس کے سبب سے اُن کی کتاب پڑھنے والے اپنے ذہن میں اُنکی تحریر کو ایک زیادتی سمجھتے تھے۔ لیکن جیسا اکثر ہوتا ہے۔ ویسا ہی اس میں بھی ہوا۔ کہ اس حد اعتدال سے متجاوز تحریر نے خود اپنے مقصود کو کھو دیا۔ اور وہ مطلب حاصل نہ ہوا جس کے لیئے پادری فنڈر صاحب نے سر ولیم صاحب سے اس کتاب کے لکھنے کی خواہش کی تھی۔ بلکہ برعکس اس کے یہ نتیجہ ہوا۔ کہ جس شخص کو پادری صاحب نے تاریکی کا فرشتہ بنانا چاہا تھا۔ وہ روشنی کا فرشتہ نکل آیا۔"

الغرض اس کتاب سے وہ فائدہ حاصل نہ ہوا۔ جو مقصود تھا۔ مسلمانوں کو کوئی دلچسپی نہیں۔ ہاں ایسے مسلمانوں کی طبیعت میں جو انگریزی زبان کے تو ماہر تھے۔ مگر اسلام کی تعلیم سے ناواقف۔ ایک قسم کی الجھن پیدا ہوئی۔ جس کے سلجھانے کے لیئے سر سید نے کتاب خطبات احمدیہ لکھی۔ اور اگر سید مرحوم کی عمر اور رفاقت کرتی۔ تو وہ آنحضرت کی ایک مکمل لائف لکھتے۔

علاوہ ازیں اڈورڈ گبن جو سلطنت روما کے ایک قدیم مورخ ہیں۔ گاڈفری ہگنس۔ ٹامس کارلائل۔ اور جان ڈیون پورٹ وغیرہ عیسائی علماء نے آنحضرت کی لائف نگاری کی خدمت ادا کی۔ ان کتابوں کی نسبت جو کچھ معلوم ہو سکا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ ان کے مصنفین پر تعصب نے بہت کم اثر کیا ہے۔ ان لوگوں نے ٹھنڈے دل سے اسلام اور بانی اسلام پر رائے زنیاں کی ہیں۔ اور اگرچہ اکثر مقامات پر لغزشیں کھائی ہیں۔ لیکن دانستہ یا تعصب سے انصاف کا خون نہیں کیا۔ اس لیئے یہ لوگ مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

یہ امر یقینی ہے۔ کہ مذکورہ بالا کتب کے علاوہ متعدد کتب مغربی زبانوں میں آنحضرت کی لائف پر لکھی گئیں۔ لیکن ہمیں سوائے سید امیر علی صاحب بالقابہ کی لائف آف محمدؐ کسی ایسی کتاب کا علم نہیں۔ سید موصوف کی کتاب ہر ایک انگریزی خواں کے مطالعہ کے قابل ہے۔ عام اس سے کہ وہ مسلم ہو یا

غیر مسلم +

اردو میں بھی آنحضرتؐ کی سوانح عمریاں جس کثرت سے شایع ہوئی ہیں کسی دوسرے مذہبی پیشوا کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔ سرسید کی معرکۃ الآراء کتاب الخطبات الاحمدیہ مولوی نواب علی صاحب ایم۔ اے کی لاجواب کتاب تذکرۃ المصطفےٰ ام۔ پیارے نبی کے پیارے حالات۔ اسوۂ حسنہ ہر ایک کتاب بجائے خود اپنی اپنی جگہ نہایت دلچسپ ہے۔ اور خاص محنت سے لکھی گئی ہے۔ آخرالذکر کتاب جناب خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیفکورٹ پنجاب کی اعلےٰ دماغی ریاضت کا نتیجہ ہے۔ اور اپنی طرز تحریر میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ یہ کتاب دراصل ایک لیکچر ہے۔ جو خواجہ صاحب نے گذشتہ سال علیگڈھ کالج میں دیا تھا۔ اس میں مفصل حالات تو نہیں ہیں۔ نہ ایک لیکچر میں آپؐ کے حالات زندگی سما سکتے ہیں۔ مگر نہایت قابلیت کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ آنحضرتؐ "زندہ اور کامل" نبی ہیں۔ زیادہ دلچسپ بات مجھے اس کتاب میں یہ نظر آتی ہے۔ کہ بزرگان اقوام غیر مسلم مثلاً عیسائی اور اہل ہنود کا بھی اس میں جا بجا تذکرہ آگیا ہے۔ جس کا مطلب ان کے حالات کا آنحضرتؐ کے سوانح سے مقابلہ کرنا ہے۔ لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ اس کا لہجہ نہایت دوستانہ ہے۔ چنانچہ ایسے ہر ایک بزرگ اور اس کی تعلیم کا تذکرہ نہایت ادب سے کیا گیا ہے۔ اور اسی واسطے اس کتاب کا مطالعہ مسلم اور غیر مسلم سب کیلئے خالی از دلچسپی نہیں۔

اس عنوان کو ختم کرنے سے پہلے جناب شرودھے پرکاش دیو صاحب واعظ براھمہ سماج کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جنھوں نے آنحضرتؐ کی مختصر سوانحعمری بنام "سوانح عمری حضرت محمدؐ صاحب بانیٔ اسلام" نہایت بے تعصبی سے شایع کر کے سچائی اور حق پسندی کی وہ نظیر قایم کی ہے۔ جو کسی غیر مذہب نے آجتک نہ کی تھی۔ یعنی واقعات کو جوں کا توں اور حالات بالکل ایمانداری سے صحیح بیان کئے ہیں +

دنیا کی اجمالی حالت

بوقت ولادت باسعادت

تاریخ شاہد ہے۔ کہ چھٹی اور ساتویں صدی مسیحی کا درمیانی زمانہ جو آنحضرت کی ولادت و بعثت کا زمانہ ہے۔ بداخلاقی اور بدکرداری کے لحاظ سے تمام دنیا کی تاریخ میں ایک بدترین زمانہ تھا۔ ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ یعنی معلومہ دنیا کا گوشہ گوشہ شرارت اور جہالت کا مرکز بن رہا تھا۔ شام۔ مصر اور افریقہ کے کنارے محرفہ یہودیت و نصرانیت کے نام لیوا نظر آتے تھے۔ مگر ساتھ ہی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے۔

یورپ کی حالت:۔ عام طور پر وحشت و جہالت کا دور دورہ تھا۔ وہاں کے تقریباً تمام لوگ وڈن بت کی پرستش کرتے تھے۔ ملک میں ہر چہار طرف جنگ۔ خونریزی اور بدامنی کی آگ مشتعل ہو رہی تھی۔

ایران کی حالت:۔ ایران میں انسانیت۔ اخلاق۔ امن و امان اور سکون و اطمینان کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ایرانی زر۔ زمین۔ زن پرستی میں مصروف تھے۔ اور روحانیت کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ اگر کچھ لوگوں میں مذہب کا نام باقی تھا۔ تو وہ مجوسیت اور آتش پرستی تھی۔

مصر:۔ اس ملک میں کہنے کو تو لوگ عیسوی مذہب کے پیرو کہلاتے تھے۔ مگر حضرت مسیح کی شخصیت۔ ابنیت و الوہیت اور تثلیث کی بحثوں میں ہر روز ایک نیا فرقہ پیدا ہوتا تھا۔ اور نت نئے جھگڑے قصے اپنے ساتھ لاتا تھا۔ ہر ایک فرقہ دوسرے کو بدعتی کہہ کر اس کا استیصال کرنے اور اسے زندہ جلا دینے کو ثواب سمجھتا تھا۔

چین: اس ملک کا بادشاہ خدا کا آسمانی فرزند سمجھا جاتا تھا۔ مثل حال کے عیسائیوں کے بُت پرستی عام مذہب اور شغل تھا۔ مگر بُت بادشاہ وقت کے محکوم سمجھے جاتے تھے۔

ہندوستان: یہاں وید کا زمانہ تو جنگ مہابھارت کے پیشتر ہی ختم ہو چکا تھا۔ مگر اسوقت پرانوں کا دور دورہ تھا۔ اور مزید بدقسمتی سے فرقہ بام مارگی کے اثرات ملک کو محصور کئے ہوئے تھے۔ جس سے تمام ہندوستان بیحیائی و بے شرمی کا مرقع بن رہا تھا۔ علاوہ ازیں بت پرستی۔ مخلوق پرستی اور عجائب پرستی نہایت زوروں پر تھی۔ حتیٰ کہ سرگین گاؤ بھی نجات سے کچھ نہ کچھ متعلق سمجھا جاتا تھا۔

اہل عرب کے مراسم و عادات

قبل ولادت آنحضرتؐ

آنحضرتؐ کی ولادت کا زمانہ تاریخ عرب میں زمانہ جاہلیت کے نام سے موسوم ہے۔ اس زمانہ کے تمام عرب قبائل بلا استثنا سادہ مزاج تھے۔ اسی طرح ان کی معاشرت بالکل سادہ تھی۔ گلہ بانی سے ترقی کرنے کے بعد ان کی یہ حالت تھی کہ ان لوگوں نے بھیڑوں کی اون سے ایک قسم کا موٹا ٹاٹ بنانا سیکھ لیا تھا جس سے خیمے کھڑے کر کے ان کے اندر رہا کرتے تھے۔ اور ضرورت کے وقت ان کو دوسری جگہ بھی لیجاتے تھے۔

پوشاک: ان کا لباس صرف ایک بن سلی چادر تھی جس کو بطور تہ بند کے یہ اپنی کمر سے لپیٹ لیا کرتے تھے۔ مرد و عورت دونوں کی یہی پوشش تھی۔

غذا: نیم برشت گوشت۔ اونٹنی کا دودھ۔ کھجوریں یہ انکی عام اغذیہ تھیں جن

پردہ بسر کرتے تھے۔

جائداد۔ گھوڑے۔ اونٹ۔ اور دیگر مویشی نیز لونڈی غلام ان کی جائداد سمجھے جاتے تھے۔ ان میں سے بعض قبائل نے استقدر ترقی کر لی تھی۔ کہ انھوں نے شہر اور قصبے آباد کر لئے تھے۔ گو یہ خیموں ہی کے تھے۔

مشاغل۔ ان لوگوں کے مشاغل کھجوروں یا اور غذا کی اشیاء کی کاشت کسی قدر سادہ دستکاری اور تجارت۔ گرم مصالحہ۔ بلسان۔ لوبان۔ دارچینی۔ سنا سونا۔ جواہرات۔ موتی۔ ہاتھی دانت۔ آبنوس۔ لونڈیاں اور غلام اشیائے تجارت تھیں۔

یہ لوگ نہایت قدیم زمانہ سے مصر۔ شام۔ اور اردگرد کے ممالک سے تجارت کرتے تھے۔ اور ان ملکوں میں ان کے قافلے جایا کرتے تھے حتیٰ کہ توریت مقدس میں آیا ہے۔ کہ یہ لوگ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں بھی یہی مشاغل رکھتے تھے۔

عربوں کی خصوصیات

۱۔ کھانے پینے میں اعتدال اور اخراجات میں کفایت شعاری کرنا۔ اور ہر حالت میں راضی و قانع رہنا۔ ان لوگوں میں ایک اعلےٰ وصف سمجھا جاتا تھا۔

۲۔ سونے میں اعتدال قایم رکھنا قابل تعریف سمجھا جاتا تھا۔

۳۔ علی الصباح بیدار ہونا نیک عادت سمجھی جاتی تھی۔ اور ہر ایسا آدمی قوی اور مستعد سمجھا جاتا تھا۔

۴۔ فیاضی۔ مہمان نوازی قومی خصوصیت سمجھی جاتی تھی۔ اور یہ دونوں باتیں اعلےٰ صفات میں شمار ہوتی تھیں۔ چنانچہ مسافروں اور مہمانوں کی خاطرداری فیاضی سے کرنا۔ مہربانی۔ اخلاق اور تعظیم سے پیش آنا پاک فرض خیال کیا جاتا تھا۔ اسواسطے جو ان باتوں پر عمل نہ کرتا وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ٹھہرتا تھا۔

۵۔ ہمسایہ پر مہربانی کرنا۔ اس کی خبر گیری رکھنا۔ اس کے مکان۔ مال اور خاندان کی حفاظت کرنا نیک آدمی اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ان امور میں غفلت کرنا اپنے آپ کو دوسروں کی نظروں میں حقیر بنانا تھا۔

۶۔ قیدیوں کو چھڑانا۔ محتاجوں اور بیکسوں کی امداد کرنا۔ سب سے بڑی نیکیاں اور قابل توصیف افعال سمجھے جاتے تھے۔

۷۔ ایک شریف عرب اپنی عزت کا پاس اور اپنے وعدہ کا ایفا اسقدر ضروری سمجھتا تھا کہ جس کی حد نہیں۔

۸۔ صاف ستھرا لباس۔ خوشبودار چیزیں پسند کی جاتی تھیں۔ بالوں کو مشک سے معطر کرنا۔ اور خوشبودار چمڑے کی جوتیاں پہننی امارت کی نشانی تھیں۔

۹۔ فصاحت بلاغت لطیفہ گوئی اور ظرافت بھی شرافت کا جزو لاینفک سمجھے جاتے تھے۔ کند زباں ہونا اہل عرب کے نزدیک عیب تھا۔

۱۰۔ گھوڑے کی شہ سواری کی ابتدائے عمر میں مشق ضروری خیال کی جاتی تھی۔ بھیڑیئے کا شکار کھیلنا بہادری کا ثبوت تھا۔

۱۱۔ یہ لوگ ریگستان کے طول و عرض کا اندازہ اس کے ریت کی ایک مٹھی اٹھا کر اور اسے سونگھ کر کرتے تھے۔

۱۲۔ شعر و شاعری کا ملک میں عام مذاق تھا۔ اور فن شعر گوئی اعلےٰ درجہ تک ترقی کر گیا تھا۔

ان اوصاف کے ساتھ ہی اتنی برائیاں بھی ان میں موجود تھیں کہ جن کا اندازہ آپ حسب ذیل افعال سے کر سکیں گے۔

۱۔ فحش اس زمانہ کا ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ حتیٰ کہ قصائد کے آغاز ہی میں تشبیبی اشعار کے اندر دولتمندوں۔ امیروں کی لڑکیوں۔ بیویوں اور بہنوں کو نام بنام مخاطب کرتے اور جملہ عیوب اور بداخلاقیوں کو ان سے منسوب کرتے۔

۲۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ ہر ایک شاعر کے اختیار میں ایک جن رہتا ہے۔ اور جب

قدر بڑا شاعر ہوتا ہے۔ اسی قدر زبردست جن اس کا محکوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حسن شاعر اپنی تعلی میں کہتا ہے "و ما نفرت جنی دما خل یر دی"

(۳) اس زمانہ کے عرب فواحشات، زناکاری سے نادم نہ ہوتے تھے۔ بلکہ نظموں میں بیان کرتے۔ اور ان کے اشتہار پر فخر کرتے تھے۔

(۴) سب اشخاص شراب اور دیگر نشوں کے عادی تھے۔ اور حالت مدہوشی میں ان سے شرمناک و معیوب افعال سرزد ہوتے تھے۔

(۵) قماربازی ان کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ ملک کے ہر حصہ میں ایک بڑا قمار خانہ ہوتا تھا جس میں لوگ دور دراز سے آکر اپنے اپنے حوصلے نکالتے تھے۔

(۶) سود خوری بڑی کثرت سے رائج تھی۔ اور نہایت گراں شرح پر سود کا لین دین تھا۔

(۷) لونڈیوں کو جن کو قینات کہتے تھے۔ ناچنا گانا سکھایا جاتا تھا۔ وہ پیشہ بھی کرتی تھیں۔ اور یہ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی تھی۔ آمدنی آقا کا حق تھا۔

(۸) رہزنی۔ غارتگری۔ قتل و خونریزی کی بڑی گرم بازاری تھی۔ اسیران جنگ کو لونڈی اور غلام بنایا جاتا تھا۔

(۹) توہم پرستی تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ ٹوٹکے اور شگون کے بڑے معتقد تھے۔ مصیبت یا مشکل کے وقت پتھر کی چھوٹی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھ کر پھونکتے تھے۔ اور اس طرح آئی ہوئی بلا کو ٹالا کرتے تھے۔ جانوروں کے اڑنے اور بولنے سے نیک و بد شگون لیا کرتے تھے۔ مثلاً اگر کوئی جانور کسی شخص کی بائیں جانب سے دائیں جانب راستہ کاٹ جاتا تو یہ نیک شگون سمجھا جاتا تھا۔ اور اسے "سانح" کہتے تھے۔ اسی طرح دائیں سے بائیں جانب راستہ کاٹنا بُرا شگون سمجھا جاتا تھا۔ وہ اسے "بارح" کہتے تھے۔ اور اس طرح کے تفاؤل کا عام نام "طیرہ" تھا۔

(۱۰) یہ لوگ کسی کام کے حسب مراد ہو جانے پر بھیڑ کی قربانی کی منت مانتے اور کام پورا ہو جانے پر بھیڑ کے بجائے ہرن ذبح کر دیتے تھے۔ اور اسے "عقیرہ" کہتے تھے۔ مگر عام طور پر یہ تبادلۂ قربانی معیوب سمجھا جاتا تھا۔

(۱۱) خون کے بدلے میں خون معزز انتقام تھا۔ اگرچہ فدیہ (خونبہا) کا بھی رواج تھا مگر ایسا کرنے والے اچھی نظروں سے نہ دیکھے جاتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ اگر خون کا بدلہ خون سے نہ لیا جائے۔ تو ایک چھوٹا پردار کیڑا مقتول کے سر میں سے نکلکر آسمان میں چینتا پھرتا ہے۔ اس کیڑے کو وہ "ہامہ" اور "صدی" کہتے تھے۔

(۱۲) جب کوئی شخص مرجاتا۔ تو اس کے اونٹ کو اس کی قبر سے باندھ دیتے تھے حتیٰ کہ وہ بھوکا پیاسا رہ کر مر جاتا تھا۔ اس اونٹ کو "بلیہ" کہتے تھے۔ مردہ کا ماتم ایک سال تک بپا رکھا جاتا۔ اور اس مدت تک اُسے رویا کرتے تھے۔

(۱۳) میدان جنگ میں عورتیں بھی مردوں کے ہمراہ جاتی تھیں۔ اور ہر امر میں ان کی امداد کرتی تھیں۔ اور جب مرد مصروف پیکار ہوتے۔ تو یہ رجز خوانی سے ان کا دل بڑھاتی تھیں۔ اور اپنے مردوں سے مخاطب ہو کر کہتی تھیں "آگے بڑھو! آگے بڑھو! ہمارے بہادر اور جری شوہرو! اگر تم کوتاہی کرو گے۔ تو ہم کو دشمن سے نہ بچا سکو گے۔ اور پھر ہم تمہاری بیویاں نہ ہونگی۔

(۱۴) اگر ملک میں قحط اور گرانی ہو جاتی۔ تو اپنے اونٹوں کو زخمی کر کے ان کا خون پیتے تھے۔ امساک باراں کے موقع پر بارش ہونے کے لئے ایک گائے کو پہاڑوں میں لیجا کر اس کی دُم میں خشک گھاس کانٹے وغیرہ باندھتے۔ اور اس میں آگ لگا کر پہاڑوں میں چھوڑ دیتے۔ ان کے خیال میں یہ مینہ برسانے کا موثر نسخہ تھا۔

(۱۵) آلان یعنی گھوڑدوڑ اور اس پر بازی لگانے کا رواج بھی انمیں عام تھا۔

(۱۶) قبائل عرب میں جنگ و جدال ذرا ذرا سی معمولی باتوں۔ اور خفیف غلط فہمیوں سے قایم ہو جاتے تھے۔ اور اکثر ان کا سلسلہ طویل مدت تک جاری رہتا تھا۔ چنانچہ جو جنگ قبایل عبس اور ذبیان کے باہم ٹھنی تھی۔ وہ ایک صدی تک قایم رہی۔

(۱۷) غلامی کا عام رواج تھا۔ اکثر لوگ انھیں آزاد بھی کر دیتے تھے۔ لیکن آقا کا استحقاق ملکیت پھر بھی قایم رہتا تھا۔

(۱۸) عورتیں اونٹ یا دیگر حیوانات کا دودھ نکالنے کی مجاز نہ تھیں۔ اگر کوئی خاندان

اس کی خلاف ورزی کرتا۔ تو اس امر کے ظاہر ہو جانے پر وہ ملعون کیا جاتا تھا۔
(۱۹) سزائے فوجداری یہ مقرر تھی۔ کہ مجرم کو تپتے ہوئے ریت پر بٹھا دیتے تھے
(۲۰) مردہ جانوروں کا گوشت بے روک ٹوک کھایا جاتا تھا۔ اونٹنی اور مادہ بھیڑ دس بچے دینے کے بعد آزاد کر دی جاتی تھی۔ اور کھلی پھرا کرتی تھی۔ اس کے مرجانے پر اس کا گوشت صرف مرد کھاتے تھے۔ عورتوں کو اس کے کھانے کی ممانعت تھی۔ اسی طرح بکری سات بچے دینے کے بعد آزاد ہو جاتی تھی۔ دس بچوں کا باپ اونٹ بھی آزاد کر دیا جاتا تھا۔ اور اسے "حامی" کہتے تھے۔ اگر بھیڑ بکری یا اونٹنی پانچویں بار مادہ جنتی۔ تو وہ کان کاٹ کر چھوڑ دی جاتی تھی۔ جسکو "بحیرہ" کہتے تھے۔ اس کا گوشت کھانا اور دودھ پینا ممنوع تھا +
(۲۱) اونٹ سانڈ چھوڑنے کی منت مانی جاتی تھی۔ چنانچہ جب کوئی کام حسب مراد ہو جاتا تھا۔ تو اونٹ کو آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اور وہ جہاں جی چاہتا پھرا کرتا تھا۔ جیسا کہ ہندوستان میں بیلوں اور بھینسوں کو پُن کرنے کا رواج اب تک اہل ہنود میں رواج ہے +
(۲۲) بکری کا نوزائیدہ مادہ بچہ مالک کا حق اور نر بتوں کی نذر سمجھا جاتا تھا۔ اگر نر و مادہ دو بچے ساتھ پیدا ہوتے۔ تو دونوں حق مالک تھے۔ اور ان کو "وصیلہ" کہتے تھے +
(۲۳) قسم لینے کا بہتر یہ دستور تھا۔ کہ آگ جلا کر اس میں نمک اور گندھک ہیں کر دیا کرتے تھے۔ اور اس آگ کو "ہولا" کہتے تھے۔ (شاید اس ہولہ سے بت پرستان ہند کی ہولی کو کچھ تعلق ہو) اس آگ کا جلانیوالا "مُہول" کہلاتا تھا۔ قسم کو زیادہ مستحکم کرنے کا دوسرا طریقہ یہ تھا۔ کہ میزاب خانہ کعبہ کے نیچے۔ چابک۔ کمان اور جوتے رکھدیتے تھے۔ نیز اقرار اور وعدے مستحکم کرنے کے لئے اپنے بزرگوں اور بتوں کی قسمیں کھایا کرتے تھے +
(۲۴) بالغ مرد اپنے والدین کی وراثت کے حقدار ہوتے تھے۔ مگر عورتوں اور

نابالغ لڑکوں کا اس میں کوئی حق نہ تھا +

(۲۵) قرضے سود پر لینے کا عام رواج تھا۔ اور اس کے متعلق ایک قاعدہ یہ مقرر تھا کہ اگر قرضہ وقت معینہ پر ادا نہ کیا جائے۔ تو اصل کو دوچند کر دیتے تھے۔ اور کچھ میعاد اور مانگی اور بڑھا دی جاتی تھی۔ نہ شرح سود مقرر کرنیکا قاعدہ تھا نہ حساب کتاب کا رواج +

(۲۶) انتقام گیری ضروری اور واجب سمجھی جاتی تھی +

(۲۷) مختلف قوموں یا قبیلوں کے حقوق میں مساوات نہ تھی +

(۲۸) اگر کسی مقتول کے قاتل کا پتہ نہ لگتا۔ تو جس قبیلہ پر اس قتل کا شبہ ہوتا۔ اس کے پچاس معزز ممبروں کو لازم تھا۔ کہ فرداً فرداً اپنی بیگناہی کی قسمیں کھائیں +

(۲۹) پردہ کا کوئی رواج نہ تھا۔ ہر شخص اپنا ہو یا پرایا ایک دوسرے کے گھر میں بلا اطلاع آجا سکتا تھا۔ کسی قسم کی اجازت کی بھی ضرورت نہ تھی +

(۳۰) کسی رشتہ دار کے گھر کا کھانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ جیسے کہ اہل ہنود اپنی بیٹی کے گھر کھانا جائز نہیں سمجھتے۔ (افسوس کہ ہندوستان میں بعض مسلمان بھی اس لغو خیال سے متاثر ہیں) +

(۳۱) دس آدمی شراکت میں ایک جانور خریدتے۔ اور ہر شخص کا حصہ جدا جدا معین کرنے کے لئے دس پانسہ پھینکتے تھے۔ ان میں سے ایک سادہ ہوتا تھا اور باقی نو حصوں پر اندازہ کا نشان ہوتا تھا۔ پس جو پانسہ جس کے نام پڑتا تھا اسی قدر حصہ کا مستحق سمجھا جاتا تھا +

(۳۲) خانہ کعبہ میں سات تیر رکھے ہوئے تھے۔ اور ہر تیر پر ایک علامت بنی ہوئی تھی۔ بعضوں پر کام کی اجازت۔ بعض پر ممانعت کے نشان تھے۔ کام شروع کرنے سے پیشتر ان تیروں سے استخارہ کیا جاتا یا فال دیکھی جاتی تھی۔ اور وہ شخص اس کے مطابق کاربند ہوتا تھا۔ ان تیروں کا نام ازلام تھا +

(۳۳) بت پرستی عام تھی۔ خاص خانہ کعبہ میں بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ ایک ایک قبیلہ بلکہ ایک ایک گھر کا جدا جدا معبود تھا۔ اساف اور نائلہ نامی بتوں پر ہر قسم

کی قربانی کی جاتی تھی - اور سفر پہ جانے اور واپس آنے پر ان کو بوسہ دیا جاتا تھا عتب نامی بت پر جو ایک ناتراشیدہ پتھر تھا - اونٹ کی قربانی کی جاتی تھی - اور ذبیحہ کے خون کا اس پر بہنا نشان ناموری تھا - ان لوگوں کا اعتقاد تھا کہ خداتعالےٰ کی جملہ قدرتیں بیماروں کو شفا بخشنا - اولاد عطا کرنا - آفات ارضی وسماوی دور کرنا ان کے بزرگوں کے اختیار میں تھا - اسواسطے وہ خیال کرتے تھے کہ اگر ان مورتوں کی تعظیم اور پرستش کیجائیگی - تو ان کی دعائیں اور منتیں قبول ہونگی یہی انکی بنائے بت پرستی تھی - وہ پکا عقیدہ رکھتے تھے - کہ یہ اشخاص خدا کے محبوب تھے - اسواسطے ان کی پرستش قرب خداوندی مسرت روحانی - مغفرت اور شفاعت کا باعث ہوگی -

(۴۴) خانہ کعبہ میں عبادت اور پرستش مطلق برہنہ ہوکر کیا کرتے تھے - کپڑے پہنکر عبادت کرنے کو بُرا سمجھتے تھے - بدیں خیال کہ لباس ہر قسم کے گناہوں سے ملوث ہوتا ہے -

(۴۵) رسم حج عرب میں مدت دراز غالباً حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل کے زمانہ سے رائج تھی - احرام باندھا جاتا تھا - اور اگر ایسی حالت میں کوئی شخص اپنے گھر آنا چاہتا تھا - تو دروازہ کی راہ سے نہیں آتا تھا - بلکہ پچھواڑے کی دیوار پھلانگ کر آتا تھا - صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کی رسم ایام حج میں وہاں جاری تھی - اس موقع پر سب لوگ میدان عرفات میں جمع ہوتے تھے - مگر قریش مزدلفہ کے بلند مقام پر - اور یہ ان کا اعزازی حق تھا - اس کے بعد یہ مجمع منا کو جاتا تھا - اور وہاں اپنے بزرگوں کے کارنامے نظم یا نثر میں بیان کرتا تھا - ہر سال کے چار مہینے متبرک سمجھے جاتے تھے - اور ان میں سے ایک ماہ میں - اور بالعموم ذی الحجہ میں حج ہوا کرتا تھا - لیکن لڑائی یا اور کسی وجہ سے یہ متبرک ماہ آیندہ مہینوں سے بھی تبدیل کردئیے جاتے تھے - اور اس کا کچھ مضائقہ نہ سمجھا جاتا تھا -

(۴۶) یہ لوگ ایک خاص مدت تک لڑائی ملتوی رکھنے کا باہم عہد کرلیتے تھے -

جیسا کہ اہل مکہ نے مدینہ والوں کے ساتھ کیا تھا۔ اور جو تاریخ میں صلحنامہ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ آئے گی) اسکو حج بدل سمجھتے تھے ✦

(۳۷) اعراب زمانہ جاہلیت میں عام طور پر یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ اجرام فلکی انسان کی تقدیر پر فرداً فرداً اور بحیثیت مجموعی نیک یا بد اثر رکھتے ہیں نیز دیگر مخلوق پر بھی اثر انگیز ہیں۔ بالخصوص انکا اعتقاد تھا۔ کہ مینہ برسانا یا امساک باران کا ہونا انہی ستاروں کا اثر ہے ✦

(۳۸) عورتیں نہایت ذلیل اور خراب حالت میں مبتلا تھیں۔ مرد اس بارہ میں بالکل خود مختار تھے۔ کہ جتنی عورتوں کو چاہیں ازدواج میں رکھیں۔ اس کا کوئی قاعدہ نہ تھا۔ کہ کونسی رشتہ دار عورتوں سے نکاح جائز نہیں تاہم یہ بات عام تھی۔ کہ قریب تر رشتہ کی عورت سے ازدواج نہ کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ ان کے نزدیک سوا اس کے اور کوئی نہ تھی۔ کہ اس قسم کی عورت کی اولاد کمزور ہوتی ہے ✦

رسم ازدواج ادا کی جاتی تھی۔ زر مہر معین ہوتا تھا۔ طلاق کا رواج تھا۔ ہر شخص ایک عورت کو بار بار طلاق دے سکتا تھا۔ اور بار بار نکاح کر سکتا تھا۔ طلاق کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی۔ ہاں طلاق کے بعد ایک میعاد مقرر تھی۔ اس اثنا میں عورت کسی دوسرے مرد سے تعلق کرنے کی مجاز نہ تھی۔ بلکہ اگر باہم موافقت ہو جائے۔ تو طلاق ساقط ہو کر وہ پہلے شوہر کی زوجیت میں ہی آ جاتی تھی۔ مگر وہ اس طریق سے بہت ظالمانہ اور وحشیانہ فائدہ اٹھاتے تھے۔ چنانچہ یہ اول عورت کو کسی بہانہ پر طلاق دیتے اور میعاد معینہ سے کچھ ہی پہلے پھر اُسے فسخ کر کے تعلق کر لیتے۔ اور اس طرح عرصہ تک عورت کو دق کرتے رہتے ✦

مطلقہ عورت کے دوسرے شخص سے نکاح کرنیکو باعث ذلت سمجھتے تھے۔ عربوں میں ایک دوسری قسم کی طلاق "ظہار" بھی رائج تھی۔ اور اس کی صورت یہ تھی۔ کہ مرد اپنی زوجہ کے ایک عضو کے چھونے سے یہ کہکر کہ "مجھکو اپنی زوجہ کے جسم کا فلان عضو چھونا

حلال ہی بازرہتا تھا بس یہ کہنے سے ہی طلاق ہوجاتی تھی سوتیلی ماں سے ازدواج جائز تھا مگر باپ بیٹے کی بہو یا متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کا مجاز نہ تھا۔ اور اس کے خلاف عمل معیوب سمجھا جاتا تھا۔

(۳۹) لڑکیوں کی پیدائش باعث ننگ و عار سمجھی جاتی تھی۔ دختر کشی کا رواج تھا۔ لڑکیاں پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دی جاتی تھیں۔ (یہ بے رحمانہ رسم ہندوستان میں بھی ہندوؤں کے اندر تھی۔ جسکو گورنمنٹ انگریزی نے اپنی عملداری میں بند کردیا)

(۴۰) شوہر کے مرنے کے بعد سوتیلا بیٹا اگر وہ نہ ہو تو کوئی اور قریبی رشتہ دار بیوہ کے سر پر ایک چادر ڈال دیا کرتا تھا۔ اور یہ چادر ڈالنے والا شخص اس سے ازدواج کرنے پر مجبور رہتا تھا۔

متوفی شوہر کا ماتم عورت کامل ایک سال تک کرتی تھی۔ اس کے بعد وہ اونٹ کی چند خشک مینگنیاں یا تو کسی کتے پر سے یا اپنے ہی کندھے پر سے اپنی پشت کی جانب پھینک دیتی تھی۔ اور اس کا یہ مطلب تھا کہ اب اسے مرحوم کا کوئی خیال نہیں۔

(۴۱) عورتیں اپنے جسم کو تیل سے گودا کرتی تھیں۔ مصنوعی بال لگایا کرتی تھیں۔ حیض کے ایام میں عورت سے گھر کے سب آدمی علیحدہ رہتے۔ نہ وہ کسی سے ملتی جلتی تھی۔

(۴۲) مردے قبر میں دفن کئے جاتے تھے جنازہ لیجاتے وقت راستہ کے لوگوں کا تعظیماً یا بغرض اظہار افسوس کھڑا ہونا لازمی تھا۔

(۴۳) ان کا اعتقاد تھا کہ خون سانس کے سوا کچھ اور نہیں۔ روح ایک ہوا ہے۔ مگر تعلیم یافتہ عرب یہ مانتے تھے۔ کہ روح ایک نہایت خورد جانور ہے جو انسان کی پیدائش کے وقت اس کے جسم میں گھس جاتا ہے۔ اور ہمیشہ اپنے آپ کو بڑھاتا رہتا ہے۔ اور مرنے کے بعد جسم کو چھوڑ کر قبر کے گرد چیختا پھرتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک اُلو کی برابر ہو جاتا ہے۔ نیز یہ لوگ دیو۔ خبیث ارواح۔ بھوت۔ پریت وغیرہ کو مانتے تھے۔ بعض لوگ ان کو مختلف بروج کی تاثیر کی جانب

منسوب کرتے تھے۔ اور انکی پوجا سے مقبول تھی۔ یہ نیک و بد جنات کو بھی مانتے تھے۔ ان کی خاص شکل و صورت کے قایل تھے۔ ان کے نام مختلف رکھے ہوئے تھے ان کے خیال میں بعض جن نصف بدن روحانی اور نصف جسمانی رکھتے تھے۔ یہ ایسے وجودوں کے بھی قایل تھے۔ جو انسان کی نظروں سے غائب تھے مگر آیندہ کی خبریں باآواز بلند کہدیتے تھے۔ وہ فرشتوں کو مانتے تھے۔ اور انکی خاص شکلیں بھی انھوں نے مقرر کر رکھی تھیں۔ جو عجیب تھیں۔

(۲۳) عرب کے خاص شہروں اور دیگر مواقع پر سالانہ میلے بڑی دھوم دھام سے ہوتے تھے۔ جہاں عرب کے ہر حصہ سے لوگ جمع ہوتے۔ اور اپنے اپنے ہنر دکھاتے نیزہ بازی۔ شہسواری۔ اور ہر قسم کے کھیل کود ہوتے تھے۔ فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھائے جاتے تھے۔ ایک ایک عرب شاعر ہزار ہزار شعر کا فی البدیہ قصیدہ پڑھ دیا کرتا تھا۔ خاص شہر مکہ میں ایک عظیم الشان سالانہ میلہ ہوتا تھا (جو اب اسلام کی بدولت اصلاح پاکر حج کی صورت میں تبدیل ہوگیا ہے) دور دور سے لوگ اسمیں شرکت کے لئے آیا کرتے تھے۔ ان میلوں ٹھیلوں کی بڑی خصوصیت یہی تھی کہ یا تو فسق و فجور کا بازار گرم ہوتا تھا۔ یا کسی معمولی بات پر ایک ایسی جنگ کا سلسلہ چھڑ جاتا جو صدیوں تک ختم ہونے میں نہ آتا۔

پولیٹکل (سیاسی) حالت یہ تھی کہ اس کے تینوں گوشوں پر قیصر روم۔ شاہ حبش اور کسریٰ یعنی شاہ ایران کی حکومتیں تھیں۔ اور اندرون ملک میں خود مختاری کا دور دورہ تھا۔ نہ کوئی قاعدہ نہ قانون جاری تھا۔ ہر قبیلہ کا جدا جدا سردار تھا۔

الغرض کل اہل عرب بحیثیت مجموعی منبع تھے جہالت کے۔ مخزن تھے فسق و فجور کے۔ اور مرکز تھے قتل خونریزی اور سفاکی کے۔ بقول جناب حالی ؎

عرب کچھ نہ تھا اک جزیرہ نما تھا کہ پیوند ملکوں سے اس کا جدا تھا
نہ وہ غیر قوموں پہ چڑھ کر گیا تھا نہ اس پر کوئی غیر فرماں روا تھا

تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایہ
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

نہ آب و ہوا ایسی تھی روح پرور — کہ قابل ہی پیدا ہوں خود جس سے جوہر
نہ کچھ ایسے ساماں تھے واں میسر — کنول جس سے کھل جائیں۔ دل کے سراسر

نہ سبزہ تھا صحرا میں پیدا نہ پانی
فقط آبِ باراں پہ تھی زندگانی

زمیں سنگلاخ اور ہوا آتش افشاں — لوؤں کی لپٹ بادِ صرصر کے طوفاں
پہاڑ اور ٹیلے سراب اور بیاباں — کھجوروں کے جھنڈ اور خارِ مغیلاں

نہ کھیتوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی
عرب اور کُل کائنات اس کی یہ تھی

نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی — نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی
وہی اپنی فطرت پہ طبعِ بشر تھی — خدا کی زمیں بِن جُتی سربسر تھی

پہاڑ اور صحرا میں ڈیرہ تھا سب کا
تلے آسماں کے بسیرا تھا سب کا

کہیں آگ پُجتی تھی واں بے محابا — کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا — بتوں کا عمل سو بسو جابجا تھا

کرشموں کے راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا — خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا — کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدیٰ کا

وہ اک بُت پرستوں کا تیرتھ بنا تھا
جہاں تین سو ساٹھ بُت پُج رہا تھا

قبیلہ قبیلہ کا اک بُت جدا تھا! — کسی کا ہُبل تھا کسی کا صفا تھا

یہ عقدے پہ وہ تاکہ پرفدا تھا　　اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر
چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ　　ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ　　نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے
نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے　　سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے　　تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا
وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی　　صدی جس میں آدھی انھوں نے گنوائی
قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی　　تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک ان کی جہالت کا تھا وہ
اسی طرح اک اور خوں ریز ہیدا　　عرب میں لقب حرب داحس ہے جس کا
رہا ایک مدت تک آپس میں برپا　　بہا خون کا ہر طرف جس میں دریا
سبب اس کا لکھا ہے یہ اصمعی نے
کہ گھوڑ دوڑ میں چیند کی تھی کسی نے
کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا　　کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا　　کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر | تو خوف شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور | کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جاکر

وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جوا ان کی دن رات کی دل لگی تھی | شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا۔ غفلت تھی۔ دیوانگی تھی | غرض ہر طرح ان کی حالت بری تھی

بس اس طرح دس ان کو گذری تھیں صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

مذاہب عرب قبل ولادت باسعادت

قبل از ظہور اسلام عرب میں جو قومیں آباد تھیں ان کو بحیثیت مذہب چار جماعتوں میں منقسم کیا جاتا ہے یعنی (۱) بت پرست (۲) خدا پرست (۳) لامذہب (۴) معتقدین مذہب الہامی۔ جن میں سے ہر ایک کا بیان جدا جدا حسب ذیل ہے +

(۱) بت پرست

بت پرستی اظہار معبودیت کا ابتدائی اور ادنے ترین طریقہ ہے۔ جب نہایت قدیم زمانہ میں انسان نے اپنے آپ کو زلازل وغیرہ خطرات ارضی وسماوی سے محصور دیکھا۔ تو اس نے اپنے ذہن میں قیاس کیا۔ کہ کوئی زبردست ہستی اس کا باعث ہے۔ اور چونکہ وہ اس کی نظر کے سامنے نہ تھی۔ اسواسطے انسان نے خود ہی اپنی رائے سے اس کی شکل بتوں کی صورت میں قایم کرلی۔ اور اس کی پرستش کرنے لگا۔ دوسری بات بنائے بت پرستی کی یہ ہوئی۔ کہ قوم کے کارنمایاں کرنے والے بزرگوں کی توصیف میں مبالغہ کیا گیا۔ ان کے مجسمے قایم کئے گئے۔ اور آیندہ

نسلوں نے ان بتوں کو معبودیت کا درجہ دیا۔

یہی دونوں باتیں عرب میں بھی بنائے بت پرستی ہوئیں۔ اور عرصہ تک اہل عرب اس میں مبتلا رہے۔ کیونکہ عرب ایک علیحدہ جزیرہ نما تھا۔ اور ابھی اہل عرب کو دوسری اقوام سے تبادلہ خیال کا موقع نہ ملا تھا۔

عرب کی قدیمی اقوام عاد۔ ثمود۔ جرہم۔ جدلیس اور عملیق وغیرہ کی نسبت تحقیق ہے۔ کہ وہ بت پرست تھیں۔ مگر ان کا طریق عبادت اور بنائے عبادت (یعنی یہ کہ وہ اپنے معبودوں میں کیا قوتیں قیاس کرتے تھے) ہمیں معلوم نہیں۔ البتہ بنی قحطان اور بنی اسمعیل کے زمانہ سے جو بالترتیب عرب العاربہ اور عرب المستعربہ کہلاتے تھے بالتفصیل تواریخ قدیم میں مذکور ہے۔ ان کے بت دو قسم کے تھے۔ ایک وہ جو فرشتوں۔ ارواح۔ غیر محسوس طاقتوں جن پر وہ اعتقاد رکھتے تھے (اور جو ان کے نزدیک مؤنث تھے) منسوب تھے۔ دوسری قسم کے بت کار نمایاں انجام دینے والوں کے مجسمے اور یادگار تھے۔

گویہ بتوں کو دنیا اور عقبیٰ کا مالک سمجھتے تھے۔ اور بالخصوص دنیا کے تمام اختیارات انہیں کے ہاتھ میں جانتے تھے۔ مگر خدا کے قایل تھے۔ آخرت کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ بت خدا سے شفاعت کریں گے۔

آنحضرتؐ کی ولادت کے زمانہ میں خاص خانہ کعبہ میں کھلے بندوں بت پرستی ہوتی تھی۔ چنانچہ خاص بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت موجود تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے بت تھے جو عرب کے دیگر حصص میں پوجے جاتے تھے۔ بڑے بڑے مشہور بتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

عرب کے معبودیت

۱۔ ہبل نامی ایک بہت بڑا بت خانہ کعبہ کے اندر خزانہ کے کنوئیں کے پاس رکھا ہوا تھا۔ جس کی پرستش کی جاتی تھی۔

۲- ود - بنی کلب کا معبود بت تھا۔ اور یہی قبیلہ اس کی پوجا کیا کرتا تھا +
۳- سواع - قبیلہ بنی مذحج کا معبود تھا۔
۴- یغوث - اسکی عبادت قبیلہ مراد کرتا تھا۔
۵- یعوق - بنی ہمدان کے قبیلہ کا بت تھا۔ جس کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے۔
۶- نسر - قبیلہ بنی ہمدان نے اسے قایم کیا تھا۔ اور تمام یمن والے اس کی پوجا کرتے تھے
۷- عزیٰ - یہ قبیلہ بنی غطفان کا معبود تھا۔ دراصل یہ تین درخت تھے۔ اور اس میں شان خدائی کا حلول سمجھکر ان کی پرستش کیجاتی تھی۔
۸- لات } یہ دونوں بت تمام عرب کے معبود تھے۔ بلاتفریق و تخصیص ہر قبیلہ
۹- منات } انکی پرستش کرتا تھا۔ اول الذکر ان گھڑ پتھر تھا۔
۱۰- دوار - اس کو نوجوان عورتیں پوجتی تھیں۔ اور قبل از پرستش اس کے گرد طواف کرتی تھیں۔
۱۱- اساف } اوّل کوہ صفا پر بشکل مرد اور دوم کوہ مروہ پر بشکل عورت قایم تھا
۱۲- نائلہ } ان دونوں پر ہر قسم کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ اور سفر کو جانے اور واپس آنے کے وقت ان کو بوسہ دیا جاتا تھا۔ بنی جرہم ان کو دیوتا سمجھکر پرستش کرتے تھے۔ اور یہ مشاہیر کے مجسمے تھے۔
۱۳- عبعب - ایک ناتراشیدہ پتھر تھا۔ اس پر اونٹوں کی قربانی کی جاتی تھی اور اس پر خون ذبیحہ بہنا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔
۱۴- مہیک (۱۵) و مطعم - اوّل کوہ صفا پر اور دوسرا مروہ پر قایم تھا۔
۱۶- ذات انواط (۱۷) ذو الکفین۔
خانہ کعبہ کے اندر حضرت ابراہیمؑ کی تصویر تھی۔ جس کے ہاتھ میں استخارہ کے تیر "ازلام" تھے۔ اور ایک بھیڑ کا بچہ ان کے قریب کھڑا تھا۔ نیز حضرت اسمعیلؑ اور حضرت مریمؑ کی تصویر جن کی گود میں عیسے تھے دیوار کعبہ پر بنی ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیمؑ کا بت خانہ کعبہ میں رکھا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ

عیسیٰ علیہ السلام کی تصاویر قوم نوح کے معماروں نے بنائی ہونگی۔ علاوہ ازیں فرشتوں کی تصاویر بھی بنی ہوئی تھیں۔

مذکورہ بالا بتوں میں سے ود۔ یغوث۔ یعوق۔ اور نسر مشاہیر عرب کی تراشیدہ شکلیں تھیں۔ جو خانہ کعبہ میں عرصہ تک بطور یادگار قایم رہیں مگر بعد کے زمانہ میں انھیں درجہ معبودیت دے کر انکی پرستش ہونے لگی۔ بتوں کی پرستش کا عام قاعدہ یہ تھا کہ ان کو سجدہ کرتے تھے۔ اُن کے گرد طواف کرتے تھے۔ اور نہایت ادب و تنظیم سے بوسہ دیتے تھے۔ اُن پر اونٹوں کی قربانی چڑھاتے تھے۔ نیز مویشی کا پہلا بچہ بطور نذر چڑھایا جاتا تھا۔ یہ لوگ اپنے کھیتوں کی سالانہ پیداوار اور مویشی کے نفع میں سے ایک مقررہ حصہ خدا کے واسطے اور دوسرا بتوں کے نام کا علیحدہ کرتے تھے۔ اگر بتوں کا حصہ کسی طرح سے ضایع ہوجاتا تو خدا کے حصہ سے پورا کر دیتے۔ مگر خدا کے ضایع شدہ حصہ کو بتوں کے حصہ سے پورا نہیں کیا جاتا تھا۔

حجراسود کی بھی پرستش ہوتی تھی۔ اس بنا پر کہ وہ بہشت کا پتھر سمجھا جاتا تھا۔ مگر شاید یہ خیال بعد کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ تعمیر کعبہ سے پیشتر حجراسود ایک میدان میں یونہیں پڑا ہوا تھا۔ مگر یہ بات ٹھیک معلوم نہیں ہوئی۔ کہ وہاں اس کی پرستش کی جاتی تھی۔ یا اس کے ساتھ اس کے مشابہ کچھ اور مراسم عمل میں لائے جاتے تھے۔ قیاساً ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے ساتھ اسی قسم کے مراسم ادا کئے جاتے ہونگے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب ایسے پتھروں کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے۔ دیکھو کتاب پیدایش باب ۱۲۔ درس ۷ و ۸ و باب ۱۳ درس ۱۸ و باب ۲۶ درس ۲۵۔ و باب ۲۸ درس ۱۸ و کتاب خروج باب ۲۰ درس ۲۵

(۲) لامذہب

عرب کا یہ فرقہ نہ بت پرستی کو مانتا تھا نہ کسی اور مذہب کو۔ وہ خدا کے وجود سے

بھی انکار کرتا تھا نیز حشر سے بھی منکر تھا۔ اور چونکہ وہ سرے سے گناہ کا قایل ہی نہ تھا اسواسطے عقبیٰ میں روح کی سزا جزا کو بھی نہ مانتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو جملہ قیود تکالیف اور رسمی سے آزاد اور اپنی مرضی کا خود مختار تصور کرتا تھا۔ اُن کا عقیدہ تھا۔ کہ انسان کا وجود اس دنیا میں ایک درخت یا جانور کی مانند ہے۔ چنانچہ وہ پیدا ہوتا۔ پختگی کو پہنچ کر پھر تنزل پکڑتا اور بالاخر فنا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کچھ نہیں۔

(۳) خدا پرست

اس زمانہ میں کچھ لوگ خدا پرست بھی تھے۔ اور ان کے دو گروہ تھے۔
ایک وہ جو ایک پوشیدہ اور غیر محدود طاقت کو (جس کو وہ اپنا خالق وجود سمجھتے تھے) مانتے تھے۔ مگر دیگر امور میں ان کے عقائد مثل لامذہبوں کے تھے۔
دوسرے گروہ یا جماعت کے لوگ خدا تعالےٰ کو برحق جانتے نیز قیامت حشر۔ بقائے روح اور سزا و جزا کے قایل تھے۔ مگر وحی اور انبیا کا اعتقاد نہ رکھتے تھے۔ یہ لوگ یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ غیر فانی روح کی سزا و جزا دوسرے جہان میں محض انسان کے نیک اور بد اعمال پر جو اس دنیا میں اس سے سرزد ہوتے ہیں منحصر ہے۔ اسواسطے وہ ایسا طریقہ اختیار کرتے تھے۔ جس سے اُن کو دائمی خوشی حاصل ہو۔ اور وہ ابدی تکلیف اور خرابی سے محفوظ رہیں۔ مگر اس کے متعلق ان کے پاس کوئی ضابطہ یا قاعدہ نہ تھا۔ اسواسطے انھوں نے اپنے اردگرد کے دوسرے مذاہب سے کچھ باتیں اخذ کر کے اختیار کر لی تھیں۔

(۴) الہامی مذہب

اسلام سے پیشتر چار مذاہب عرب میں مختلف زمانوں میں رونما ہوئے۔ (ا) مذہب صابئی (ب) مذہب ابراہیمی و دیگر انبیا (ج) مذہب یہود (د) مذہب عیسوی۔ جن میں ہر ایک کی ضروری تفصیل درج ذیل ہے۔

(الف) مذہب صابئی

صابئی مذہب کو عرب میں قوم سامری نے جاری کیا تھا۔ یہ قوم اپنے آپ کو قدیم مذاہب کا پیرو خیال کرتی تھی۔ چنانچہ حضرت شیث حضرت اخنوخ (ادریس) کو اپنے پیغمبر بتاتے اور اس مذہب کو اُن سے منسوب کرتے تھے۔ ان کے ہاں ایک کتاب بھی تھی جس کو وہ کتاب شیث کہتے تھے۔ ان کے ہاں سات وقت کی نماز پڑھی جاتی تھی۔ مردے کی نماز بھی پڑھتے تھے۔ مثل اہل اسلام کے وہ ایک ماہ قمری روزہ رکھتے تھے۔ مگر ان میں خرابی یہ تھی۔ کہ یہ ستاروں کے پرستار بن گئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے سات ہیاکل (معبد) سات سیاروں کے بنائے ہوئے تھے۔ اور ان میں ایک ایک ستارہ کی پرستش علیحدہ علیحدہ کرتے تھے اگرچہ یہ لوگ حج کے لئے حرّان کے معبد میں جمع ہوتے تھے۔ تاہم خانہ کعبہ کو بھی بہ نظر احترام دیکھتے تھے۔ ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ تھا۔ کہ ان سیاروں کا سعد یا نحس اثر انسان کی قسمت اور دنیا کے تمام امور پر ہوتا ہے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ بارش یا مینہ کی کشش انھیں ستاروں کی تاثیر پر منحصر ہے۔ ان لوگوں کا سب سے بڑا مذہبی تہوار اُس روز ہوا کرتا تھا۔ جب آفتاب برج حمل میں جو موسم بہار کا اوّل برج ہے۔ داخل ہوتا تھا۔ باقی چھوٹے چھوٹے تہوار اسوقت مناتے تھے۔ جب زحل مشتری۔ مریخ۔ زہرہ عطارد پانچوں سیارے بعض بروج میں یکے بعد دیگرے داخل ہوتے تھے۔

مذکورہ بالا خیال اور اسی قسم کے دیگر عقائد صابئین کے علاوہ عرب کے اور لوگوں میں بھی پائے جاتے تھے۔ صابئین میں اعتکاف کا بھی رواج تھا۔ چنانچہ یہ لوگ غاروں اور پہاڑوں میں چند روز مراقبہ اور سکوت میں اوقات بسر کرتے تھے۔

(ب) ملت ابراہیمی و دیگر انبیائے عرب کا مذہب

آنحضرتؐ سے پیشتر عرب میں پانچ نبی مبعوث ہوئے۔ حضرت ہودؑ۔ حضرت صالحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت شعیبؑ۔

یہ سب پیغمبر حضرت موسےٰ کی بعثت اور بنی اسرائیل کو احکام عشرہ عطا ہونے سے پیشتر مبعوث ہوئے۔ ان پانچوں پیغمبروں کے مذاہب کا اصل اصول خدائے واحد کی عبادت تھا۔ باقی مسائل و احکام کا اسوقت دنیا کو علم نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے زمانہ کے کچھ حالات ملتے ہیں۔ مگر ایسے زیادہ قابل اعتماد نہیں۔ یہ مشہور بات ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ نے ہوش سنبھالتے ہی بتوں کو توڑا۔ بت پرستی کو چھوڑا۔ اور خدائے برحق کا یقین کر کے صدق دل سے اسکی پرستش کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خداشناسی و بتوں سے بیزاری کا حال اس طرح پر بیان کیا گیا ہے۔ کہ آپ کی والدہ ایک نیک بیوی تھیں۔ چونکہ نمرود سے اس زمانہ کے کاہنوں نے کہدیا تھا۔ کہ عنقریب ایک پیغمبر پیدا ہوگا۔ جو بت پرستی ترک کرنے کے علاوہ خود اسکی ذلت کا باعث ہوگا۔ اسواسطے اس نے اس زمانہ میں بچوں کے پیدا ہوتے ہی قتل کر دینے کا حکم دیدیا تھا۔ مگر حضرت ابراہیمؑ خود اسی گھر میں پیدا ہوئے۔ اور محفوظ رہے۔ مگر ان کی والدہ نے بخوف نمرود ایک تیرہ و تار غار میں چھپا دیا۔ اور ان کی خبرگیری کرتی رہیں۔ غرضکہ حضرت ابراہیمؑ نے ایسی حالت میں پرورش پائی۔ کہ بجز مادر مشفقہ کے اور کسی انسان کا چہرہ تک نہ دیکھا۔ باوجودیکہ کئی سال گذر جانے کے فضائے عالم کی وسعت اور خوشگوار دلچسپیوں کا کچھ بھی مطالعہ نہیں کیا۔ فطرت کے سوا اور کسی کو استاد نہ بنایا۔

پہلا خیال جوان کے سادہ اور بے لوث دماغ اور معصوم دل میں گذرا وہ رب کی تلاش تھی۔ تاکہ اس کی عبادت کریں۔ انھوں نے اس کو اپنی والدہ مشفقہ کے سامنے جو گاہے گاہے شاہی سپاہیوں سے نظر بچا کر آپ کو دیکھنے

آیا کرتی تھیں پیش کیا۔ کہ میرا رب کون ہے؟ انکی والدہ نے کہا "میں"۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا "اور تمہارا رب؟" جواب ملا کہ "تمہارا باپ"۔ باپ سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا "نمرود"۔ حضرت ابراہیم نے کہا "اور نمرود کا رب؟" اس سوال کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہ ملا۔ کہ ان کے والد نے ان کا منہ اپنے دونوں ہاتھوں سے بند کر دیا۔ حضرت اس سے تشویش میں پڑ گئے۔ مشورہ بھی نہیں ملتا۔ اور طرفہ یہ کہ رب کا بھی پتہ نہیں۔

غار سے باہر نکلنے کی نوبت پہنچی۔ تو اونٹ خچر۔ گدھے وغیرہ کو دیکھکر ان کے نام پوچھے۔ اور آپ نے رائے قایم کی یہ ضرور کسی زبردست طاقت کے زیر اثر ہونے چاہئیں۔ رات ہوئی۔ تو آپ کی نگاہ ساحت آسمان پہ پہنچی۔ زہرہ یا مشتری ستارہ کو دیکھکر ان کی جانب متوجہ ہوئے۔ اس کی چمک نے آپ کے دل کو کھینچا۔ آپ نے دل میں فرمایا۔ ہذا ربی (یہ میرا رب ہے) مگر جب وہ جانب مغرب میں روپوش ہونے لگا۔ تو حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ "رب کو تو ہمیشہ ایک ہی شان سے جلوہ افروز ہونا چاہیئے۔ یہ تغیر و زوال تو شان ربوبیت سے بعید ہے۔ پس آپ جھٹ پکار اٹھے "لا احب الافلین" (میں چھپنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ روشن چاند نکلا۔ تو آپ نے سمجھا یہ ہے میرا رب۔ مگر جب غروب ہو گیا۔ تو کہنے لگے۔ یہ بھی رب نہیں ہو سکتا۔ اور گھبرا کر فرمانے لگے:۔
لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ۔ یعنی اگر مجھے راہ نہ بتائے گا میرا رب تو میں بھی گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا۔

تمام شب اسی فکر و تردد و تلاش و جستجو میں بسر ہوئی۔ ضیائے صبح نمودار ہوتے ہی آفتاب عالمتاب کی شعاعیں اقصائے عالم پر قبضہ کرنے لگیں۔ تو آپ نے ہذا ربی ہذا اکبر (یہ میرا رب ہے یہ بڑا ہے) مگر جب دیکھا۔ کہ وہ بھی زہرہ و مشتری کی طرح مغربی پردہ میں پناہ گزین ہونے کی فکر میں ہے۔ تو آپ نے رائے قائم کی کہ "معبود حقیقی" اور رب العالمین کو خاطر میں مقید کرنا ہی نادانی ہے"۔

اور فرمایا۔ یَا قَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ۔ اے لوگو میں اُن سے بیزار ہوں جن کو تم معبود حقیقی کے ساتھ شریک کرتے ہو۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ میں نے تو ایک جانب ہوکر اپنا مُنہ اسکی طرف کیا جس نے برپا کیا آسمان و زمین کو میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں ؁

ختنہ کرنا۔ ڈاڑھی رکھنا سنت ابراہیمی ہے۔ انھوں نے قربان گاہیں بھی بنائیں۔ چنانچہ ایک وہ بھی قربانگاہ تھی۔ جہانکہ حجر اسود خانہ کعبہ میں نصب ہونے سے پیشتر پڑا تھا۔ خدا کے نام پر قربانی کرنا بھی سنت ابراہیمی ہے۔ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیلؑ نے ہی بنایا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں اوّل خدا کی عبادت اس کے اندر اور باہر کرتے اور پھر اس کے گرد طواف کرتے تھے۔ اور اسوقت تمام جماعت پکار پکار کر نام خدا لیتی۔ اور خانہ کعبہ کو بوسہ دیتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کی قربان گاہیں۔ حجر اسود۔ اور حضرت یعقوب کا کھڑا کیا ہوا پتھر۔ خانہ کعبہ اور بیت المقدس یہ سب چیزیں کسی شخص کی یادگار نہ تھیں نہ کسی فرشتہ یا عظیم الشان خدائی شئے کی جانب منسوب۔ بلکہ خصوصیت کیساتھ قادر مطلق کی پرستش گاہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ جیسے کہ اہل اسلام کی مسجد۔ اور جو مراسم عبادات مختلف طریقوں سے ادا کی جاتی تھیں۔ وہ محض عبادت خداوندی تھیں۔ خواہ اس کا طریقہ کوئی ہو۔ دوسرے مذہبوں کے ایسے ہی افعال و عبادات غیر اللہ سے منسوب ہونیکی وجہ سے داخل کفر ہیں ؁

آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت اور اس سے پیشتر کے زمانہ میں بت پرستی کے عام رواج ہوجانیکے باوجود کچھ لوگ خدا پرست بھی موجود تھے۔ جو الہامی مذاہب میں سے کسی کے نام لیوا تھے۔ ایسے لوگوں میں سے اکثر نے مجدد مذہب ہونیکا دعوے کیا چنانچہ حنظلہ۔ ابن صفوان۔ خالد ابن سنان۔ اسد ابو کرب۔ قیس ابن صیدا اسی قسم کے لوگ تھے۔ جنھوں نے وقتاً فوقتاً وحدانیت کے وعظ کہے ؁

غرض یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابراہیم نے بت پرستی سے منہ موڑا بتوں کو توڑا مگر پھر ان کی قوم اسی میں مبتلا ہو گئی۔ لیکن پھر انہی کی اولاد میں نبی آخر الزماں احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اور خدا کے فضل سے تمام عرب سے بت پرستی کو مٹا کے چھوڑا

(ج) مذہب یہود

یہودی مذہب بھی ملک عرب میں پایا جاتا تھا۔ اور یہ ان یہودیوں کے ذریعہ یہاں پہنچا تھا۔ جو حضرت عیسیٰ ع سے پانسو برس قبل بخت نصر کے ظلم سے تنگ آکر جو یہودیوں کے ملک و قوم کی تخریب کے درپے ہوا تھا۔ اس جانب بھاگ آئے تھے۔ اور شمالی عرب میں بمقام خیبر آباد ہوئے تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ان لوگوں نے اپنے مذہب کی اشاعت کی کوشش کی جس کا یہ اثر ہوا کہ قبائل کنانہ۔ حارث۔ ابن کعب اور کندہ کے بعض لوگوں نے ان کا مذہب اختیار کر لیا۔ مگر جب ۵۲۴ء قبل مسیح میں ذونواس حمیری شاہ یمن نے ان کا مذہب اختیار کیا۔ تو ان لوگوں نے جبراً بھی اکثر قبائل کو اپنے مذہب میں شامل کیا جس کی وجہ سے اس زمانہ میں انھیں بہت کچھ اقتدار حاصل ہوا۔

اسوقت یہودیوں کے پاس ایک عمدہ قانون شریعت۔ سوشل اور پولٹیکل موجود تھا۔ اور اس زمانہ کے عرب ان چیزوں سے کورے تھے۔ اسواسطے یہودیوں کے بہت سے آئین و دستور عربوں نے اختیار کر لئے۔ خصوصاً اہل یمن نے جہاں یہودی بادشاہ ذونواس حمیری کا صدر مقام تھا۔

یہودی مذہب کے مراسم و عقائد توریت مقدس میں موجود ہیں بیان کی ضرورت نہیں۔

(د) عیسائی مذہب

تیسری صدی عیسوی میں کلیسا سے مشرقی بدعات اور بداخلاقیوں کا

مخزن ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے قدیم عیسائیوں پر مصیبت نازل ہوئی۔ اور اپنے وطن میں جان و مال کو خطرہ میں دیکھ کر۔ اُنھوں نے جلا وطنی اختیار کی چنانچہ اسی زمانہ میں بہت سے عیسائی عرب میں بھی پہنچے۔ اور اوّل مقام نجران میں آباد ہوئے اور اپنے گرد کے معتد بہ لوگوں کو اپنا پیرو بنایا۔ یہ فرقہ جیکوبائٹ (یعقوبی) عیسائی تھا۔ اور اسی لقب سے مشرقی فرقہ "مانوفزبٹز" کا موسوم کیا جاتا تھا۔ اگرچہ صحیح طور پر یہ لقب شام۔ عراق اور بابل کے فرقہ "مانوفزلٹیز" پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ دراصل جیکوبائٹ کا لقب شام کے ایک راہب کے سبب سے جس کا نام جیکوبس براڈیس تھا۔ اس فرقہ کا پڑ گیا تھا۔ اور جس نے یونان کے بادشاہ جسٹی نین کے زمانہ میں اپنے ملک سے نکلے ہوئے "مانوفزلٹیز" کا ایک علیحدہ فرقہ قایم کر لیا تھا۔

عیسائی مذہب نے عرب میں کوئی نمایاں ترقی نہیں کی۔ اسواسطے عیسائی مورخین کا یہ بیان محض غلط ہے۔ کہ وہاں عیسائی مذہب بہت پھولا پھلا چنانچہ ایک قبیلہ یا قوم بھی نہیں بتائی جا سکتی۔ کہ جس نے بحیثیت مجموعی عیسائی مذہب قبول کیا ہو۔ خیر عرب میں کم و بیش عیسائی ضرور تھے۔ اور اسی کے اثر سے حضرت مریم کی تصویر خانہ کعبہ کی دیواروں پر بنائی گئی ہوگی۔ کیونکہ خانہ کعبہ مشترک معبد تھا اقوام عرب کا۔ اور ہر ایک مذہب والے کا معبود اس میں متمکن تھا۔ جس کی پرستش جداگانہ طور پر ہر ایک فرقہ کرتا تھا۔

گویا عرب میں اسلام سے پیشتر مذاہب کی منڈی لگ رہی تھی۔ جس کا اثر یہ تھا۔ کہ کوئی مذہب اصل ہیئت میں نہ تھا۔ بلکہ بدترین مسخ شدہ حالت میں۔ کیونکہ ان مذاہب کے احکام و مسائل اور طریق عبادات باہم مخلوط ہو گئے تھے۔

الغرض بقول سرسیدؔ عرب ان تمام مذاہب کے بوجھ کے نیچے ایک حرکت مذبوحی کر رہا تھا۔ کہ دفعتاً اُس سے اسلام نے نمودار ہو کر حیرت انگیز سرور سے مسرور کر دیا۔

بشارات بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

توریت ز وصف تست مصور
انجیل ز نام تست مشہور

مسلمانوں کا یہ عقیدہ شروع سے چلا آتا ہے۔ کہ توریت اور انجیل مقدس میں آنحضرت صلعم کی بعثت کے متعلق بشارات اور پیشین گوئیاں صاف الفاظ میں مذکور ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک میں کئی جگہ اس امر کا اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إني رسول الله إليكم مصدقا لما بين يدي من التوراة ومبشرا برسول يأتي من بعدي اسمه احمد فلما جاءهم بالبينت قالوا هذا سحر مبين (سورہ صف آیت ۶)

جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے کہ اے بنی اسرائیل مجھکو خدا نے رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو میرے سامنے ہے۔ اور بشارت دیتا ہوا ایک پیغمبر کی جو میرے بعد ہوگا۔ اس کا نام احمد ہے پھر وہ پیغمبر انکے پاس آیا کھلی ہوئی دلیلیں لے کر تو انھوں نے کہا یہ تو علانیہ جادو ہے +

لیکن چونکہ توریت اور انجیل کے متعدد نسخوں اور مختلف ترجموں میں جو اسوقت عیسائی ملکوں اور فرقوں میں جاری تھے بیحد اختلاف تھا۔ اس واسطے بعض علمائے اسلام کا یہ خیال ہوگیا تھا۔ کہ ان بشارات کی بھی تحریف کر دی گئی ہے۔ لیکن ایک محقق کے لئے باوجود تحریف کے بھی سب کچھ مل سکتا ہے۔ سر سید رح کی اس قسم کی کوششیں نہایت مشکور ہیں اور ہم ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ بشارات اور پیشین گوئیاں نہایت مجمل بلکہ مبہم الفاظ میں بیان ہوا کرتی ہیں۔ اور مطالب اخذ کرنے کے لئے نہایت غور و خوض سے کام لینا پڑتا ہے۔ اسواسطے قبل اس کے کہ آنحضرت کے متعلق بشارات کا تذکرہ

کیا جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اُن پیشین گوئیوں کا تذکرہ کر دیا جائے جو دیگر انبیا کے متعلق ہیں۔ تاکہ ان سے مطالب اخذ کرنے کا طریقہ معلوم ہو جائے اگرچہ ہمارے پیغمبر کے متعلق بشارات ان بشارات سے نہایت صاف اور روشن ہیں۔

۱۔ اے بیت لحم افراتاہ۔ اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں چھوٹا ہے۔ لیکن میرے لئے ایک شخص جو بنی اسرائیل میں سلطنت کرے گا۔ اور اس کا ہونا بہت قدیم زمانہ سے مقرر ہو چکا ہے۔ تجھ میں سے نکلے گا (کتاب میکاہ باب ۵-۲)

حضرت عیسیٰ بیت لحم میں پیدا ہوئے۔ اور یہ بھی سچ ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں ہوئے۔ مگر وہ بادشاہ نہیں ہوئے۔ لیکن بایں ہمہ جناب متی نے مذکورہ بالا پیشین گوئی کو حضرت عیسیٰ کی بشارت مانا ہے۔ دیکھو (انجیل متی باب ۲-۳ لغایت ۶)

۲۔ جب اسرائیل بچہ تھا۔ اُس کو میں پیار کرتا تھا۔ اور اپنے بیٹے کو میں نے مصر سے بلایا (قول ہوشیع نبی۔ کتاب ہوشیع باب ۱۱-۱)

ان الفاظ سے بظاہر کوئی تعلق حضرت عیسیٰؑ کو نہیں معلوم ہوتا۔ مگر صرف اسقدر خفیف وجہ سے کہ ہیرود بادشاہ کے مرنے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام مصر سے آئے تھے۔ جناب متی نے اسے عیسیٰؑ کی بشارت قرار دیا۔ دیکھو انجیل متی باب ۲-۱۹ لغایت ۲۱)

۳۔ خداوند فرماتا ہے۔ کہ رامہ میں دہائیں مار کر رونے اور ستار کرنیکی آواز سنائی دیتی ہے۔ کہ راحیل اپنے بیٹوں کے لئے روتی ہے۔ اور تسلی نہیں پاتی۔ کیونکہ وہ نہیں ہیں۔ (کتاب یرمیاہ باب ۳۱-۱۵)

غور کرنے سے ان الفاظ کو حضرت عیسیٰؑ سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ مگر متی صاحب نے اسے بھی بشارت قرار دیا۔ لکھتے ہیں۔ کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو ہیرود بادشاہ نے اس شبہ میں کہ کونسا بچہ عیسیٰ ہوگا۔ بیت لحم اور اس کی سرحدوں کے سب لڑکوں کو جو دو برس کے اور اس سے چھوٹے تھے قتل

کروادیا (انجیل متی باب ۲-۱۶)

یہ ظاہر ہے۔ کہ صرف اسقدر لگاؤ ہے کہ ان بچوں کے مارے جانے سے رونا پیٹنا ہوا۔ اس کو عیسیٰؑ کی بشارت مان لیا گیا۔

۴۔ "بیت المقدس کو تکلیف نہ رہے گی۔ تنگی کی ظلمت جس میں زمین مبتلا ہوئی ہے۔ باقی نہ رہے گی۔ اگلے زمانہ میں زبولون کی زمین اور نفتالی کی زمین کو حقیر کیا مگر اس کے بعد دریائے اردن (فرات) کے کنارے جلیس میں بڑے قبیلے ہونگے۔ جو قوم کہ اندھیرے میں چلتی ہے۔ نور عظیم دیکھے گی۔ اور موت کے سایہ کی زمین کے رہنے والوں پر ایک نور چمکیگا" (کتاب اشیاہ باب ۹-۱ و ۲)

صرف اتنی سی بات پر کہ ایک بار عیسیٰؑ بھی دریا کے کنارے جاتے تھے (متی باب ۴-۱۲ و ۱۳) جناب متی نے اسے بشارت قرار دیا۔ الغرض یہی رنگ ہے تمام بشارات کا جو حضرت عیسیٰ یا دیگر انبیا سے منسوب کی جاتی ہیں۔ اور اب اصل مدعا کی طرف آتے ہیں۔

(۱) بشارت محمدیؐ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پہلی کتاب (توریت) میں مرقوم ہے کہ خدائے تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے حضرت اسمٰعیلؑ کی نسبت وعدہ کیا۔

(اصل عبارت بحروف عبری۔ بخط اردو)

ذل لشمعیل شمعتیخا ھنہ بیرختی اُوتو وھفرینی اوتو وھربیتی اُوتو بمئود میئود شنیم عاسار نسیئیم یولید و۔ تنو تیوی گاؤدل ؂

ویہمر الوہیم الا براہام آل برع بعینخا عل ھنعر عل اماشخا کل آشر تومر الیخا سارۃ شمع متولیہ کی بیضحق تقار الیخا وعمہ اثین ھا آمہ۔ لغوی اسمتیوک ندعا صور

(ترجمہ عربی)　　(ترجمہ اردو)

قد سمعت دعاک لاسمعیل و ہاتا　　میں نے تیری دعا اسمٰعیل کے حق میں قبول کرلی، ہاں

بارکتہٗ واثمرتہٗ وفضلتہٗ کثیراً کثیرا بولد اثنی عشر خلیفۃ واجعلہٗ جیلا کبیراً +	میں نے اُسے برکت دی۔ اور بار آور کیا۔ اور اسے بہت فضیلت دی۔ اُس سے بارہ امام پیدا ہونگے اور اُسکو بڑی قوم کرونگا (توریت کتاب باب ۲۰-۱۷)
وقال اللہ لابراہیم لا یفیق صدرک علی المولد۔ وعلی اُمتک کلما تقول لک سارہ۔ فاسمع بقولہا فانہٗ باسحق یدعی نسلک واجعل ابن الامۃ۔ لانہٗ نسلک +	کہا خدا نے ابراہیم سے، تیری نظروں میں برا معلوم نہ ہو اس لڑکے اور اپنی لونڈی کی وجہ سے جو کچھ تجھ سے سارہ کہے۔ اسکی بات مان لے۔ کیونکہ اسحق سے تیری نسل کہلائے گی۔ اور اس لونڈی کے لڑکے کو بھی ایک قوم کرونگا۔ کیونکہ وہ تیری نسل ہے (توریت کتاب اوّل باب ۲۱-۱۲-۱۳)

آیات مذکورہ بالا میں آنحضرت کی صاف صاف بشارت ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو برکت دینے کا جو وعدہ کیا تھا۔ وہ اس طرح پورا ہوا کہ جناب سرور کائنات کو جو اولاد اسمٰعیل ہیں رسول مقرر کیا۔ آیات مذکورہ میں تین باتیں خدا نے بتائی ہیں۔ اوّل "میں نے اس کو برکت دی" دوم اُسے بار آور کیا۔ اور بہت کچھ فضیلت دی۔ سوم اُس کو بڑی قوم کرونگا"

ان میں سے دوسری بات اسطرح پوری ہوگئی کہ حضرت ابراہیمؑ کے اولاد بہت ہوئی۔ جس سے بارہ اماموں یا سرداروں کا وجود میں آنا ظہور پذیر ہوا۔ اور بڑی قوم کرونگا" تیسری بات بھی اسی سلسلہ میں پوری ہوگئی لیکن پہلی بات کہ "میں نے اُس (حضرت اسمٰعیل) کو برکت دی" اور دوسری بات کا جزو دوم میں نے اس کو بہت کچھ فضیلت دی' حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت سے پوری ہوئی۔ اس سے ثابت ہے کہ وہ عیسائی یا یہودی جو مذکورہ بالا آیات سے صرف اولاد کثیر کا ہونا مراد لیتے ہیں غلطی پر ہیں۔ کیونکہ آیات میں سہ امور جدا جدا نمایاں ظہور پذیر ہیں +

(۲) بشارت محمدی

جو کثیر احکام حضرت موسےٰ کو خدا کی جانب سے بتائے گئے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا:- (اصل عبارت بہ خط اُردو مع ترجمہ عربی)

نابی مقربخا ما آحیخا کاموی یاقیم لخا یہواہ الوہیخا الاو تشماعون: نابی آقیم لاہم مقرب اجیہم کاموخا ونتتی دیباراے۔ بفیو ودبر الیہم ات کل اشتر اصیو نو

ترجمہ عربی

الملک الموجود یقیم لک نبیا من بینک من اخوتک مثلی لہ تسلمون: نبی من بین اخوتہم اقیم لہم مثلک والقی کلامی بفیہ و کل ما آمرہ یقول لہم

قایم کرے گا تیرا معبود موجود تیرے لیے نبی تجھ میں سے۔ تیرے بھائیوں میں سے تجھ سا۔ اُس کو مانیو۔ اُن کے بھائیوں میں سے نبی تیرا سا قایم کرونگا۔ اور اپنا کلام اسکے مُنہ میں دونگا۔ اور جو کچھ اس سے میں کہونگا وہ اُن سے کہے گا۔

(توریت کتاب پنجم باب ۱۸ - ۱۵ و ۱۸)

ان آیتوں میں آنحضرت کے مبعوث ہونے کی ایسی صاف اور مستحکم بشارت ہے۔ کہ اس سے نمایاں اور ہو نہیں سکتی۔ خدائے تعالےٰ نے حضرت موسےٰ سے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک نبی مثل موسےٰ کے مبعوث کرونگا۔

ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہیں۔ اور بنی اسمٰعیل میں آنحضرتؐ کے سوا اور کوئی نبی نہیں ہوا۔ پس اس سے ثابت ہے۔ کہ یہ بشارت بھی آنحضرتؐ کی ذات بابرکات سے ہی منسوب ہے۔ ان آیات میں دو جملہ خاص غور کے مستحق ہیں

۱- اپنا کلام اُس کے مُنہ میں دُوں گا۔

۲- مثل تیرے (موسےٰ کے) نبی پیدا کرونگا۔

تراجم کے علاوہ جو اناجیل اربعہ اسوقت مستند مانی جاتی ہیں وہ یونانی زبان میں ہیں۔ یعنی عبرانی زبان میں نہیں۔ جو حضرت عیسیٰ کی اصل زبان تھی۔ پس اس کی نسبت کلام خدا کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک بات ہوئی۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ یہودی اور عیسائی بھی اسبات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ انبیائے بنی اسرائیل پر سوائے "احکام عشرہ" موسےٰ کے، جو وحی آئی تھی۔ اس کے لفظ وہی نہیں ہیں۔ جو توریت۔ زبور و صحف انبیا میں لکھے ہوئے ہیں۔ بلکہ انکو صرف القا ہوتا تھا۔ بعد ازاں وہ اُس کو اپنی زبان اور محاورہ میں لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ کلام خدا اصلی حالت میں موجود نہیں۔ جب توریت و اناجیل کی یہ حالت ہے۔ تو اس کا "اپنا کلام" کا مشار الیہ قرآن پاک۔ اور "اُس کے منہ میں دونگا" کا مصداق آنحضرت کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ صاف بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

اب ہمیں دوسری بات "مثل موسےٰ کے پیغمبر پیدا کرونگا" پر غور کرنا ہے یہ بات صاف ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں کوئی پیغمبر مثل موسیٰ کے پیدا نہیں ہوا۔ چنانچہ عزیرہ پیغمبر نے جب توریت کو بعد قید بابل تحریر کیا۔ تو اس میں یہ لکھا اصل عبارت بخط اردو:۔

دِلُوقام نابی عود بیسرائیل کموشہ اسیر مداعو یہوا پانیم آل پانیم

ترجمہ عربی

وماقام نبی ذمابعد بہ اسرائیل   اور پھر قایم نہ ہوا ترجمہ اردو کوئی نبی۔ بنی اسرائیل میں موسیٰ

کموسی الذی عرف اللہ بالمشافہ   کی مانند جس نے پہچانا اللہ کو دو بدو۔ (توریت کتاب پنجم باب ۳۴-۱۰)

اب ہم یہ دیکھیں گے۔ کہ آیا آنحضرتؐ مثل موسےٰ ہیں یا نہیں

مشابہت حالات

حضرت موسیٰ	آنحضرت صلعم
ا۔ آپ نے اپنے کفار دشمنوں کے خوف سے وطن	ا۔ آنحضرت صلعم کو بھی یہی حالات

سے ہجرت کی +

۲۔ آپ ہجرت کرکے شہر یثرب (مدینہ) پہنچے۔ جو اسوقت اپنے بانی یثرون کے نام پر یثرب کہلاتا تھا +

۳۔ آپ پر کلام خدا بلفظہ نازل ہوا۔ جو احکام عشرہ کہلاتا ہے +

۴۔ آپ کو کفار کے ساتھ جہاد کا حکم ہوا +

۵۔ آپ نے متفرق اور پامال قوم کو مصر سے نکال کر ایک جگہ جمع کیا +

۶۔ آپ نے ملک فتح کئے۔ بنی اسرائیل میں دنیاوی بادشاہت قایم کی۔ آپ کا اصلی مقصد ملک کنعان پر قبضہ کرنا اور بادشاہت قایم کرنا تھا +

۷۔ آپکو شریعت منجانب اللہ عطا ہوئی چنانچہ آپ کو ایک کتاب (توریت اصلی) جسمیں احکام شریعت درج ہیں +

پیش آئے +

۲۔ آنحضرت صلعم بھی ہجرت کرکے وہیں پہنچے +

۳۔ اسی طرح آنحضرت پر کلام خدا بلفظہ نازل ہوا۔ اور اسوقت تک بالکل محفوظ ہے +

۴۔ حضرت کو بھی۔ مگر مقابلتاً نہایت نرم تھا +

۵۔ آنحضرت نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور تمام اعراب کو ایک رشتۂ قومی میں جکڑ دیا +

۶۔ آنحضرت نے ملک بھی فتح کئے۔ حکومت بھی قایم ہو گئی۔ اگرچہ حضور کا مقصد اولیٰ یہ نہ تھا۔ مگر ایسا ہو گیا۔ اور اس طرح توریت کی پیشگوئی "مثل موسیٰ" پوری ہو گئی +

۷۔ آنحضرت کو بھی کتاب احکام یعنی قرآن کریم عطا ہوا جس میں تمام احکام موجود ہیں۔ مکمل صورت میں +

یہاں پر یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ سوائے موسیٰؑ اور آنحضرتؐ کے اور کسی پیغمبر کو شریعت نہیں عطا ہوئی۔ اسواسطے حضرت عیسیٰ اور ان سے پیشتر آنیوالے تمام پیغمبر شریعت موسےٰ کے تابع رہے۔ اور اس کے بعد آنحضرت پر قرآن کریم مکمل احکام کی صورت میں نازل ہوا۔ جس نے شریعت موسیٰ کی تکمیل کی۔ کیونکہ قرآن کریم توریت سے زیادہ مکمل ہے۔

الغرض ان تمام وجوہات سے اس بشارت کا مصداق آنحضرتؐ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۳) بشارت محمدی

حضرت موسیٰ اور حضرت حیقوق نبی نے آنحضرت کے مبعوث ہونے کی بشارت

بہ الفاظ ذیل دی۔ (اصل عبارت و ترجمہ عربی بخط اردو)

وَیُومَرْ یھوا مِسِّینَائی بَادِ زَارَح مِسِّعِیرْ لامُو ھُوفِیعَ مِھَرْ پارَان وَاتَامَرْ بِبُوشْ

قودش۔ میمینوایش داث لامو۔

اِلُو دَہ مِیْتِمَان یَابُوْدِ قَادُوشْ مِہَرْ پارَان سِلہ کِسَہ مَا مَائیم ھُوْدُو شَہِلاَ۔

تو مالیَا ھَا ارص +

ترجمہ عربی	ترجمہ اردو
وقال ان اللہ طلع من سینا۔ واشرق لہم من السعیر۔ ومن جبل فاران تجلی۔ بیمینہ شریعۃ بیضاء بجند الملائکۃ آتی۔	اور کہا خدا سینا سے نکلا۔ اور سعیر سے چمکا۔ اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں شریعت روشن ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا (توریت کتاب پنجم باب ۳۳-۲)
یاتی اللہ من جنوب والقدوس من جبل فاران۔ زین السموات الارض بحمد ملئان +	آئے گا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے۔ آسمانوں کو جمال سے چھپا دیا۔ اُس کی ستایش سے زمین بھر گئی (کتاب حیقوق باب ۳-۳)

مذکورہ بالا آیات میں کوہ فاران سے خدا کا ظاہر ہونا اور شریعت کا اُس کے ہاتھ میں ہونا آنحضرتؐ اور قرآن کی بشارت ہے۔

عرب کے قدیم جغرافیہ۔ توریت کے محاورات۔ اور علماء متقدمین و متاخرین کی تحقیق سے ثابت ہو گیا ہے۔ کہ **فاران** مکہ معظمہ کے پہاڑوں کے سوا اور کوئی جگہ نہیں۔ اسواسطے اس بشارت کا مشارٌ الیہ بھی آنحضرتؐ کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا +

سر سید علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔ کہ اکتوبر ۱۸۶۹ء کے کوارٹرلی ریویو میں ایک یہودی فاضل کا مضمون چھپا تھا۔ جس میں اُس نے لکھا تھا کہ آیات مذکور

میں "فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا" اور اس کے ہاتھ میں شریعت روشن" کے معنی یہ ہیں۔ کہ عربی زبان میں شریعت دی گئی (جس سے قرآن مجید مراد ہے) پس اس سے بھی ثابت ہے۔ کہ فاران وہی مقام ہے۔ جہاں نزول اسلام ہوا یعنی مکہ اور کوہ فاران" پھر کچھ آگے چلکر یہی مضمون نگار تصدیق کرتا ہے کہ "فاران صاف طور سے عرب کے لئے مستعمل ہے"

مکہ کے گرد کے پہاڑوں کو فاران کہا جاتا ہے۔ یہ بات توریت اور اناجیل سے ثابت ہے۔ اسواسطے ہم اس کی تفصیل ضروری نہیں سمجھتے۔

(۴) بشارت محمدی

حضرت سلیمان اپنے محبوب سے ملنا چاہتے ہیں۔ اور جب مل نہیں سکتے تو خدائے تعالےٰ کی مناجات اور اپنے محبوب کی توصیف بہ الفاظ ذیل کرتے ہیں۔

(اصل عبارت بحروف عبرانی بخط اردو)

دُودِی صَحِ وِادُوم دَغُول مِرْبَابَہ رُوشُو کِتَم پَاز قِصوتاو تَلتلیم شحوروت کَعوریب عینَاو کیونیم عَل اَفِیقی رحصوت بحالاب یوشبوت عَل مِلِیت لحایاو کعروغت ھبوسم مِغدِلوت مِرتاحیم سِفتوتَاو شوشنیم نطافوت مور عوبیر یاداو گلیلی زاحاب مِملّائیم بتر سیش مَعاو عشت شین معلفت سَپیریم شوقاو عموِدِی شیش میُسّادیم عَل اَدنی پاز مِرْیہو گلیانون باحور کا رازیم۔ حِکّو ممتقیم وخلّو محمدیم زہ دُودی وِزہ رِعی بنوت یروشلایم:

ترجمہ عربی

حبیبی صَحِیح ادمان سید بین الالاف قصتہ متسلسلۃ حالک کالغراب۔ راسہ لا معۃ لالاس عیونہ کحمامۃ علےٰ عین الماء

ترجمہ اردو

میرا دوست۔ نورانی، گندم گوں، ہزاروں میں سردار ہے اس کا سر مثل ہیرے کے چمکدار ہے۔ اسکی زلفیں مسلسل مثل کوے کے کالی ہیں۔ اس کی آنکھیں ایسی ہیں، جیسے پانی کے کنڈل پر کبوتر۔ دودھ میں

معسولہ بالحلیب قائمۃ الخیام	ڈھلی ہوئی نگینہ کی مانند جڑی ہیں۔ اس کے رخسار
عذارہ صلابۃ الطیب کمرج	ایسے ہیں جیسے ٹٹی پر خوشبودار بیل چھائی ہوئی اور
البشام شفتاہ ورد تقطر مرا	چھلے پر خوشبو رگڑی ہوئی۔ اس کے ہونٹ پھول کی
بعنہ صحیفۃ العاج مرصص	پنکھڑیاں، جن سے خوشبو ٹپکتی ہے۔ اس کے ہاتھ
بالدرر، رواتیہ مصوغتان من	ہیں سونے سے ڈھلے ہوئے اور جواہر سے جڑے ہوئے
الذہب ملوتان بالجوہر سیقانہ	اس کا شکم جیسے ہاتھی دانت کی تختی، جواہر سے لچی ہوئی
اعمدۃ الرخام موسستۃ علی	اسکی پنڈلیاں ہیں جیسے سنگ مرمر کے ستون سونے کی
قواعد اللئالی۔ صورتہ تمراء	بیٹھکی پر جڑے ہوئے۔ اسکا چہرہ مانند مہتاب کے۔ جوان
شاب کالصنوبر حنکتہ حلو وکلہ	مانند صنوبر کے اسکا گلا تھا سبز شیریں اور وہ محمد ہے
محمدیم ہذا خلیل وذا حبیبی بنات	یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب۔ اے بیٹیو یروشلیم کی۔
اورشلیم ✦	(کتاب تسبیحات سلیمان۔ باب ۵۔ آیت ۱۰ لغایۃ ۱۶)

یہ بشارت آنحضرتؐ کے متعلق بالکل صاف ہے۔ اور اسمیں نام بھی آنحضرت کا آگیا ہے۔ مگر ذرا سے فرق سے یعنی محمدؐ کی بجائے محمدیم ہے۔ مگر عبرانی زبان میں حروف (ی م) جمع یا تعظیم کے واسطے لاتے ہیں۔ پس اس مقام پر بھی یہ حرف برائے تعظیم لائے گئے ہیں ✦

(۵) بشارت محمدی

حجی نبی آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے کی بشارت بہ الفاظ ذیل دیتے ہیں:-

وھر عشتی ات کل ھگوییم دباؤ حمدث کل ھگوییم۔ وملتی ات ھبایت ہزہ کابود امر یھوہ صباؤث ✦

عربی ترجمہ	اردو ترجمہ
وازلزل الامم کلہا وحمد جمیع	سب قوموں کو ہلا دونگا۔ اور حمد سب قوموں کا

الاحم تجئ واملاحذا البیت آئے گا۔ اور اس گھر کو بزرگی سے بھرونگا۔ کہا خداوند
مجدا قال رب الخلایق ؛ خلایق نے (کتاب حجی نبی۔ باب ۱۱۔ آیت ۷)

اس بشارت میں لفظ (حمدث) کے مشارٌ الیہ آنحضرتؐ ہیں۔ اور اس لفظ کو لاکر بتایا گیا ہے۔ کہ جس شخص کا اس میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ حمد کے مادہ سے مشتق ہے۔ چنانچہ آنحضرت کے نام احمد، محمد، حامد اور محمود سب اس سے مشتق ہوتے ہیں۔ اور سوائے آپؐ کے اور کسی پیغمبر کا نام اس سے نہیں نکلتا پس آپ کے سوا اور کون اس کا مشارٌ الیہ ہو سکتا ہے۔

بعض عیسائی کہتے ہیں یہ حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ اور اس کے دو ثبوت ہیں۔ اوّل یہ کہ متی حواری نے اپنی انجیل میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ عہد عتیق کی تمام کتابوں توریت۔ زبور۔ دیگر صحف انبیا کے بشارات کو بالتفصیل لکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کوئی عیسائی بھی اس بشارت کو حضرت عیسیٰ سے منسوب نہ کرتا تھا۔ اور یہ درست تھا۔ کہ یہ تو احمد اور محمود سے منسوب ہے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ کا نام مادہ حمد سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ پس وہ اس کے مصداق کس طرح ہو سکتے ہیں۔ دراصل اس کے مشارٌ الیہ وہ بزرگ ہیں جن کی نسبت خود جناب عیسیٰ فرماتے ہیں۔ کہ یاتی من بعدی اسمہ احمد : آئے گا میرے بعد۔ اس کا نام احمد ہے۔ اور وہ پیغمبر آخر الزماں آنحضرتؐ ہیں +

(۶) بشارت محمدیؐ

خدا کی سچی پرستش "قایم کرنے والوں کا ذکر جناب اشعیاہ نبی' الہامی رو سے بہ الفاظ ذیل فرماتے ہیں۔ (اصل عبارت در ترجمہ عربی بخط اردو)

ورا ئا رخب جیمد یارشیم رخب حمور رخب گما ال وحقشیب تشب رب قاشب :

عربی ترجمہ	اُردو ترجمہ
ورائی مرکب الفارسین	اور ایک جوڑی سواروں کی دیکھی۔
راکب حمار راکب جمل و	ایک سوار گدھے کا اور ایک سوار اونٹ کا اور
التفت التفاتا جیدا	خوب متوجہ ہوا (کتاب اشعیاہ نبی باب ۲۱ آیت ۷)

اس بشارت میں سچی پرستش کرنے والے دو پیغمبر بتلائے گئے ہیں۔ ایک گدھے کا سوار دوسرا اونٹ کا۔ پس اوّل الذکر سے مراد جناب عیسیٰ اور آخر الذکر سے مقصود ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اونٹ کی سواری یوں بھی عرب میں عام ہے۔ چنانچہ اونٹ کا نام آتے ہی قدرتاً ذہن عرب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ دوم جب آنحضرت فتح مکہ کے وقت مکہ معظمہ تشریف لائے۔ تو آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ پس اس سے صاف بشارت اور شہادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ جس طرح یہودیوں کے بگڑے ہوئے مذہب کی اصلاح جناب عیسیٰ سے ہوئی اسی طرح بُت پرستوں اور خدا کے بیٹا ہونے کے قائل لوگوں کی ہمارے رسول اکرم نے اصلاح کر کے خدا کی سچی پرستش قایم کی + گذشتہ تمام بشارات توریت اور صحف قدیم سے اخذ کی گئی تھیں۔ اب خاص انجیل کی بشارات کا ذکر کیا جاتا ہے +

(۷) بشارت محمدی

یہ امور میں نے تم سے کہے۔ جبکہ تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن پیریکلیطاس پاک روح، جس کو باپ بھیجے گا میرے نام سے، ہر بات تم کو سکھائیگا اور یاد دلاوے گا تم کو تمام وہ باتیں جو کہ میں نے تم سے کہی ہیں (انجیل یوحنا باب ۱۴۔ ۲۵ و ۲۶)

"تاہم میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ یہ بھلا ہے تمہارے لئے کہ یہاں سے میں چلا جاؤں، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو پیریکلیطاس، تمہارے پاس نہ آئیگا

(انجیل یوحنا باب ۱۶ - ۷)

عید فسح سے کچھ روز پیشتر جبکہ جناب عیسیٰ نے سمجھ لیا تھا کہ اب میرا وقت قریب آگیا ہے۔ اور میں عنقریب گرفتار ہونیوالا ہوں۔ اپنے حواریین کو منجملہ دیگر نصائح کے مذکورہ بالا نصائح بھی کیں۔ اسوقت جو انجیلیں موجود ہیں۔ ان میں مذکورہ بالا عبارت میں پیریکلیطاس (تسلی دہندہ) مرقوم ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ یونانی لفظ ہے اسواسطے وہ لفظ نہیں ہے۔ جو حضرت عیسیٰ کی زبان سے نکلا۔ کیونکہ ان کی زبان عبرانی تھی۔ نہ کہ یونانی۔ پس جو لفظ حضرت عیسیٰ کی زبان سے نکلا وہ فارقلیط تھا۔ یہی بات مسلمانوں کی کتاب میں مذکور ہے۔ نیز عیسائی فاضل بشپ بارش کی بھی یہی رائے ہے۔ فارقلیط کا یونانی صحیح ترجمہ پریکلیوطاس ہے۔ اور اس کا عربی ترجمہ احمد ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے زمانہ کے خود غرض پادریوں نے اس کی تحریف کر دی۔ کیونکہ اس بات کا ثبوت موجود ہے۔ کہ ابتداءً اس کا ترجمہ پریکلیوطاس ہی کیا گیا تھا۔ چنانچہ سر ولیم میور کتاب لائف آف محمد جلد اوّل صفحہ ۱۷ میں دبی زبان سے اس امر کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ "یوحنا کی انجیل کا ترجمہ جو ابتداء میں عربی زبان میں ہوا۔ اس میں اس لفظ کا ترجمہ غلطی سے احمد کر دیا ہوگا۔ یا کسی خود غرض جاہل راہب نے محمد (صلعم) کے زمانہ میں جعل سازی سے اس کا استعمال کیا ہوگا"

یعنی اقرار تو ہے۔ لیکن چونکہ اس سے مسلمانوں کے پیغمبر کی بشارت نکلتی ہے۔ اسواسطے ترجمہ کی غلطی یا خود غرض جاہل راہب کے کرتوت قرار دیتے ہیں۔ کیا انصاف اور کیا سچائی ہے۔ اللہ اللہ کیسی روشن خیالی ہے۔ بیساختہ داد دینے کو دل چاہتا ہے! العجب ثم العجب!

اس موقع پر ایک عیسائی فاضل مسٹر گاڈفری ہگنز کی رائے اس بشارت کے متعلق لکھ دینی مناسب ہوگی۔ وہ اس بات کو مانتے ہوئے کہ

"چونکہ عیسائیوں نے اناجیل کے قدیم نسخے بجائے حفاظت کرنے کے غارت کر دیئے۔ حالانکہ اگر وہ چاہتے۔ تو انھیں آجتک مثل مقدس نسخوں کے محفوظ رکھ سکتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ عیسائیوں نے اصلیت اور حقیقت کو چھپانے کی دانستہ کوشش کی ہے" لکھتے ہیں کہ "جو بشارات ان آیات میں درج ہیں۔ اُن سے بہت سے قدیم عیسائی کسی شخص کے مبعوث ہونے (یعنی آنحضرت کے مؤلف) کی پیشینگوئی سمجھتے تھے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ رومی پادریوں اور پروٹسٹنٹ فرقے نے جو اس لفظ کے معنوں میں تحریف کی ہے۔ اور اس سے روح القدس کا حواریوں پر آنا مراد لیا ہے۔ ابتدا میں یہ رائے عام نہ تھی" مسٹر موصوف اس کا ثبوت یہ دیتے ہیں کہ۔

"دوسری صدی میں ترتولین کے زمانہ سے پیشتر مانٹینس ایک شخص پیدا ہوا تھا۔ جس کو کچھ لوگ حضرت عیسیٰ کا موعودہ پیریکلیدطاس سمجھتے تھے۔ اس کے دشمنوں نے اس کی نسبت بے اصل بات مشہور کی تھی۔ کہ وہ روح القدس ہونے کا دعوے کرتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں نے مانٹینس کے سبب انجیلوں میں تحریف کی۔ اور یہ ماجرا آنحضرت کے زمانہ سے بہت پیشتر ہو چکا تھا۔ درمیانی زمانہ میں ایسے ہی ایک اور شخص "مینیس" کو موعودہ شخص سمجھا گیا۔ مگر وہ غلطی تھی +

بعض عیسائی اس آنیوالے شخص سے روح القدس مراد لیتے ہیں۔ مگر اس کی تردید مسٹر گاڈفری اس طرح فرماتے ہیں۔ کہ "یہ درست نہیں۔ کیونکہ اگر اس کے معنی (تشفی دہندہ) ہوں۔ تو تشفی دہندہ کے آنیکا وعدہ ہوتے ہوئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ وہی شخص بارہ زبانہائے آتشیں والی پیشین گوئی کا بھی موعود ہے" مسٹر موصوف یہ بھی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "علاوہ ازیں حواریوں کے قوانین اور خود عیسائیوں کی کتاب سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ کہ روح القدس کا حواریوں میں آجانا تشفی دہندہ موعود کا آنا ہوا۔ اور صرف زبان سے کہدینے

سے ایسے دعوے کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔

(۸) بشارت محمدی

"اور دیکھو میں بھیجتا ہوں وعدہ اپنے باپ کا تم پر۔ لیکن تم ٹھیرو شہر یروشلم میں۔ جب تک کہ تم پر عطا ہو قوت اوپر سے (انجیل لوقا باب ۲۴-آیت ۴۹)"

حضرت عیسیٰ کے مصلوب اور دفن ہونے کے بعد جبکہ حواریین نے مچھلی کا ٹکڑا اور شہد کھاتے انھیں دیکھا۔ تو حضرت نے مندرجہ بالا الفاظ ان سے کہے۔ مندرجہ بالا بشارت (عبارت) اور چند دیگر سطور لکھنے کے بعد لوقا صاحب اپنی انجیل ختم کرتے ہیں۔ اور اس وعدہ کے پورا ہونے کا کوئی ذکر نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ "عیسیٰ یہ کہہ کر آسمان پر چلے گئے۔ تو تمام حواری اُن کو سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلم کو پھرے۔ اور ہمیشہ ہیکل میں خدا کی تعریف کرتے رہے۔"

ان الفاظ پر لوقا کی انجیل ختم ہوتی ہے۔ اور اس میں وعدہ کے پورا ہونیکا ذکر نہیں آتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اُس زمانہ تک وہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔ نہ لوقا کے نزدیک روح القدس کا زبانہائے آتشیں میں حواریوں پر نازل ہونا اس وعدہ کا پورا ہونا تھا۔ ورنہ وہ اُس کا ذکر کرتا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ وہ وعدہ کسی اور شخص کا تھا +

"اُس وعدے کے آنے تک تم شہر یروشلم میں ٹھیرے رہو" کیوں ٹھیرے رہو؟ اس کا جواب ہمیں نہیں ملتا۔ کیونکہ اگر موعودہ شخص روح القدس ہے۔ تو وہ ہر جگہ پہنچ سکتی ہے۔ ایک جگہ قیام کی قید کی ضرورت نہیں۔ لیکن دراصل ان الفاظ کے معنی کہ "یروشلم میں ٹھیرے رہو" کچھ اور ہیں۔ یعنی یہ استعارہ ہے اس واسطے ان لفظوں کے ظاہری معنی پر نہ جانا چاہیئے۔ یعنی اس کا مطلب

یہ ہے۔ کہ جب تک وہ وعدہ پورا نہ ہو۔ تم یروشلم سے وابستہ رہو۔ اور اُسی کی عزت کرو۔ اسی جانب سجدہ کرو۔ حتیٰ کہ وعدہ پورا ہو۔ چنانچہ جب وعدہ پورا ہوا یعنی آنحضرت مبعوث ہوئے۔ تو یروشلم میں رہنے کا زمانہ بھی ختم ہو گیا اور بیت اللہ میں رہنے کا زمانہ آیا۔ باپ کا وعدہ پورا ہوا۔ سمت بیت المقدس موقوف ہوئی۔ اور مکہ میں ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے خانۂ خدا اور کعبۂ معظم کی سمت قبلۂ اہل ایمان قرار پائی +

اِن تمام مباحث سے ثابت ہے۔ کہ یہ آیات بشارت ہیں بیت المقدس کے قبلہ نہ رہنے اور بیت اللہ کے قبلہ قرار پانے اور آنحضرت کے مبعوث ہونے کی +

(۹) بشارت محمدیؐ

جب حضرت یحییٰ پیغمبر ہوئے۔ تو یروشلم سے یہودیوں نے کاہنوں اور لیویوں کو اُن کے پاس بھیجا۔ تاکہ اُن سے پوچھیں۔ کہ وہ کون ہیں؟ چنانچہ وہ لوگ گئے اور اُن سے گفتگو ہوئی۔ اُس نے یعنی حضرت یحییٰ نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔ اور اقرار کیا کہ میں کرستاس (مسیح) نہیں ہوں" اور اُنھوں نے پوچھا اُس سے پھر کون! کیا تو ایلیاس ہے؟ اور اس نے کہا میں نہیں ہوں" تو وہ نبی ہے؟ اور اس نے جواب دیا "نہیں"۔ تب اُنھوں نے اس سے کہا۔ کہ تو کون ہے تاکہ ہم جواب دے سکیں اُن کو جنھوں نے ہمکو بھیجا ہے۔ اپنے تئیں تو کیا کہتا ہے۔ اُس نے کہا میں ہوں آواز اُس کی جو جنگل میں چلاتا ہے۔ سیدھا کرو راستہ خداوند کا جیسا نبی اشعیاہ نے کہا۔ اور وہ جو بھیجے گئے تھے۔ فروس تھے۔ اور انھوں نے اس سے پوچھا اور اس سے کہا تو کیوں اصطباغ کرتا ہے۔ جبکہ تو نہ کرستاس ہے اور نہ ایلیاس اور نہ وہ نبی

(یوحنا باب ۱ آیت ۲۰)

مذکورہ بالا عبارت میں دو جگہ لفظ "وہ نبی" آیا ہے۔ اور حضرت عیسےٰ اور حضرت الیاس کے بعد آیا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ حضرت الیاس کے دنیا میں موجود ہونے اور حضرت عیسےٰ کے مکرر آنے کے علاوہ اس زمانہ کے لوگوں کو ایک اور نبی کے آنے کا بھی انتظار تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ زیادہ تذکرہ اس کا ہی ہوتا تھا۔ چنانچہ دونوں بار "وہ نبی" کہا گیا۔ اور سننے والے نے اس کے معنی فوراً سمجھ لیئے۔ مگر وہ نبی سوائے نبی آخر الزمان کے اور کون ہو سکتا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ +

ہاں یہ پیغمبر وہی تھا جس کے سبب خدا نے ابراہیمؑ و اسمعیلؑ کو برکت دی۔ اور جس کی نسبت خدا تعالےٰ نے موسیٰؑ سے کہا کہ تیرے بھائیوں میں تجھ سا پیغمبر پیدا کرونگا۔ اور جس کی نسبت حضرت سلیمانؑ نے کہا۔ کہ میرا محبوب سرخ و سفید سب میں تعریف کیا گیا محمدؐ ہے۔ یہی میرا محبوب ہے۔ اور یہی میرا مطلوب اور جس کی نسبت یحییٰؑ نبی نے کہا۔ کہ حمد تمام قوموں کا آوے گا۔ اور جس کی نسبت حضرت عیسےٰ نے فرمایا۔ کہ میرا جانا ضرور ہے تاکہ فارقلیط آوے +

(۱۰) بشارت محمدیؐ

"اللہ تعالےٰ جبال مکہ سے احمد (صلعم) کو ظاہر کرے گا جس کی تعریف سے زمین بھری ہوگی۔ اور زمین و گردوں کا مالک ہوگا" (کتاب حقوق پیغمبر)

(۱۱) بشارت محمدیؐ

"وہ روح راستی۔ جو نقصان سے خالی ہے۔ وہ کامل تعلیم لائے گا۔ اور لوگوں کو نئی باتوں کی خبر دے گا" (انجیل)

علاوہ ازیں انجیل برنباس میں آنحضرت کا نام مقدس صاف صاف تحریر ہے۔ اور اسے دیکھنے کے بعد کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہ اس بشارت

کے مشارٌالیہ جناب سرورِ کائنات خلاصۂ موجودات ہی ہیں۔ اور اب مخالفین
ومنکرین کو بھی کوئی گنجایش اس کے تسلیم کر لینے میں باقی نہیں رہی۔ یہ
انجیل حمیدیہ سٹیم پریس سے چھاپی ہے۔

باب سوم

آنحضرتؐ کا خاندانی سلسلہ

آپؐ کا خاندانی سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ جو اہل
بابل کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ مسیحؑ سے تقریباً دو ہزار سال
پیشتر حضرت ابراہیمؑ شاہ بابل اور وہاں کی رعایا کی ہدایت کے لئے منجانب اللہ
مامور ہوئے۔ آپ نے اپنے پیشروؤں حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں کی
مانند صدائے توحید بلند کی۔ مگر قوم اور بادشاہ کی جہالت نے اس جان فزا صدا کو
ان کے لئے ناخوشگوار بنا دیا۔ اسوقت صرف بی بی سارہ آپ کی چچازاد بہن اور
لوط بن فاران آپ کے برادر زادہ آپ پر ایمان لائے اور ان تین آدمیوں کے
مختصر قافلہ نے وطن سے ہجرت کی۔ بعد ازاں آپ کا بی بی سارہ کے ہمراہ عقد نکاح
ہوا۔

اسوقت دنیا کی تاریخ کا گویا پہلا ہی ورق کھلا تھا۔ انسان کی طبیعت
مصنوعات کی جانب ہنوز مائل نہ ہوئی تھی۔ قدرتی وسائل ہی اس کے اسباب
آرام و آسایش تھے۔ اس واسطے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی چند بھیڑ بکریاں
پال رکھی تھیں۔ ان ہی سے دودھ مکھن وغیرہ حاصل کرکے اپنے مختصر کنبہ کی
خوردونوش کا سامان بہم پہنچاتے تھے۔ ان کے مال میں خدا نے برکت دی۔
اور آپ کے مویشی بڑھتے بڑھتے کئی گلّے ہو گئے۔ اور یہی اس سادگی کے زمانہ

ی دولت تھی۔ لیکن اس قطعہ ملک میں جہاں آپ نے بابل سے چل کر نقل مکان کی تھی۔ عرصہ تک امساک باراں رہنے کی وجہ سے مویشی کے لئے سبزہ وچارہ نہ رہا۔ اسواسطے آپ نے اور آگے قدم بڑھایا حتیٰ کہ مصر پہنچ گئے۔

اس زمانہ میں مصر کا حکمران ایک بابلی شخص رقیون نامی تھا۔ اس نے حضرت ابراہیم کو آنکھوں پر لیا۔ اور خاطر و تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ حتیٰ کہ جب آنحضرت نے مراجعت وطن کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ تو بادشاہ نے اپنی بیٹی ہاجرہ[1] کو بھی آپ کے ساتھ کر دیا۔ اس سے بادشاہ کے دو مقصد تھے۔ ایک تو یہ کہ اس کی بیٹی اور اس کی اولاد کو خاندان نبوت کا فیض صحبت حاصل ہونے کی سعادت حاصل ہو دوم اس کی نسل خاص اس ہی کے وطن میں پھلے پھولے۔ حضرت ابراہیم کی مراجعت وطن اور بادشاہ کے اپنی بیٹی ہاجرہ ان کے سپرد کرنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حب وطن کا جذبہ انسان کے اندر قدیم سے قدیم زمانہ میں بھی تھا۔ اور کہ اس کا مولد و مسکن کس طرح اس کو اپنی جانب کھینچ لیتا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ نے بی بی ہاجرہ کے ساتھ نکاح کیا۔ اور ان کے بطن سے حضرت اسمٰعیلؑ تولد ہوئے۔ اس کے بعد بی بی سارہ کے بطن سے آپ کے دوسرے فرزند حضرت اسحٰقؑ تولد ہوئے۔ اور جب یہ دونوں فرزند جوان ہوگئے تو آپ نے بخیال رفع انتزاع آیندہ حسب خواہش خاندان اپنا علاقہ دونوں فرزندوں میں اس طرح تقسیم کر دیا۔ کہ ملک شام جو بابل کے مشرق میں واقع ہے۔ اسحاقؑ کو دیا۔ جس سے ان کو ننہال کے قریب آباد ہونے کا موقع ملا۔

[1] بعض عیسائی مورخین نے حضرت ہاجرہ کو لونڈی بیان کیا ہے۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ آپ کا بادشاہ کی بیٹی ہونا عہد نامجات قدیم و جدید تورات و انجیل سے ظاہر ہے اور جدید تحقیقات سے معاملہ بالکل صاف ہو گیا ہے۔ مسیحی مورخین کا اس حرکت سے یہ مطلب تھا۔ کہ بی بی ہاجرہ کو لونڈی بتا کر اور حضرت اسمٰعیلؑ کو کنیز زادہ کہکر آنحضرت کی نسل میں عیب لگائیں۔

اور ملک عرب حضرت اسمٰعیل کو۔ اور چونکہ مصر اس کے مغرب میں تھا۔ اسواسطے انکو اپنی نانہال سے قریب تر ہونیکا فخر حاصل رہا۔ اسی طرح یمن کا علاقہ اپنی تیسری بیوی خطورا کی اولاد کو عطا کیا۔ اس تقسیم سے حضرت ابراہیمؑ کی درجہ کی دانشمندی اور انصاف پسندی ظاہر ہے۔ اور ایک دوسرا نتیجہ یہ نکالا جا سکتا ہے۔ کہ حضرت اسمٰعیل بقول معترضین لونڈی کے شکم سے نہ تھے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا۔ تو اُن کو بحیثیت اولاد خاص ملک وراثت میں حصہ نہ دیا جاتا۔ وراثت کے حق سے لونڈی بچہ کا محروم رہنا اسوقت کے قانون سے ظاہر ہے جس کی تفصیل عہد ناموں قدیم میں مذکور ہے۔ باوجود اس تقسیم کے دونوں بھائی اس طرح آباد ہوئے تھے کہ کوئی دوسرا ملک درمیان میں حائل نہ تھا۔ اور وقت ضرورت بہ آسانی ایک جگہ جمع ہو سکتے تھے۔ اور ایک دوسرے کے درد و شریک تھے چنانچہ کتاب پیدائش ۲۵/۹ میں مذکور ہے۔ کہ حضرت ابراہیم کی تجہیز و تکفین میں دونوں بھائی شریک ہوئے تھے۔ جس سے اُنکی برادرانہ محبت کا ثبوت ملتا ہے +

الغرض حضرت ابراہیمؑ کی اولاد بابل اور مصر کے ممالک کی مالک بنگئی اور بحر ہند۔ بحر احمر کے درمیان ایسے بنادر پر قابض ہوگئی۔ جہاں سے کہ وہ اسوقت کی متمدن دنیا کی تجارت پر اپنا دخل جما سکتی تھی +

خود حضرت ابراہیمؑ معہ بی بی ہاجرہ اور فرزند اسمٰعیلؑ کے اس مقام پر آباد ہوئے جہاں اسوقت شہر مکہ آباد ہے۔ یہاں باپ بیٹوں نے ملکر ایک مسجد بہ شکل مکعب تعمیر کرکے دنیا میں توحید خداوندی کی بنا ڈالی۔ جس میں اگرچہ مدتوں بت پرستی ہوتی رہی۔ تاہم اسوقت مرجع عاشقان توحید ہے۔ اور اس زمانہ میں بھی اس درجہ کشش رکھتی ہے۔ کہ اپنے جذب مقناطیسی سے ہر سال کروڑوں مسلمانوں کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ اور بیت اللہ یا کعبۃ اللہ کے نام سے موسوم ہے +

حضرت اسمعیلؑ کے بارہ فرزندوں میں سے قیدار نہایت نامور ہوا۔ اور اسکی اولاد شہر مکہ میں آباد ہوئی۔ جس نے اپنے بزرگوں کی مانند مقدس مسجد کے حقوق و خدمات میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا +

قیدار کی غالباً چالیسویں پشت میں عدنان اوّل ایک سربرآوردہ بزرگ ہوا۔ جس کے چھوٹے بھائی علک نے یمن میں سلطنت قایم کی +

عدنان کی وفات کے بعد اس قوم کو بنی جرہم نے مغلوب کیا۔ اور وہ مکہ سے خارج کر دیئے گئے۔ مگر عدنان دوم کی پندرہویں پشت میں قصی نامی ایک بہادر نے خروج کیا۔ اور مکہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اور اپنی قوم کے منتشر شدہ افراد کو جمع کر کے جو اب قریش کہلاتے تھے ۴۴۰ء میں مکہ کے انتظام کو جمہوریت کے اصول پر قایم کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں رفادہ و سقایہ۔ اور دارالندوہ ایجاد ہوئے۔ قصی کے بعد اس کے فرزند مغیرہ (معروف بہ عبد مناف) اور بعد ازاں اُس کا فرزند عمر (المعروف بہ ہاشم) پھر اسکا بیٹا شیبہ (عبد المطلب المولود ۴۹۷ء) اس کے بعد ان کے فرزند ابوطالب اپنے اپنے عہد میں مکہ کے با اثر اور معزز سردار مقرر ہوتے رہے۔ آخر الذکر بزرگ آنحضرت صلعم (صاحب سوانحعمری ہذا) کے جد امجد ہیں۔ اور آپؐ کی ولادت با سعادت کے وقت یہی شریف مکہ تھے +

آنحضرتؐ کے والد بزرگوار عبداللہ (بن عبد المطلب) نے چوبیس سال کی عمر میں بی بی آمنہ رضی اللہ عنہ (بنت وہب) سے نکاح کیا۔ شادی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی آپ نے ایک قافلہ کی معیت میں سفر شام اختیار کیا۔ مگر بہ وقت واپسی قافلہ آپنے راستہ میں ہی یثرب (مدینہ) میں وفات پائی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا کی شان ہے۔ کہ یہی مقام آپ کے جلیل القدر فرزند کا مدفن بنا +

آنحضرت صلعم* ۲۹ اگست ۵۷۰ء مطابق ۱۲ ربیع الاوّل زمانہ آدم ۲

* ایک روایت میں تاریخ ولادت باسعادت ۹ ربیع الاوّل مطابق ۹ اپریل ۵۷۱ء بھی درج ہے +

سے ۵۷۰ء سال بعد عام الفیل (واقعہ فیل سے پینتالیس روز بعد) بروز دوشنبہ (بعد وفات والد ماجد خود) بوقت صبح صادق قبل از طلوع آفتاب تولد ہوئے۔

شہنشاہ اعظم تولد ہوئے — رسول مکرم تولد ہوئے
شہ دین و دنیا تولد ہوئے — مہ اوج علیا تولد ہوئے
تولد ہوئے پیشوائے جہاں — تولد ہوئے مقتدائے جہاں
تولد ہوئے سرور مرسلاں — تولد ہوئے رہبر دو جہاں
تولد ہوئے رہنمائے قدیم — قسیم جسیم نسیم وسیم
تولد ہوئے بحر فیض عمیم — شفیع۔ مطاع نبی کریم
تولد ہوئے مہر اوج شرف — تولد ہوئے فخر عہد سلف

ولہ

یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت — بڑھا جانب بوقبیس ابر رحمت
ادا خاک بطحی نے کی وہ ودیعت — چلے آتے تھے جسکی دیتے شہادت
ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

حضور سرور کائنات فخر موجودات ختنہ شدہ اور ناف بریدہ تولد ہوئے
آنجناب کا نسب نامہ از زمانہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام حسب ذیل ہے۔

نسب نامہ جناب سرور کائنات محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ حضرت ابراہیم ۱۹۹۶ قبل مسیح — ۴۔ عوام — ۷۔ سلامے
۲۔ حضرت اسمعیل — ۵۔ عوص اول — ۸۔ زرارح
۳۔ قیدار — ۶۔ مر — ۹۔ ناجب

۱۰۔ معصر
۱۱۔ اہام
۱۲۔ افتاد
۱۳۔ عیسے
۱۴۔ حسان
۱۵۔ عنقا
۱۶۔ ارعوا
۱۷۔ بلخی
۱۸۔ سجرے
۱۹۔ ہری
۲۰۔ یسن
۲۱۔ حمران
۲۲۔ المرعا
۲۳۔ عبید
۲۴۔ عنف
۲۵۔ عسقی
۲۶۔ ماحی
۲۷۔ ناحور
۲۸۔ فاحم
۲۹۔ کالح
۳۰۔ مبلان

۳۱۔ یلدرم
۳۲۔ حرا
۳۳۔ ناسل
۳۴۔ ابی العوام
۳۵۔ متساوین
۳۶۔ یرد
۳۷۔ عوص دوم
۳۸۔ سلامان اوّل
۳۹۔ الہمیسع
۴۰۔ ادد اوّل
۴۱۔ عدنان اوّل سنہ ۶۰ ق م
۴۲۔ معد۔ اوّل سنہ ۵۸ ق م
۴۳۔ حمل
۴۴۔ نابت
۴۵۔ سلامان دوم
۴۶۔ الہمیسع دوم
۴۷۔ الیسع
۴۸۔ ادد۔ دوم
۴۹۔ اد
۵۰۔ عدنان دوم
۵۱۔ معد ثانی

۵۲۔ نزار
۵۳۔ مضر
۵۴۔ الیاس
۵۵۔ مدرکہ
۵۶۔ خزیمہ
۵۷۔ کنانہ
۵۸۔ النضر
۵۹۔ مالک
۶۰۔ فہر
۶۱۔ غالب
۶۲۔ لوی
۶۳۔ کعب
۶۴۔ مرہ
۶۵۔ کلاب
۶۶۔ عبد مناف
۶۷۔ ہاشم
۶۸۔ عبدالمطلب
۶۹۔ عبداللہ
۷۰۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

زمانۂ طفولیت آنحضرتؐ

آپ کی ولادت کی قبیلہ قریش میں خاص مسرت ہوئی۔ بالخصوص آپ کے جد امجد عبد المطلب کی خوشی کی تو کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ وہ پوتے کی ولادت کا مژدہ جانفزا سنتے ہی بی بی آمنہ کے پاس آئے۔ اور مولود مسعود کو دیکھکر نہایت محظوظ ہوئے اور آپؐ کو خانۂ کعبہ میں لے گئے۔ وہاں خدا کا شکر ادا کرنے کے بعد آپؐ کے حق میں دعائے خیر مانگی۔

جب آپ کی ولادت کی خبر ثوبیہ لونڈی نے آپ کے چچا ابو لہب کو پہنچائی تو ابولہب نے اس لونڈی کو اسی وقت آزاد کر دیا۔ اسی خانہ زاد نے آنحضرتؐ کو ابتدا میں چند روز دودھ بھی پلایا۔ جبکہ خود ان کی والدہ ماجدہ آمنہ خاتون انھیں کچھ روز دودھ پلا چکی تھیں۔

ساتویں روز بزرگ عبد المطلب نے عقیقہ کیا۔ اور تمام خاندان کو مدعو کر کے ان کی اکل و شرب سے اعلیٰ پیمانہ پر تواضع کی۔ اور اسی وقت آپ کا نام محمدؐ رکھا۔ جس پر قریش نے متعجب ہو کر آپ سے دریافت کیا۔ کہ آپ نے اس نام کو اپنے خاندان کے مروجہ ناموں پر کیوں ترجیح دی۔ فرمایا "میری آرزو ہے۔ کہ یہ بچہ تمام عالم کی ستایش اور محامد کا مظہر اتم ہو" کیا یہ ندائے غیبی نہ تھی۔ جو آپ کے دادا کی زبان سے نکل رہی تھی۔ اور کیا یہ پیشینگوئی نہ تھی جس کی صداقت آج بھی اظہر من الشمس ہے۔

ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا اسم احمدؐ رکھا تھا۔ کیونکہ انھیں خواب میں بشارت ہوئی تھی۔ جس کی مختصر کیفیت یہ ہے۔ کہ بی بی آمنہؓ نے خواب میں دیکھا۔ کہ فرستادہ خدا آپ کو حکم سناتا ہے۔ کہ اس بچہ کا نام احمدؐ رکھنا۔

آپ کی کنیت ابو القاسم اور اسمائے مبارک میں علاوہ مذکورہ بالا ہر دو ناموں کے جو

زیادہ مشہور ہیں۔ "مصطفےٰ" بھی ایک مشہور نام ہے ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

اس زمانہ میں شرفاء و متمولین عرب میں رواج تھا کہ نوزائیدہ بچوں کو دیہاتی دودھ پلانے والی عورتوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔ یہ عورتیں بچوں کو اپنے اپنے مستقر میں لیجاتیں۔ اور ان کی ایک دو سال کی عمر ہو جانے پر لے آیا کرتی تھیں ان کی خدمت کا معقول معاوضہ دیا جاتا تھا۔ اس طرز عمل سے بچوں کی نشوونما پر بھی خاص اثر پڑتا تھا۔ اسواسطے کہ صحت کے لحاظ سے شہر کی صاف سے صاف ہوا دیہات کی آب وہوا کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ آنحضرت کی رضاعت کی خدمت بھی ایک نیک بی بی حلیمہ سعدیہ کے سپرد ہوئی جس کی دلچسپ کیفیت خود ان کی زبانی درج کی جاتی ہے۔ وہ ہوا۔ روایت فرماتی ہیں کہ

"جب میں مکہ کی جانب اس خیال سے جا رہی تھی۔ کہ وہاں سے کسی امیر کا بچہ رضاعت کے لئے لاؤں۔ تو میرا دراز گوش[1] دمِ رکاب[2] تھک گیا۔ اس لئے میں نے راستہ میں مقام کیا۔ یہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک میوہ دار درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی ہوں۔ اور تمام زنانِ بنی سعد میرے گرد جمع ہیں۔ اسی اثنا میں ایک خرما درخت سے گر کر میرے مُنہ میں آ پڑا جس کا ذائقہ مدتوں میری زبان پر رہا۔ میں دوسرے دن دوشنبہ کو مکہ میں پہنچی۔ اور زنانِ بنی سعد کا قافلہ مجھ سے پیشتر ہی وہاں پہنچ چکا تھا۔ اور انکی تمام عورتیں امراء و دولتمندوں کے بچوں کو حاصل کر چکی تھیں۔ اسواسطے مجھے کئی روز تک باوجود تلاش وکوشش کے کوئی بچہ میسر نہ آیا جسکی وجہ سے مجھے اپنی ناکامی پر افسوس ہوا۔ مگر درگاہِ ایزدی میں میری دعا قبول ہوئی۔ کہ دفعتاً ایک شریف عرب نے میرے پاس آکر دریافت کیا کہ "کیا کوئی عورت ابھی باقی ہے۔ جو ایک بچہ کو لے سکے۔ میں نے ان کا نام دریافت کیا۔ جواب ملا۔ عبدالمطلب سردار قریش ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔ کہ میں ایک یتیم بچہ کو دینا چاہتا ہوں۔ مگر زنانِ بنی سعد

[1] عربی گدھا

اُسے قبول نہیں کرتیں۔ اور کہتی ہیں کہ یتیم کے لینے سے کیا حاصل! کیوں کیا آپ اُسے قبول کرسکتی ہیں؟" بی بی حلیمہ کہتی ہیں۔ کہ میں نے اس بارہ میں اپنے شوہر سے مشورہ لیا۔ اُس نے فوراً مجھے اجازت دیدی۔ اگرچہ میرا خواہرزادہ یہی کہتا رہا۔ کہ زنان بنی سعد تو اہل دول کے اطفال سے مالامال ہوئیں۔ اور تم ایک یتیم بچہ کی کفیل بنتی ہو۔ اس میں تمہیں کیا نفع ہوگا۔ میں نے اُسے سمجھایا۔ کہ گو بچہ یتیم ہے۔ لیکن سردارِ قریش عبدالمطلب اس کا دادا موجود ہے یہ کہکر میں عبدالمطلب کے ساتھ مکان پر پہنچی اور آمنہ خاتون سے بچہ کو لے کر قافلہ میں واپس آئی۔ اور اگلے روز قافلہ کے ہمراہ اپنے وطن کو روانہ ہوئی۔

بی بی حلیمہ سے بہت سی روایات مروی ہیں۔ جن سے حضور اقدس کے ایام طفولیت کے غیر معمولی حرکات سکنات خرق عادات حتیٰ کہ معجزات ظاہر ہوتے ہیں شلاً حلیمہ فرماتی ہیں کہ "آپ کی جسمانی نشو و نما اور بالیدگی غیر معمولی تھی۔ چنانچہ اور بچے جسقدر ایک ماہ میں بڑھتے آپؐ اسقدر بالیدگی ایک ہفتہ میں حاصل کرتے آپ دوسرے ماہ ایما و اشارہ فرمانے لگے۔ تیسرے مہینے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور چوتھے ماہ دیوار کے سہارے چلنے لگے۔ علیٰ ہذا پانچویں چھٹے ماہ بالترتیب خرام اور تیز رفتاری کی نوبت آئی۔ اور ساتویں مہینے تو خوب دوڑے پھرنے لگے۔ اسی طرح آٹھویں ماہ گفتگو اور نویں ماہ فصیح گفتگو فرمانے لگے۔ اور دسویں ماہ بچوں میں تیر اندازی سے کھیلتے ہوئے دیکھے گئے۔" دو برس کی عمر تک حلیمہ آپ کو دودھ پلاتی رہیں اور اس درمیان میں ہر ششماہی پر مکہ آکر بچہ کو اس کے بزرگوں کو دکھلاتی رہیں۔ اور تیسرے سال کے آغاز میں جبکہ رضاعت کی میعاد ختم ہوئی۔ تو آپ کو مکہ لے کر آئیں۔ اور آپ کو آپ کی والدہ کے سپرد کرنا چاہا۔ مگر آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ خاتون نے بچہ کو پھر انہی کے سپرد کر دیا۔ اور کہدیا کہ ایک دو سال بعد ہم منگوالیں گے۔ شاید اس خیال سے کہ دیہات میں بچہ کی صحت بہ نسبت شہر کے اچھی رہے گی۔

شردھے پرکاش مولف سوانح عمری آنحضرت کہتے ہیں۔ کہ "معلوم ہوتا ہے کہ محمد (صلعم) صاحب کی والدہ بھی انھیں اوصاف کی عورت تھیں۔ جیسا کہ اکثر بڑے آدمیوں کی مائیں ہوا کرتی ہیں۔ ہم اپنے ملک میں بھی عموماً دیکھتے ہیں۔ کہ کبھی کوئی ماں اپنے بچے کی صحت کی بوں خبرگیراں و فکرمند نہیں رہتی۔ ہمارے ملک میں بڑے آدمیوں کی نسبت بچے زیادہ مرتے ہیں۔ اس کا سبب محض اُن کی ماؤں کی بے احتیاطی اور غفلت ہے۔ پس اس خیال سے جب محمد (صلعم) صاحب کی والدہ ماجدہ کے حالات پر غور کی جاتی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک دانا۔ عقلمند اور نہایت دوراندیش بی بی تھیں"

روایت ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم تین سال کے ہوئے۔ آپ نے ایک دن حلیمہ سے دریافت کیا۔ کہ اے مادر مہربان کیا وجہ ہے۔ کہ آج میں بھائیوں (برادر رضاعی یعنی حلیمہ کے فرزند) کو یہاں نہیں پاتا۔ حلیمہ نے کہا۔ کہ وہ دن کو بکریاں چراتے اور رات کو مکان پر آتے ہیں۔ آپ یہ سن کر بہت روئے اور فرمایا۔ کہ کیا میں اس قابل نہیں۔ کہ یہ خدمت ادا کر سکوں۔ اگلے روز سے آپنے برادران رضاعی کے ساتھ جانا اور بکریاں چرانا شروع کیا۔ حالانکہ حلیمہ آپ کو منع فرماتی رہیں۔ لیکن رحمت للعالمینی کی شان سے بعید تھا۔ کہ آپ اس بارہ میں استغنا فرماتے۔ پھر بکریاں چرانا اور پیغمبری کچھ لازم ملزوم سے ہو گئے تھے۔ آپکے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر بلکہ اس سے بھی پیشتر زمانہ آدم علیہ السلام سے جتنے پیغمبر گزرے۔ سب نے اس سنت کو کم و بیش ادا کیا۔ پس یہ شرط پیغمبری بھی کسی نہ کسی طرح پوری ہونیوالی تھی +

آنحضرت کے شہر سے دور دیہات میں پرورش پانے کے متعلق جناب شردھے پرکاش دیوجی کا ذہن ایک اور لطیف نکتہ کی جانب منعطف ہوا ہے۔ جس کو ہم آپ کی نوشتہ سوانح عمری سے مستعار لیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "قریش کا قبیلہ اپنی فصاحت و بلاغت میں خاص طور پر ممتاز تھا۔ قبیلہ بنی سعد کے لوگ

(جہاں حضرت نے زندگی کے ابتدائی سال گذارے) شہر سے دور دیہات میں رہنے والے فصاحت زبان سے محض اُجڈ گنوار تھے۔ آمنہ کو اس بات کا رنج کیوں نہ ہوگا۔ کہ اس کے بچے کے کان سب سے پہلے گنواروں کی زبان سے مانوس و آشنا ہوں۔ مگر اس بی بی نے اپنے بچے کے حفظ صحت کے لئے جس طرح جدائی کا صدمہ برداشت کیا۔ اسی طرح اس رنج کو خوشی سے سہا نہیں۔ اس میں بھی حکمت خداوندی تھی۔ کہ جو شخص جوان ہو کر کلام کا معجزانہ نمونہ پیش کرنے والا تھا۔ وہ بچپن میں یوں گنواری تہذیب۔ چرواہوں میں پلے"

اس طرح آنحضرت نے چار سال کی عمر تک بی بی حلیمہ کے زیر سایہ پرورش پائی۔ بعدازاں وہ نیک بی بی اس درِ یتیم کو انکی والدہ ماجدہ بی آمنہ کے سپرد کر گئیں +

یتیمی جب سن مبارک چھ سال کا ہوا۔ تو آپ کی والدہ کریمہ آپ کے یثرب تشریف لے گئیں۔ مگر بروقت مراجعت مکہ راستہ ہی میں بمقام موضع ابواء وفات پائی۔ اور اس طرح جناب کو کامل یتیمی کی آزمایش میں ڈالا گیا۔ تاکہ ان مصائب کو عملی طور پر محسوس کرسکیں۔ اور ان کا بخوبی تجربہ کر لیں۔ جو مخلوق خدا کے اس حصہ پر وارد و صادر ہوتے ہیں۔ اور آیندہ چارہ کار سوچ سکیں +

عبدالمطلب کی سرپرستی والدہ کے وفات پانے کے بعد آپ کے سر پر آپ کے جد بزرگوار عبدالمطلب نے دست شفقت رکھا۔ مگر چونکہ آپ پختہ عمر تک پہنچ چکے تھے۔ اور آپ کو سفر آخرت کا خیال ہو گیا تھا۔ اور اپنے آپ کو خورشید لب بام سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ نے اپنی حیات میں ہی اس امر کا تصفیہ کر دینا چاہا۔ کہ میرے بعد اس درِ یتیم کی پرورش کا بار کون لے گا۔ چنانچہ آپ نے اس معاملہ کو اپنے تمام خاندان کے روبرو پیش کیا۔ اور بہت سے لوگ اس نعمت عظمےٰ کے خواہاں ہو گئے۔ ابولہب نے کہا۔ میں بجان و دل اس فرزند کی پرورش کے لئے حاضر ہوں۔ بزرگ عبدالمطلب نے جواب دیا۔ کہ اگرچہ تم مال و

دولت بہت رکھتے ہو لیکن اس قدر رحم اور گداز دل نہیں رکھتے کہ یتامی کی تکالیف کا احساس کر سکے مگر فرزندان یتیم زخم بدل خوردہ شکستہ خاطر اور نازک مزاج ہوتے ہیں۔ وہ ذرہ برابر غم کے بھی متحمل نہیں ہو سکتے۔ سوا اسکے ممکن ہے کہ تمہارے کسی عمل سے یہ یتیم آزردہ خاطر ہو جائے ؛

اس کے بعد حضرت کے چچا حمزہؓ نے درخواست کی۔ جواب ملا کہ تم کوئی فرزند نہیں رکھتے۔ اس لئے درد یتیمی کا احساس نہیں کر سکتے۔ اب حضرت عباسؓ کی باری آئی۔ تو عبدالمطلب نے فرمایا تمہارے اپنے عیال و اطفال بہ فضل خدا کثیر ہیں۔ تم اس یتیم کی خبر گیری کس طرح کر سکتے ہو۔ اپنے بچوں کے سامنے اس فرزند بے پدر کا خیال کیونکر رہ سکتا ہے۔

ابوطالب کی خوش قسمتی

ان لوگوں کو صاف جواب ملنے کے بعد حضرت ابو طالب نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ میں نہ سرمایہ رکھتا ہوں نہ مال و دولت تاہم اگر جناب مجھے اس خدمت کے لئے منتخب فرمائیں۔ تو میں اپنی جان نثار کرنے کو حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا بیشک میں سمجھتا ہوں۔ کہ تم اس کام کو بخوبی انجام دو گے لیکن میں اس معاملہ کو خود مدعا علیہ پر چھوڑنا چاہتا ہوں چنانچہ آپ نے آنحضرتؐ کو جو اس وقت آٹھ سال کی عمر تک پہنچ چکے تھے۔ طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے عزیز مجھے سفر آخرت درپیش ہے۔ یہ تمہارے بزرگ تمہاری پرورش کا بار اپنے سر پر لینا چاہتے ہیں۔ پس تم ان میں سے کس کو پسند کرتے ہو۔ یہ سنکر آپ مسکراتے ہوئے حضرت ابو طالب کے زانو پر جا بیٹھے۔ گویا آپ نے انہیں بزرگ کو منتخب کیا۔ اسوقت حضرت عبدالمطلب آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے۔ کہ اے ابوطالب! اس فرزند دلبند نے نہ تربیت پدری کی چاشنی چکھی نہ مہر مادری کی حلاوت پائی۔ اس لئے تو اس کی غمخواری اور دلداری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیو۔ ابوطالب آنحضرت صلعم کے حقیقی چچا تھے یعنی آپ کے پدر بزرگوار حضرت عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے ؛

وفات عبدالمطلب

اس انتظام کے چند روز بعد جناب عبدالمطلب نے باون سال

کی عمر میں رحلت فرمائی۔ شردھے پرکاش دیوجی لکھتے ہیں۔ کہ جس شخص نے اپنے باپ کی شفقت بھری آنکھیں نہ دیکھی ہوں۔ جو کنار عاطفت پدری میں آرام سے سر رکھ کر نہ سویا ہو جس نے پیارے باپ کی صورت تک نہ دیکھی ہو۔ جو عہد غم بردی طفلی میں ہی اپنی ماں کی پیاری اور من موہنی محبت سے محروم کیا گیا ہو۔ اور جو اس عمر میں کہ جب بچے اپنے والدین کے لاڈ پیار کا لطف اٹھاتے اور بچپن کی امنگ میں ہر قسم کے کھیل کود میں شریک ہوتے ہیں۔ افسردہ اور پژمردہ ہو کر رہ گیا ہو۔ وہ یتیموں کے کملائے ہوئے دلوں اور لاوارثوں کی بیکسی کو خوب سمجھتا ہے ؎

مرا باشد از درد طفلاں خبر ۔۔۔ کہ در طفلی از سر گذشتم پدر

پھر لکھتے ہیں کہ شاید اللہ تعالے کو ان پر ان مصیبتوں کے ڈالنے سے یہ منظور تھا کہ ان کے مزاج میں اعلےٰ درجہ کا حلم۔ صبر اور رحم پیدا ہو جائے۔ اور وہ اس ہمدردی بردباری اور غمخواری سے اپنے ہم وطنوں کو چاہ گمراہی سے باہر نکالیں۔

بزرگ ابوطالب نے آنحضرت کی خوب غور و پرداخت کی۔ اور ان کی دلجوئی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیا حضرت کو بھی اپنے مہربان چچا کے ساتھ غیر معمولی اُنسیت ہو گئی تھی جس کا ثبوت اس سے ملتا ہے۔ کہ جب ابوطالب

سفر مصر و شام

کو سفر مصر و شام پیش آیا۔ اور آپ رخت سفر باندھ چلے۔ تو حضرت کو بھی پتہ لگا۔ آپ چچا کی ٹانگوں سے چمٹ گئے۔ اور التجا کی۔ کہ آپ مجھے بھی ہمراہ لے چلیے۔ چونکہ خود ابوطالب کو آپ کی مفارقت شاق تھی۔ لہذا آپ کا ہمراہ جانا ہی طے ہوا۔ اسوقت سن مبارک بارہ سال کا تھا۔ الغرض دونوں چچا بھتیجے قافلہ کے ہمراہ شام کو چلدیئے ؛

جب وہ قافلہ جس کے ساتھ حضرت سفر شام کر رہے تھے **بصرہ** پہنچا۔ تو وہاں ایک راہب **بحیرہ** نامی نے حضرت سے گفتگو کی۔ جس سے وہ بہت حیران ہوا۔ اور اس سے متاثر ہو کر ابوطالب کو آپ کی خبرگیری کے متعلق خاص طور پر ہدایت کی۔ اور بیان کیا۔ کہ یہ ہونہار بچہ نبی ہوگا۔ اور عرب سے (بلکہ دنیا سے)

بت پرستی کی بیخ و بنیاد اکھاڑ کر پھینکدے گا۔ اسواسطے ضرورت ہے۔ کہ اسے یہودیوں کے سایہ سے دور رکھیں۔ مبادا وہ لوگ اسے ایذا پہنچائیں ؂

راہب سے گفتگو

دوسری روایت میں وارد ہے۔ کہ بحیرہ نے یہ بھی کہا تھا۔ کہ یہی وہ پیغمبر ہے۔ جس کے آنے کی خبر مسیح ابن مریم نے دی تھی۔ اور بیشک یہ خدا کا رسول اور خاتم النبیین ہوگا۔

حضرت مسیح کی بشارت کے الفاظ جن کا حوالہ بحیرہ نے دیا۔ حسب ذیل ہیں۔ "وہ روح راستی۔ جو نقصان سے خالی ہے۔ وہ کامل تعلیم لائے گا۔ اور لوگوں کو نئی باتوں کی خبر دے گا۔ اس کا نام فارقلیط یعنی محمد یا احمد ہے۔ وہ فاران سے آئے گا"

اس کے متعلق جان ڈیون پورٹ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ فارقلیط جس کی خبر عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے انجیل یوحنا میں دی ہے۔ محمد (صلعم) ہیں۔ اور یہی بشارت موسیٰ کے مشابہ الیہ ہیں" لکھا ہے۔ کہ بحیرہ سے یہ معلوم کرکے آپ کے چچا نے آپ کی حفاظت کے متعلق خاص اہتمام کر دیا تھا۔ اور شاید آپ نے اسی بات متاثر ہوکر آپ کو بصرہ سے ہی واپس کر دیا تھا ؂

الغرض اس مختصر مگر نتیجہ خیز سفر سے خدائے تعالیٰ نے اپنے اس برگزیدہ بندہ کو جس سے وہ ایک ایسا اہم کام لینے والا تھا۔ جو نہ اس سے پیشتر کسی سے لیا گیا تھا۔ نہ آئندہ لیا جائے گا۔ اس اہم خدمت کے لئے تیار کرنے کی غرض سے باقی تمام اقوام عالم کے حالات و خصائص بھی مشاہدہ کرائے۔ تاکہ اس پیغمبر کا تجربہ اور مشاہدہ صرف عرب تک محدود نہ رہے۔ بلکہ آپ کے آئندہ ظہور میں آنے والی عالمگیر رسالت کی مانند عالمگیر ہو ؂

اس موقع پر ناظرین سوانح عمری کو یہ بتا دینا بے محل نہ ہوگا۔ کہ اس زمانہ میں شام کا وہ درجہ تھا۔ جو آج جزائر برطانیہ کا ہے۔ چنانچہ جسطرح آج یہ خطہ اہالیان ربع مسکوں کا مرجع بن رہا ہے۔ اور دنیا کا کوئی ایسا خطہ نہیں۔ کہ جہاں کے ارذل

سے لے کر اشرف ترین باشندوں کا نمونہ وہاں نہ ملے۔ بالکل یہی حالت اسوقت شام کی تھی +

اسوقت گویا شہر بصرہ جو حجاز میں واقع ہے۔ شام کا دروازہ تھا۔ جس میں یورپین تجار سے لے کر ترکستان۔ ہندوستان۔ اور چین تک کے تجار اور سیاحوں کا مجمع رہتا تھا +

پیغمبر کا میدان جنگ کا نظارہ کرنا

مصروشام سے واپس آنے کے چند روز بعد عرب کے قبائل قیس و کنانہ میں جنگ چھڑ گئی۔ یہ جنگ تاریخ عرب میں حرب الفجار کے نام سے موسوم و مشہور ہے۔ اس میں ابو طالب شریک ہوئے۔ جن کی معیت میں آنحضرت بھی موقعہ پر تشریف لائے۔ اور تماشائے جدال و قتال دیکھا۔ اسوقت سن مبارک چودہ سال کے قریب تھا۔ اور چونکہ قریش بنی کنانہ کے طرفدار تھے۔ اسی سے آنحضرت کے چچا ابو طالب اور دیگر سرداران قریش نے اس میں حصہ لیا تھا۔ شردھے پرکاش جی نے جو لکھا ہے۔ کہ یہ جنگ قریش اور ہوازن میں واقع ہوئی تھی۔ غالباً اُن کو مغالطہ ہوا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ چونکہ سرداران قریش اس جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ اس لئے آپ نے انھیں جنگ کا ایک فریق قرار دیا۔ حالانکہ سرداران قریش اصل فریق جنگ نہ تھے۔ بلکہ وہ ایک فریق جنگ (بنی کنانہ) کے دوست اور مددگار تھے۔ اور باہمی عہدنامہ کی رو سے ایسے موقع پر اُن کا مدد کرنا ضروری تھا +

آنحضرت کی عمر میں یہ پہلا موقع تھا۔ کہ آپنے ایک قوم کو دوسری قوم کے ہاتھوں تباہ ہوتے اور بنی آدم کو شمشیر و تبر سے مولی گاجر کی مانند کٹتے دیکھا۔ جس سے اگرچہ ایک جانب آپ کی شان رحمت للعالمینی۔ طبعی رحمدلی۔ حب قومی کو غیر معمولی ٹھیس لگی۔ تاہم دوسری جانب جناب کو نکات جنگ۔ فنون وغا اور طریق صف آرائی اور متعلقات جنگ کے معائنہ کا موقع ملا۔ اور یہ بھی حکمت خداوندی تھی۔ کیونکہ زمانہ خواہ کتنی ہی ترقی کرے۔ تہذیب و اخلاق خواہ کسی

معراج تک پہنچ جائے۔ مگر جب تک انسان کی یہ سرشت قایم ہے (اور غالباً آخر تک قایم رہے گی) جنگ بھی ضروریات زندگی میں سے ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اور ان کو اس سے مفر نہیں پھر یہ کس طرح ممکن تھا۔ کہ جناب باری ایک ایسے شخص کو جو عنقریب کامل رہبر کی حیثیت سے بنی نوع کی خدمت بجالانیوالا تھا۔ اس فن کے دیکھنے کا موقع دے کر اس سے مس پیدا نہ کرتا۔ مگر اس کے ساتھ اللہ العالمین کی حکمت بالغہ یہ تھی۔ کہ اس نے آنحضرت کے دل سے محبت اور ہمدردی کا پہلو بھی جدا نہ ہونے دیا ؛

اس زمانہ میں کہا جاتا ہے۔ کہ قومیں تہذیب و اخلاق میں ترقی کر رہی ہیں۔ سوال یہ ہے۔ کیا اس ترقی سے جنگ و جدال کا خاتمہ ہوگیا۔ یا کم از کم اس میں تنزل آگیا۔ آہ واقعات کو دیکھکر افسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ اخلاقی اور تہذیبی ترقی کے پہلو بہ پہلو قوموں کو تباہ کرنے اور بنی نوع انسان کا استیصال کرنے کا نیا نیا سامان ایجاد ہوتا ہے۔ اور خوفناک صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ چنانچہ تباہ کن کشتیاں پھٹنے والے بم کے گولے۔ فی منٹ کئی سو فیر کرنیوالی توپیں حتیٰ کہ ہوائی جہاز ایسے پراسن زمانہ کی جنگی ایجادیں ہیں۔ بہ آسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ ان کا وجود بنی آدم کے حق میں کس قدر مبارک ہو سکتا۔ اور ترقی تہذیب کی اشاعت میں کس قدر حصہ لے سکتا ہے ؛

اب آپ نے عالم شباب میں قدم رکھا۔ جن لوگوں کا آپ سے معاملہ پڑا اُن پر بخوبی ثابت ہوگیا۔ کہ آپ اعلےٰ اخلاق اور اعلےٰ ترین خصائل انسانی کے نمونہ ہیں۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ اس بیچارہ کا جسم مثل مجنوں کے کانپ رہا تھا۔ آپ نے اس کی تسکین تشفی فرمائی۔ اور فرمایا کہ تو جانتا ہے۔ کہ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ بلکہ قریش کی اس بیوہ کا لڑکا ہوں۔ جو خشک گوشت پر بسر کرتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی آنحضرت نے فرمایا۔ بیان کر نیری کیا حاجت ہے۔ اور جب اس نے اپنا مطلب

عرض کیا۔ تو آپ نے اُس کا سوال پورا کر دیا۔ اور حاضرین سے خطاب فرمایا کہ۔
"اے لوگو! تم تواضع اختیار کرو کوئی شخص کسی پر فوقیت نہ ڈھونڈے اور نہ فخر
کرے۔ کیونکہ تم سب خدا کے بندے ہو۔ پس باہم بھائی بھائی بن جاؤ"۔
یہ واقعہ شاید آپ کے منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد کا ہے۔ لیکن

قوم کی جانب سے خطاب الامین

ابتدائی زمانہ سے ہی آپ کے اوصاف حمیدہ اور اطوار پسندیدہ سے عرب کا دل مسخر ہو چکا تھا۔ اور حسن معاملات نے آپ کو آپ کے اہل شہر سے "الامین" اور "الصادق" کے خطاب دلائے تھے۔

بی بی خدیجہ

شرم و حیا۔ مروت معافی۔ درگزر۔ پاس مراتب۔ تواضع کے تو گویا آپ مجسم نمونہ تھے۔ بیس بائیس سال کی عمر میں آپ نے تجارت کی جانب خیال رجوع فرمایا۔ اور اسی تقریب سے آپ نے اطراف یمن میں کئی سفر کئے۔ جس سے معمولی فوائد کے علاوہ ایک بڑا فائدہ یہ ہوا۔ کہ لوگوں کے دل پر آپ کی نیک نیتی۔ راستبازی۔ اور صداقت کا غیر معمولی اثر پڑا جو مذکورہ بالا خطابات کی توثیق کا باعث ہوا۔ ان دنوں قبیلہ قریش میں ایک بیوہ مگر مالدار بی بی خدیجہ نامی تھیں۔ وہ اپنا سرمایہ تجارت پر لگانا چاہتی تھیں۔ پس جب انھوں نے آنحضرت کی دیانت و امانت کا ذکر سنا۔ تو آپ کو طلب فرما کر آمادہ کیا۔ کہ اس کے روپیہ سے مال خرید کر تجارت کریں۔ آپ نے اس بارہ میں اپنے بزرگ چچا ابوطالب سے مشورہ کیا۔ اور آخر آپ سامان سفر تیار کر کے جانب ساحل حجاز روانہ ہو گئے۔ اس مرتبہ بھی آپ نے بصرہ تک سفر کیا۔ اور تجارت میں اس قدر نفع حاصل کیا۔ کہ بی بی خدیجہ کو اتنا نفع کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ بی بی آپ کی خدمات سے بہت خوش ہوئیں۔ اور آپ کے حسب و نسب کی مزید تفتیش کر کے آپ کو پیغام نکاح دیا۔ بالآخر فریقین کی باہمی رضامندی سے شادی ہو گئی۔ دولہن نے حضرت کے قبیلہ کو

حضرت کا خدیجہ سے نکاح

عظیم الشان دعوت دی۔ اس وقت بی بی خدیجہؓ کی عمر چالیس کی اور حضرت کی پچیس سال کی تھی۔ حضرت خدیجہ پندرہ سولہ سال تک زندہ رہیں

اور اس زمانہ میں اطاعت گذار بیوی ثابت ہوئیں۔ ہر امر میں حضرت کی رضائے
خاطر مدنظر رکھی۔ شادی سے تھوڑے عرصہ بعد ہی حضرت کی رضاعی والدہ حلیمہ
تشریف لائیں۔ اور اپنی ناداری کا تذکرہ کیا۔ بی بی خدیجہ نے حضرت کے ایما سے ان
کو چالیس بھیڑیں عطا کیں جنہیں وہ لے کر دعائیں دیتی اپنے گاؤں کو واپس گئیں۔
حضرت کو بھی آپ سے خاص انسیت تھی جس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے
کہ جب تک آپ حیات رہیں۔ حضرت نے دوسرا نکاح نہیں کیا اور آپ کی ایثار
نفسی محبت اور وفاداری کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے۔ بلکہ ان سہاگن بی بی کی وفات
کے بعد بھی دفعتاً حضرت ان محبت کو فراموش نہ کر سکے۔ چنانچہ روایت میں وارد
ہے۔ کہ جب آنحضرت نے عائشہ رض بنت ابو بکر سے نکاح کیا (جس کی تفصیل
آیندہ آئے گی) تو اس کے کچھ عرصہ بعد جب آپ اپنی مرحومہ وفادار بیوی خدیجہ
کو یاد کر رہے تھے تو بی بی عائشہ نے متعجب ہو کر آپ سے سوال کیا "یا رسول
اللہ! کیا خدیجہ بوڑھی نہ تھیں۔ اور کیا اب اللہ نے آپ کو اس کا نعم البدل
ایک بہتر بیوی کی صورت میں نہیں دے دیا" آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ بیشک
مجھے نعم البدل مل گیا۔ لیکن آہ خدیجہ وہ بی بی تھی جس نے مجھ سے اس وقت شادی
کی جب میں بہ اسباب ظاہری امیر نہ تھا۔ اور جب سب لوگ مجھے جھوٹا کہتے
تھے۔ اس نے مجھے سچا سمجھا جب کل عرب میرے خلاف تھے۔ تو خدیجہ نے
میرا ساتھ دیا" پھر اس کی یاد دفعتاً کیونکر میرے دل سے فراموش ہو سکتی ہے +

حضرت خدیجہ سے اولاد

آنحضرت کے بی بی خدیجہ کے بطن سے پانچ اولاد ہوئیں۔
ایک لڑکا قاسم جو عہد [illegible] میں ہی ہم آغوش لحد ہوا۔ اور
چار لڑکیاں۔ رقیہ۔ زینب۔ فاطمہ۔ ام کلثوم + ان میں سے اول الذکر بی بی
حضرت عثمان رض ابن عفان خلیفہ ثالث سے منسوب ہوئیں۔ اور بی بی زینب
ابو العاص رض سے بیاہی گئیں۔ اسی طرح بی بی فاطمہ رض حضرت علی رض خلیفہ چہارم
کی چاہتی بیوی بنیں +

اب تک جو کچھ حالات معرض تحریر میں آئے۔ اگرچہ اُن میں سے بعض خاص اہمیت بھی رکھتے ہیں۔ اور اپنے ہیرو کو عمومیت کی زندگی سے ممتاز دکھاتے ہیں۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے۔ کہ وہ آیندہ بیان ہونیوالے حالات کے ساتھ مقابلہ کرنے سے جو آیندہ ابواب میں درج ہونگے۔ محض معمولی نظر آتے ہیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اگر وہ اہم معاملات پیش نہ آتے۔ تو ان ابتدائی حالات کی کچھ قعت نہ ہوتی بہرحال اب اہم معاملات کی تفصیل کا موقعہ آگیا ہے ٭

باب چہارم

ملک کی بدحالی پر توجہ دلانا

اب وہ وقت آگیا۔ کہ آنحضرت پورے طور پر بنی نوع انسان کی بہبودی کی جانب متوجہ ہو جائیں چنانچہ آپ نے اول اول اُن قبائل کے سرداروں اور سمجھدار لوگوں کو ملک کی عام ناگفتہ بہ حالت پر توجہ دلائی یدامنی۔ راستوں کی خطرناکی۔ ڈاکوؤں کی غارت گری۔ مسافروں کے لٹنے لٹانے غریبوں پر ظلم ہونے۔ ظالموں کی زیادتی۔ عورات کی کس مپرسی۔ اور خطرناک آزادی وغیرہ امور کو قابل اصلاح قرار دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی وقت ایک انجمن مرتب ہوئی۔ جس میں بنو ہاشم بنو المطلب۔ بنو زہرہ (حسب ونسب آنحضرتؐ) اور بنو سعد و بنو تمیم شامل تھے۔ اس جماعت کا نام ابو الفضول قرار پایا جس کی وجہ تسمیہ بظاہر تو یہی تھی۔ کہ اس میں فضل نام کے کئی ممبر شامل تھے۔ لیکن چونکہ یہ انجمن کام کچھ بھی نہ کر سکی۔ اور اتنا بھی نہ کر سکی جتنا آنحضرتؐ کی شخصیت نے بعد کے زمانے میں کیا۔ اور اپنے کارناموں سے دنیا کو دنگ بنایا۔ اور اس طرح اس انجمن کے بانیوں کے قول کے مطابق ابو الفضول یعنی کار فضول ثابت ہوئی۔ اسواسطے یہاں سے یہ نکتہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ کہ خدائے تعالےٰ کو یہ دکھانا

منظور تھا۔ کہ جو کام ایک جماعت نہیں کر سکتی۔ اگر میں چاہوں تو ایک بندہ واحد کے ہاتھ سے کرا سکتا ہوں +

اس انجمن نے اپنے مقاصد حسب ذیل قرار دئیے تھے :۔

انجمن الوالفضول

۱۔ یہ انجمن ملک سے بدچلنی اور بے امنی دور کرے گی +

۲۔ مسافروں کی حفاظت کرے گی +

۳۔ غریبوں کی امداد و حمایت کرے گی +

۴۔ ظالم کو مظلوم پر دست تظلم دراز کرنے سے روکے گی +

یہ انجمن اس زمانہ میں مترتب کی گئی تھی۔ جبکہ آنحضرت خلعت نبوت سے مشرف نہیں ہوئے تھے۔ اور اگرچہ یہ کچھ ایسی پھولی پھلی نہیں تاہم اس کا نام ضرور قایم رہا۔ چنانچہ خود آنحضرت اپنے زمانہ نبوت میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر اب بھی اس کے نام سے کوئی امداد طلب کرے۔ تو سب سے پہلے میں آگے ہوں گا۔ جن حضرات کی تاریخ انگلینڈ پر نظر ہے۔ ان کو یہ امر اسوقت فراموش نہ کر دینا چاہئے۔ کہ انگلستان میں نائٹ ہڈ کا آرڈر جس کے ممبر تقریباً اسی قسم کے اقرار کیا کرتے تھے۔ اس انجمن سے صدیوں بعد قایم ہوا +

اسی قسم کی آپ کی مکمل بھلائی کی ایک وہ تحریک اور کوشش تھی۔ جس میں آپنے نہایت پورانے عہد کو تروتازہ کر دیا۔ جس کی رو سے حرم کی چاردیواری کے اندر قتل کرنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ حتیٰ کہ کیسا ہی مجرم اگر اس کے اندر پناہ گیر ہو جاتا تو اس کے قتل کرنے کی کسی کو مجال نہ تھی۔ اب اس کی کسی قدر توسیع کی گئی۔ اور آپ کی سعی سے چار اور قبیلے بھی شامل ہو گئے +

نمک حرامی اور ملک کی حفاظت

ان ایام میں ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ عثمان ابن حارث نامی ایک عرب عیسائی ہو گیا۔ اور یونانیوں کے اثر میں آکر اس نے ایک ایسی انقلاب انگیز سازش کی۔ کہ اگر وہ پوری ہو جاتی۔ تو عرب کی قدیم آزادی کا جس پر عرب بڑا ناز کرتے ہیں۔ خون ہو جاتا۔ مگر خبر ہوگئی۔ اس

شخص کی قوم اور ملک فروشی کا راز طشت از بام ہوگیا ۔ اور وقت پر اطلاع ہوجانے سے ملک کو غیر ملک والوں کے ہاتھ سے بچانے کا انتظام ہوگیا۔ اس ملکی آزادی رکھنے میں آنحضرت نے جو کوشش کی وہ تاریخ عرب میں خاص اہمیت رکھتی ہے ۔ اور آپ کی عمر کا ایک ابتدائی مگر اہم کارنمایاں شمار ہوتا ہے +

ابن حارث کی حریفانہ کوشش کے بعد اہل مکہ میں ایک نیا جھگڑا اٹھا جسے اگر آنحضرت بخوش اسلوبی طے نہ کرتے ۔ تو شاید ایک ایسی جنگ چھڑ جاتی جس میں کئی قبیلے قتل و غارت ہوتے ۔ اور صدیوں تک نہ تھمتی ۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

اہل عرب کا قدیم معبد جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعمیر کیا تھا ۔ اور جو اب حرم کعبہ یا بیت اللہ کے نام سے موسوم ہے ۔ اور جو اپنی تعمیر کے زمانہ سے آج کے دن تک قابل احترام سمجھا جاتا رہا ہے ۔ بوجہ آتش زدگی اور سیلاب کے منہدم ہوگیا تھا ۔ اور اب اسے قریش از سر نو بنانا چاہتے تھے ۔ عمارت تو بن چکی تھی ۔ مگر سنگ اسود لگانا باقی تھا ۔ یہ وہ سیاہ پتھر تھا جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھ سے نصب کیا تھا ۔ اور اب عرب کا ہر ایک قبیلہ یہی کوشش کرتا تھا کہ اس پتھر کو نصب کرنے کی سعادت اور عزت اسی کو حاصل ہو ۔ یہی بناء مخاصمت تھی ۔ آخر بہت بڑے ردّ و کد کے بعد ابو امیہ بن مغیرہ کی تجویز سے یہ طے پایا ۔ کہ اگلے روز علی الصباح جو شخص سب سے پہلے اس راستہ سے آئے ۔ اسی کے حکم کے مطابق عمل کیا جائے +

پیغمبر بحیثیت منصف

اگلے روز سب سے پہلے حرم میں داخل ہونیوالے آنحضرت صلعم تھے ۔ آپ کو دیکھکر تمام حاضرین نے نعرۂ شادمانی بلند کیا ۔ اور متفق اللفظ ہوکر کہا " ہذا الامین رضینا یہ تو امین ہے ۔ ہم اس کے فیصلہ سے خوش ہونگے ، غرض معاملہ آپ کے ملے

اعتکاف

پیش ہوا۔ آپ نے غور کے بعد اپنی رائے کا اظہار اس طرح فرمایا۔ کہ سنگ اسود کو اول ایک چادر میں رکھا جائے۔ پھر اس چادر کو ہر قبیلہ کا سردار پکڑ کر اس مقام تک لے چلے جہاں کہ پتھر نصب کیا جاتا ہے۔ وہاں میں (حضرت) خاص موقع پر رکھدوں۔ اس فیصلہ سے تمام قبیلے خوش ہو گئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور ایک ایسا اہم معاملہ جو عرصہ سے طے ہونے میں نہ آتا تھا۔ آنحضرت صلعم کی رائے سے ذرا سی دیر میں فیصل ہو گیا۔

اس واقعہ سے بعض عیسائی مورخین حضرت پر (نعوذ باللہ) خود غرضی کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ اس کارروائی سے حضرت کا مقصد یہ تھا۔ کہ ان کے ہاتھ سے سنگ اسود نصب ہو۔ اس وقت سن شریف پینتیس سال کا تھا۔ لیکن معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ کہ ایسے معترض کا جہالت تعصب اس زمانہ کے اعراب سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ اسیواسطے یہ خود غرضانہ پہلو ان کو نظر آ گیا۔ اور اعراب کو نہ آیا۔ کاش یہ مہذب اور مساوات پسند دنیا کے ستارے ہمیں بتاتے۔ کہ آخر اس وقت اس قضیہ نامرضیہ کے فیصلہ کی اور کیا آسان صورت تھی۔ مگر اس کے جواب میں خاموش ہیں۔ سچ ہے۔ کہ اعتراض کر دینا آسان ہے۔ اور اس کو نباہنا مشکل ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت کی حرکات و سکنات میں غیر معمولی تغیر ہو رہا تھا۔ اگر وہ ایک وقت اپنے خدائے مطلق اور واحد کی عبادت میں مصروف پائے جاتے تھے۔ تو دوسرے وقت ضروری تھا۔ کہ اپنے ملک اور قوم کی اصلاح کی صورتوں پر غور فرمایا کرتے تھے۔ حضرت اپنی مختصر تاجرانہ سیاحتوں میں ملک کی حالت سے بالعموم باخبر ہو چکے تھے۔ آپ تنہائی پسند اور خلوت دوست ہو گئے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ ستو۔ یا خشک چھوارے اور پانی شہر سے لیجا کر آبادی سے دور غار حرا میں معتکف ہوتے۔ اور عبادت و مراقبہ فرماتے۔ اور جب تک آپ کا مختصر توشہ ختم نہ ہو جاتا۔ باہر تشریف نہ لاتے۔ اگر اثنا میں کوئی بھولا بھٹکا مسافر ادھر آ جاتا۔ تو ماحضر سے اس کی تواضع فرماتے۔ اور اہ

اعتکاف یا گوشہ نشینی

کی رہنمائی کرتے۔

زید کی آزادی

اس زمانہ میں عام قاعدہ تھا۔ اور عرصہ تک جاری رہا۔ کہ جو لوگ لڑائی میں گرفتار کیے جاتے تھے۔ انھیں غلام بنا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ایک شخص زید بن حارث گرفتار ہو کر بذریعہ بیع حضرت خدیجہ کے بھتیجے کے قبضہ میں آیا۔ مگر سعادتمند بھتیجے نے اسے پھوپھی کی خدمت میں پیش کیا۔ مگر آنحضرت کے دل میں ہمدردی انسانی کا جوش اٹھا۔ اور آپ نے زید کو اپنی بیوی سے لیکر آزاد کر دیا۔ اور کہدیا۔ کہ جہاں اس کا دل چاہے۔ جائے۔ انھیں ایام میں اس کا باپ حارث بھی فدیہ لے کر آگیا۔ تاکہ اسے رہا کرائے۔ کیونکہ اسے اس کی آزادی کی خبر نہ ملی تھی۔ جب آکر معلوم کیا۔ تو بیٹے کو آزاد پایا۔ بہت خوش ہوا۔ اور اپنے ہمراہ چلنے کو کہا۔ مگر زید تو آنحضرت کے اخلاق

غلام سے سلوک

حسنیٰ سے تسخیر ہو چکا تھا۔ باپ کے اصرار کے باوجود بھی وطن جانے سے انکار کر دیا۔ اور آنحضرت کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دی۔ آنحضرت نے زید کو نہ صرف نعمت آزادی سے مشرف فرمایا۔ بلکہ اس کے ساتھ غیر معمولی سلوک کیئے۔ ازانجملہ اس کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن زینب سے کرا دی۔ جو حسینہ و جمیلہ ہونے کے علاوہ عرب کے شریف و نجیب خاندان کی خاتون تھیں۔

اس سوانح عمری کے پڑھنے والوں کو یہاں یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ دنیا بھر میں غلامی اور بردہ فروشی کی رسم جاری تھی۔ اور اس سے بہت عرصہ بعد کہیں پندرہویں صدی میں جا کر یورپ میں غلاموں کو آزادی دی گئی۔ اسواسطے ایک غیر مسلم سوانح نگار کے اس قول میں ذرا مبالغہ نہیں۔ کہ اس واقعہ سے حضرت نے ہمدردی بنی نوع انسان کا ایک پورا پورا نمونہ نہ صرف اپنے اہل وطن بلکہ کل دنیا کو دکھایا۔

بعض لوگ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اس نے غلامی کے انسداد میں

نے دیا۔ بلکہ اس کی ترویج میں مددوی ہے۔کاش ایسے لوگوں کو یہ معلوم ہوتا۔
کہ اسلام میں غلام اور آقا میں کیا امتیاز تھا۔اوران کے حقوق وفرائض کیا مقرر تھے
فی الحقیقت اصلی مساوات اسوقت غلام اور آقا میں تھی۔اگر ایک اونٹ سواری
کے لئے ہوتا۔ تو اُسے آدھے راستہ آقا استعمال کرتا اور آدھے راستہ غلام۔اور
اگر ایک وقت غلام اونٹ کی مہار پکڑے ہے۔ تو دوسرے وقت آقا۔ یہ کہنے
کی باتیں نہیں۔ یہ ایسی تعلیم تھی کہ بائیں کلے پر کوئی تھپیڑ مارے۔ تو تم اپنا بھی آگے
کردو۔ جس پر کسی نے عمل نہ کیا۔ بلکہ اس کی ہر مسلمان عملاً پابندی کرتا تھا۔
خود حضرت عمرؓ خلیفہ سوم کو لوگوں نے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے دیکھا ہے
جبکہ اونٹ پر غلام سوار تھا۔کیا ایسی غلامی پر ہزار آزادیاں قربان نہیں ہوسکتی
اس زمانہ میں جو آزادی اور تہذیب کا زمانہ بتایا جاتا ہے۔ دیکھو مادہ پرستی
نے کیسی حد فاصل بنی نوع انسان کے درمیان قائم کردی ہے۔امرا چاہتے
ہیں کہ غربا محنت کریں پھٹے کپڑے پہنیں سوکھی روٹیاں کھائیں۔انکی راحت رسانی کیلئے اور وہ
بیٹھے دیکھا کریں۔انسوس کہ بالخصوص یورپ تہذیب ومساوات کے دعوے
کرتا ہوا ان حالات میں مبتلا ہے۔اگرچہ زبان سے آزادی، مساوات کے الفاظ
جاری ہیں۔لیکن عملاً کچھ بھی نہیں۔ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور اور کھانے
کے اور ہیں +

الغرض جب سن شریف چالیس سال کا ہوا۔ تو حضرت کی عابدانہ اور صوفیانہ
مصروفیت بہت زیادہ ہوئی۔اس زمانہ میں آپ اکثر خاموش۔متفکر اور اپنے ملک
وقوم کی حالت پر آبدیدہ دیکھے گئے۔ان دنوں آپ کا زیادہ وقت بارگاہ ایزدی
میں دعائیں اور التجائیں کرتے گزرتا تھا۔اسی اثنا میں وہ وقت آگیا۔ کہ حضرت
خلعت نبوت سے مشرف ہوئے۔انعام الہی کا دریا جوش میں آیا۔آپ نے
بعض غیر معمولی علامات دیکھیں۔اور غیب کی آوازیں سُنیں۔جن کے ذریعہ آپ کو
بشارت دی گئی۔کہ آپ عہدۂ نبوت پر منجانب اللہ مامور کئے گئے۔آپ کو

یقین ہو گیا۔ کہ خدا نے ارض و سماوات اپنی وہ امانت جو اس سے پیشتر ابراہیمؑ،
موسیٰؑ، عیسیٰؑ کے سپرد کی جا چکی تھی۔ اب آپ کے سپرد کر رہا ہے۔ اسوقت اہل
عرب جس ذلیل حالت میں مبتلا تھے۔ اس نے اور بھی آپ کو اس کا یقین
دلایا تھا۔ کیونکہ یہ امر یقینی ہے۔ کہ جب کسی قوم کی ذلت آخر درجہ تک پہونچ جاتی
ہے۔ تو ان کی رہبری کے لئے آخر کوئی پیغمبر مامور کیا جاتا ہے۔ علاوہ بریں خود
حضرت کے حالات یہ تھے۔ کہ اکثر خواب و بیداری میں غیبی آوازیں سُنا کرتے اور
دونوں حالتوں میں غیر معمولی مشاہدات اور رویائے صادقہ ملاحظہ فرمایا
کرتے۔ آپ کے خواب بالکل سچے نکلتے۔ آخر سن مبارک کے چالیسویں سال
کے اختتام پر ایک روز جبکہ آپ غار حرا میں تشریف رکھتے تھے۔ اور مراقبہ
مجاہدہ میں مصروف تھے۔ گوش مبارک میں صدا آئی۔ کہ کوئی کہتا ہے۔ کہ اے
محمدؐ پڑھ۔ جس کا آپ نے جواب دیا۔ کہ میں ناخواندہ ہوں کس طرح پڑھوں
پھر آواز آئی پڑھ خدا کے نام سے یعنی سورہ اقراء آپ پر نازل ہوئی۔

ابتدائے وحی

اِقرأ باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم۔ علم الانسان مالم یعلم۔

پڑھ! بہ نام خدائے تعالےٰ خالق۔ جس نے پیدا کیا انسان کو پانی کے کیڑے سے۔ پڑھ! اور تیرا پروردگار کریم ہے۔ جس نے علم دیا۔ قلم کے ذریعہ سے۔ اور سکھائیں انسان کو وہ باتیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔

یعنی یہ وہ تعلیم تھی جو سب سے پہلے آنحضرتؐ کو بحیثیت پیغمبر درگاہ ایزدی
سے دی گئی۔ اس جگہ یہ بتا دینا بھی غیر ضروری نہ ہوگا کہ ان چند آیات سے
کیا مطلب ہم معمولی سمجھ کے انسان اخذ کر سکتے ہیں کیونکہ اس سے کسی قدر
مشتے نمونہ از خروارے اندازہ اسباق کا بھی ہو جائے گا۔ کہ اس مہر نبوت نے اس
سے کیا کیا حکم اخذ کئے ہونگے۔ اگرچہ اس قسم کا اندازہ چہ نسبت خاک را با عالم
پاک کا مصداق ہوگا۔

۱۔ ہر کام ہر بات خدا کے نام سے شروع کرو یعنی بسم اللہ پڑھ کر۔

۲۔ انسان کو خدا نے پیدا کیا ہے۔
۳۔ پانی کے کیڑوں (منی کے اجرام) سے انسان کی پیدائش ہے۔
۴۔ علم خدائے قادر کی طرف سے انسان کو عطا ہوا۔ قلم کے ذریعہ سے
۵۔ نامعلوم باتیں انسان کو خدا نے ہی سکھائیں۔

ان مطالب کا اگر خلاصہ کیا جائے۔ یا یوں کہو کہ نتیجہ کا استنباط کیا جائے۔ تو صرف دو باتیں رہ جاتی ہیں۔ اوّل خدائے تعالےٰ کی وحدانیت اور عظمت کی تعلیم دوم علوم کی اہمیت +

یہاں ہمیں یہ بات فراموش نہ کر لی چاہئے۔ کہ اگرچہ پیغمبر اسلام خود اُمی تھے۔ لیکن با ایں ہمہ اسلام تعلیم کا بقدر مؤید ہے۔ کہ اس کے احکام اولین میں ہی اس کا ذکر آیا ہے۔ اور علم کو خدا کی عظمت کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔ اور اُسے خدا کی جانب منسوب کیا ہے۔ مذکورہ بالا عبارت پانچ آیات ہیں سورہ علق کی۔ یہ الہامی کتاب یعنی قرآن شریف کا سب سے پہلا حصہ ہے۔ جو آنحضرتؐ پر نازل ہوا۔ اور جو حضور کے دل میں القا ہوا یا بقول دیگر حضرت جبرئیل کے ذریعہ آپ تک پہنچا۔ الغرض جب حضرت کو غار حرا میں یہ غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ تو آپ اپنے مکان کو تشریف لے گئے۔ اور اپنی بیوی خدیجہؓ سے اس واقعہ کا اظہار کیا۔ انھوں نے حضرت کو مبارکباد دی۔ کہ آپ بیشک پیغمبر مامور من اللہ ہیں۔ اور میں آپ پر ایمان لائی۔ چنانچہ آپ نے اس روز سے بالکل بت پرستی ترک کر دی۔ اور اس طرح آپ سب سے پہلی مسلمان شمار ہوتی ہیں۔ کیونکہ سب سے پہلے آپ ہی نے خدائے تعالےٰ کی وحدت اور آنحضرؐ کی رسالت کو قبول و تسلیم کیا +

نبوت کی تصدیق گھر سے

حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے آنحضرتؐ کو مبارکباد دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ میں دیکھتی رہی ہوں۔ کہ جناب اعزا و اقربا پر شفقت فرماتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ ہر معاملہ میں دیانت کو کام فرماتے ہیں۔ یتیموں۔ بیواؤں اور محتاجوں کی امداد کرتے اور مہمان نوازی کو کام میں لاتے ہیں۔ اس واسطے میں سمجھتی

ہوں۔ کہ خدا ئے تعالیٰ نے آپ کی ان نیکیوں کا صلہ نبوت کی صورت میں عطا فرمایا ہے۔ اس موقع پر ہمیں یہ بات نظر انداز نہ کردینی چاہیئے۔ کہ آج کل کے سوشل لیڈروں اور واعظوں کی تعلیم گو باہر کتنی ہی شرف قبولیت رکھتی ہو۔ لیکن دیکھا گیا ہے۔ کہ فاضل سے فاضل اور نیک سے نیک بزرگ شخص بھی اپنی بیویوں سے معمولی رسوم بدعات سالہا سال کی متواتر کوششوں کے باوجود بھی نہیں چھڑا سکتے۔ گھر کے آدمی راز سے واقف ہوتے ہیں۔ فریب نہیں کھا سکتے۔ مگر اس کے برخلاف رسول اکرمؐ کے حرم محترم مذہب اور دین ایسے معاملہ میں جلد ایمان لے آئیں اور اپنے قدیم مذہب بت پرستی سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو جاتی ہیں۔ پس اگر یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک عیسائی کی شہادت

جان ڈیون پورٹ تحریر کرتے ہیں کہ "یہ بات آپ کی صاف باطنی پر دال ہے۔ کہ سب سے پہلے جو لوگ ایمان لائے وہ آپ کے دوست اور اہل خاندان تھے جو آپ کے عادات سے خوب واقف تھے اگر (معاذ اللہ) آپ فریبی یا ریاکار ہوتے۔ تو یہ لوگ ہرگز آپ کی تعلیم قبول نہ کرتے بلکہ ان پر سب فریب ظاہر ہو جاتے۔ درحقیقت یہ بات کبھی ثابت نہیں ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ترویج شریعت یا اثبات دعوے نبوت کے لئے مکر اور حیلے کئے۔ یا جھوٹے معجزے دکھلائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "مجھے اس میں شک نہیں ہے۔ کہ اس شخص سے جس کے آنے کی خبر اپنے بھائیوں میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دی ہے۔ اور فارقلیط جس کی خبر عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے انجیل یوحنا میں دی ہے۔ محمد (صلعم) صاحب ہی مراد ہیں"

بی بی خدیجہ حضرت کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں یہ شخص عیسائی مذہب کا پیرو تھا۔ اس وقت یہ مذہب جزیرہ نما عرب میں آچکا تھا۔ اور یہ نتیجہ ان کوششوں کا تھا۔ جو نجاشی شاہ حبش اور قیصر روم اپنے اپنے طور پر اشاعت مذہب عیسوی میں کر رہے تھے۔

ورقہ بن نوفل۔ عثمان بن حرث۔ عبید۔ زید بن عمرؓ وغیرہم عرب کے ان مشہور

قدیم عیسائیوں میں سے ہیں جنھوں نے علماء یہود و نصاریٰ سے بہت سی معلومات کا استفادہ کیا۔ عبرانی زبان حاصل کرکے توراۃ۔ زبور۔ انجیل کا مطالعہ کیا۔ اور ان کتابوں کو پڑھ کر یہ لوگ اس نتیجہ پر پہنچے تھے

ورقہ بن نوفل کی تصدیق نبوت

کہ عرب میں عنقریب ایک رسول پیدا ہونیوالا ہے۔ غرض جب بی بی خدیجہ نے حضرت کے مذکورہ بالا واقعہ کو اس کے سامنے بیان کیا۔ تو اس نے آپ کو بشارت دی۔ اور نبوت کی تصدیق کی۔ اور ایمان لے آیا۔

دیگر لوگ ایمان لاتے ہیں

علاوہ ازیں اسی روز آپکے چچازاد بھائی علی ابن ابی طالب جن کی عمر اسوقت دس سال سے زائد نہ تھی۔ اور حضرت کے رفیق جناب ابوبکر صدیق اور زید ابن حارث (جن کو حضرت نے آزاد کیا تھا) وغیرہم ایمان لائے۔ ایسے اشخاص کا فوراً ایمان لے آنا جو جناب کی ذرا ذرا سی حرکات و سکنات سے واقف تھے۔ اور جن کی مالی دماغی اور قابلیت کے جوہر روزانہ ماجدین دنیا نے دیکھے۔ نبی کی اعلےٰ صداقت اور راستبازی کی قوی دلیل ہیں۔ ایسے اہم واقعہ کی نظیر نہ گذشتہ زمانہ کی تاریخ میں ملتی ہے۔ اور نہ آئندہ زمانہ میں اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ انگریزی مثل ہے۔ کہ کوئی شخص اپنے راز دار نوکر کے روبرو تقدس مآبی کا جھوٹا دعوےٰ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ نیک سے نیک دنیا دار لوگوں کے اندرونی حالات میں بھی کچھ نہ کچھ کمزوریاں ضرور ہوتی ہیں جن کا علم کل دنیا سے مخفی رہے۔ مگر راز دار ملازم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

ع مثل ہے پیٹ کہیں چھپ سکا ہے دائی سے

آنحضرت صلعم کی سابقہ زندگی کی جسمانی اور دماغی صحت باہمی معاملہ خیالات و جذبات افعال و اقوال ظاہر و باطن کے ہر طرح سے نہ صرف محض بے داغ بلکہ اخلاقی لحاظ سے نہایت ہی اعلےٰ۔ ارفع۔ پاکیزہ اور قابل اعتماد ہونے کا بہ گویا ناقابل تردید ثبوت تھا۔ جسے کل دنیا کے روبرو پیش کیا گیا۔ اور بآواز بلند کہہ دیا گیا۔ کہ اگر دنیا کوئی اور ایسا فرد پیش کرسکتی ہے۔ تو کرے۔ مگر وہ ہرگز نہ کرسکے گی۔

دوسری جانب یہ واقعہ آنحضرت صلعم کو (جن کو یہ خدمت منجانب اللہ سپرد ہوئی تھی) اس کے منجانب اللہ ہونے اور اس کی تکمیل میں قدرت کے تائید کرنے کا یقین موثر اور مستحکم ترین شہادت کا حکم رکھتا تھا۔ اور اچھا خاصا معجزہ تھا۔ کیونکہ اگر دنیا میں آج بھی کسی شخص کو یہ منصب عطا ہو اور اس کی بیوی، اور فرزند صفت بھائی اور اس کا راز دار دوست اور اس کا سب سے پرانا ملازم دل وجان سے اس پر نثار ہوں۔ اور اس کی ہر بات پر یقین رکھتے اور ہر امر میں اس کی رضامندی کے جویا ہوں۔ تو وہ باقی دنیا کی مخالفت کی پرواہ نہ کرے۔ اور محض بشری طاقت کے مطابق کام کرتے رہنے سے ہی اتنے کارنامے تو ضرور چھوڑ جائے جو مدت تک یاد گار رہیں۔ لیکن حضور کے زندہ جاوید معجزات، اور ان کے پیغمبر برحق اور کامل ترین رہنمائے بنی آدم ہونے کے ثبوت میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ جہاں تک تاریخ عالم پتہ دے سکتی ہے۔ آجتک سوائے ذات ستودہ صفات کے کسی فرد بشر کو یہ امید نصیب نہیں ہوئی۔

چند روز بعد بلالؓ۔ عمر بن عتبہ۔ خالد بن سعد بن عاص مسلمان ہوئے۔ ان دنوں حضرت کا معمول تھا۔ کہ حضرت خدیجہ اور حضرت علی کو ہمراہ لے کر مکہ کے قریب کے پہاڑوں میں تشریف لے جاتے اور عبادت الٰہی میں مشغول ہوتے۔ ایک بار عین

دلیری اور زور صداقت

اسی حالت میں ابوطالب علیؓ کے والد وہاں آپہنچے اور حضرت سے مخاطب ہو کر دریافت کیا۔ کہ اے میرے بھتیجے! تیرا کیا مذہب ہے۔ آپنے فوراً دلیرانہ مگر ادب سے فرمایا۔ کہ یہ مذہب خدائے تعالےٰ کا ہے۔ اس کے فرشتوں کا، اس کے پیغمبروں کا، اور ہمارے دادا ابراہیم کا مجھے خدا نے اسی واسطے بھیجا ہے۔ کہ میں اس کے بندوں کو جو راہ راست سے پھر گئے ہیں۔ صراط مستقیم پر لاؤں۔ پس میں آپ کو بھی اس دین مبین کی دعوت دیتا ہوں اور مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ آپ بھی اسے اختیار فرمائیں۔ اور اس کی اشاعت میں سعی کریں"۔

ابوطالب نے کہا میں اپنے اباؤ اجداد کا دین چھوڑنا نہیں چاہتا مگر خدا کی قسم اپنی زندگی بھر تمہاری مدد کروں گا۔ جب ابوطالب نے علی سے یہی سوال کیا تو آپ نے بھی یہی جواب دیا۔ کہ میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا ہوں۔ اور پیغمبر کا ساتھ دونگا۔ اس کے جواب میں ابوطالب نے خوش ہو کر کہا بہتر ہے تم ان کے ساتھ رہو۔ وہ امر حق میں تمہاری رہنمائی کریں گے ؛

مومنین

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد زید (آزاد) اور حضرت ابوبکر گروہ مومنین میں شامل ہوئے حضرت ابوبکر ایک دولتمند تاجر تھے چنانچہ آپ کی بزازی کی دوکان کو شہر مکہ میں خوب فروغ حاصل تھا۔ اس لئے آپ کا رابطۂ اتحاد بہت لوگوں سے تھا یہی وجہ تھی۔ کہ آپ کی محض معمولی تحریک بلکہ اطلاع سے ہی کئی شخص مثلاً حضرت عثمان غنیؓ زبیر۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ طلحہؓ۔ سعدؓ بن ابی وقاص اسلام لائے۔ پھر چند روز بعد ہی ابوعبیدہ۔ عامر بن عبدالرحمن بن جراح۔ عبدالاسد بن ہلال۔ عثمان بن مظعون۔ قدامہ سعید بن زید۔ عمار یاسر عمیرؓ۔ جعفر بن ابی طالب عامر بن فہیرہ۔ ابوحذیفہ بن علیبہ سائب بن عثمانؓ بن مظعون۔ اور ارقم مسلمان ہوئے۔ علیٰ ہذا القیاس مستورات میں سے بی بی خدیجہؓ کے بعد اُم الفضلؓ (چچی رسول مقبولؐ) زوجہ حضرت عباسؓ اسماء (زوجہ جعفرؓ) اسماء

مومنات

بنت ابوبکرؓ، فاطمہ (خواہر عمر فاروق) حضرت پر ایمان لائیں ؛

آنحضرت اپنے وعظ میں علی العموم امورات ذیل ملحوظ رکھا کرتے تھے۔

۱۔ خداوند تعالےٰ کی وحدانیت۔ یکتائی۔ رحیمی کریمی۔ ربوبیت۔ کبریائی۔ جلال اور عظمت لوگوں کے ذہن نشین کرنا ؛

۲۔ خدا کے نافرمانوں اور سرکشوں کو ان کی شرمناک حالت کا نقشہ دکھا کر خطرہ سے آگاہ کرنا۔ اور نتیجہ سے مطلع کرنا ؛

۳۔ عوام الناس کو باطل پرستیوں۔ بداعتقادی اور اعمال ذمیمہ سے باز رکھنے کی نصیحت کرنا

۴۔ پاکیزگی۔ صفائی۔ پاکدامنی ظاہری و باطنی کی خوبیاں ذہن نشین کر کے ان کی

جانب رغبت دلانا +

۵ - تعلیم دین بلا معاوضہ دینا کسی سے کوئی امید نہ رکھنا۔ نہ کسی پر کسی طرح احسان جتانا

۶ - لوگوں کو پتھروں - درختوں - چاند سورج - دیوتاؤں اور درسنتوں کی عبادت سے باز رکھنا اور خدا کی جانب رجوع کرنا +

علانیہ تبلیغ

الغرض اس طرح آنحضرت لوگوں کو خاموشی کیساتھ دین حقانی کی طرف مائل کرتے رہے۔ اور تین سال کے عرصہ میں ان موحدین کی خاصی جماعت ہو گئی - اب آپ کو جبکہ سن شریف تینتالیس سال سے تجاوز کرنے والا تھا - درگاہ خداوندی سے حکم ہوا کہ علی الاعلان تبلیغ فرمائیں - چنانچہ اس بندۂ حکم نے جس نے اپنے حق میں صرف یہی دو لفظ کہے تھے عبدہٗ رسولہٗ میں خدا کا بندہ ہوں اور قاصد اور بس" اب کھلم کھلا دین کی منادی شروع کردی - آپنے اپنے تمام قبیلہ کو اپنے گھر مدعو کیا - اور دعوت اسلام دی بس اب کیا تھا لوگ بہت بگڑے - اور ناراض ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے - افسوس اس تاریکی - بت پرستی اور جہالت کے زمانہ میں دعوت حق کا ایسا الٹا اثر ہوا کہ جس کی انتہا نہیں - سب لوگ آپ کی جانب سے ایک قسم کی کدورت اپنے دل میں لے کر واپس گئے - اور اسی روز سے آنحضرت کی مخالفت اور مومنین کے مصائب کا دروازہ کھل گیا +

مکہ بھر میں واقعہ مذکور کا چرچا ہونے لگا - اور خوب خوب حاشیے چڑھائے گئے۔ آپ کے چچا ابو طالب کے طرز عمل پر مضحکہ اڑایا گیا - اور خوب کھلے دل سے طعن و تشنیع کی گئی - مگر ان حرکات سے جناب رسالت مآب کا قدم استقلال ذرہ برابر پیچھے نہ ہٹا - بلکہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا رہا - چنانچہ اس کے بعد آپ سر راہ وعظ و نصیحت کرتے دیکھے گئے - علانیہ بت پرستی اور دیگر باطل پرستیوں کی مخالفت کرتے پائے گئے - بھلا اس شیفتہ حق کی خدائی آواز کو کون دبا سکتا تھا - یہ سب کچھ تھا - مگر اعراب مکہ پر خصوصاً قبیلہ قریش پر اس کا الٹا ہی اثر

پڑتا تھا۔ اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کا مصداق تھا۔

نور صداقت

ایک روز قریش کے چند سرگروہ جمع ہو کر آپ کے عم بزرگوار ابوطالب کے پاس گئے۔ اور آپ کی عجیب طرح شکایت کی۔ کہا کہ ہم کو صرف آپ کا منہ ہے۔ ورنہ اس عقل سے بیگانہ اور عجیب قسم کے دیوانہ (خاکش بدہن) کو اس کی حرکات کا وہ مزا چکھاتے۔ کہ وہ یاد ہی رکھتا۔ اس کا جواب جناب ابوطالب نے صرف خاموشی سے دینا چاہا۔ مگر ان لوگوں نے اصرار کر کے کہا۔ کہ اگر آپ اس کی مدد پر ہیں۔ تو آئیے ہمارا آپ کا فیصلہ تلوار کردے گی۔ ہمیں گوئے و ہمیں میداں۔ مگر انھوں نے اب بھی طرح دیدی۔ تاہم ان کے دل پر ایک دوسری قسم کا اثر ہوا۔ چنانچہ اس سے متاثر ہو کر حضرت سے فرمایا۔ بیٹا! مناسب ہوگا کہ تم اس کام کو چھوڑ دو۔ مگر جناب رسالت مآب نے نہایت متانت اور نہایت استقلال سے دلیرانہ جواب دیا۔ کہ خواہ کچھ ہو جائے۔ جب تک میں زندہ ہوں یہ ناممکن ہے۔ اگر تو سورج کو میرے دائیں اور چاند کو بائیں طرف رکھ دے۔ اور مجھ کو اس کام سے روکنا چاہے۔ تو میں نہیں رک سکتا۔ حتیٰ کہ صدق ظاہر نہ ہو یا میں خود فنا نہ ہو جاؤں۔ یہ کہتے کہتے آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ اور آبدیدہ ہو کر اس مقام سے چلے گئے۔ مگر صداقت کا خنجر دل پر چرکا لگاتا ہے۔ اور

استقامت

استقلال کا تیر پتھر کو توڑ کر نکلتا ہے۔ ابوطالب بھی اس سے نہ بچے۔ آنکا دل بھی بھر آیا۔ اور انھوں نے آنحضرت کو واپس بلایا۔ جب آپ تشریف لائے تو فرمایا۔ بیٹا! تم مایوس نہ ہو۔ میں تمہاری امداد پر ہوں۔ اور جو تمہاری مرضی ہو کرو۔" آنحضرت مثل سابق کے وعظ و نصیحت میں مصروف رہتے۔ بت پرستی کی برائیاں کھول کھول کر لوگوں کو بتاتے رہے۔ مگر جہالت کا برا ہو کہ لوگوں کو آپ کی بھلائی۔ برائی ہی نظر آئی۔ اور وہ زیادہ مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ سچ ہے کہ جہالت اور ضد بعض اوقات حق پر غالب آجاتی ہے۔ تاہم آنحضرت کو کوئی صریح نقصان نہ پہنچا سکے۔ کیونکہ قریش ابوطالب اور دیگر رشتہ داروں

کے خوف یا عزیزداری کے تعلق سے کچھ معذور سے ہو رہے تھے۔ مگر اب دوسری قسم کی منصوبہ بازیاں کرنے لگے۔ اور گڑ سے مرے تو زہر کیوں دے کے مصداق لالچ دیکر کام نکالنے کی ٹھانی چنانچہ اپنے ایک معتمد خاص کو آنحضرت کی خدمت میں بھیجا۔ اور اس زبان دراز اور فدا سفر قاصد نے جناب رسالت مآب سے عرض کیا اور میں قبیلہ قریش کے قایم مقام کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اور انکی جانب سے آپ کے پاس پیغام لایا ہوں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ آپ ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ لیکن آپ کے اس نئے اور عجیب طرز عمل نے ہم میں نفاق ڈالدیا ہے۔ آپ ہمارے معبودوں کو برا کہتے اور انکا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ کا خطاب دیتے ہیں۔ یہ سب نامناسب حرکات ہیں۔ اور اس سے تقریباً تمام قریش برافروختہ ہیں میں آپسے ایک درخواست کرتا ہوں۔ آپ اسے غور سے سنیں۔ اور وہ یقیناً قابل پسندیدگی ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ قاصد نے کہا یہ اگر اس طرز عمل سے آپکی غرض و غایت محض مال و دولت کی فراہمی اور حصول جاہ و حشمت ہے۔ تو ہم سب ملکر آپکو اسقدر سیم و زر جمع کئے دیتے ہیں۔ کہ آپ عرب کے بڑے سے بڑے امیر سے دولتمندی میں بڑھ جائیں۔ اگر آپ چاہیں۔ تو ہم آپکو نہ صرف اپنا امیر اور سردار بلکہ تمام ملک عرب کا بادشاہ بنا کر تخت پر بٹھانے اور تاج پہنانے کیلئے طیار ہیں۔ اور عہد کرتے ہیں۔ کہ آپکی مرضی اور ایماء کے بغیر کوئی کام نکرینگے۔ بلکہ ہمیشہ جان و دل سے آپکی اطاعت کرینگے۔ اور اگر آپکو اپنی ہمبستری اور موانست کیلئے کسی خوبصورت عورت کی ضرورت ہے تو ہم زنان عرب میں سب سے حسین و جمیل عورت جسے آپ پسند کریں آپ کیلئے حاضر کر دیں (کیونکہ ان پست نظر لوگوں کے خیال میں انسانی زندگی کا مقصد صرف انہی تین خواہشوں پر محدود تھا) اگر اتنی باتیں آپکی تسکین نہیں کر سکتیں۔ تو ہم سمجھتے ہیں۔ کہ آپ کے سر پر کوئی بھوت یا جن سوار ہے۔ اور اس کی ہم آپ سے اجازت چاہتے ہیں۔ کہ ہم کاہنوں کو بلائیں۔ تاکہ وہ تدابیر کر کے

سبز باغ دکھلائے جاتے ہیں ؟

آپ کو تندرست کریں۔ اخراجات کے ہم کفیل ہونگے"

آنحضرت بغور قاصد کی تقریر سنتے رہے۔ اور جب سلسلہ کلام ختم ہوا۔ تو جناب نے کلام مجید کی چند آیات جو آئی تلاوت فرمائیں

الذی کفروا وصدوا عن سبیل اللہ اضل اعمالہم۔ والذین آمنوا وعملوا الصلحت وآمنوا بما نزل علی محمد وہو الحق من ربہم کفر عنہم سیاتہم واصلح بالہم ذالک بان الذین کفروا اتبعوا الباطل وان الذین آمنوا اتبعوا الحق من ربہم کذالک یضرب اللہ للناس امثالہم	جو لوگ انکار کرتے ہیں، اور اللہ کی راہ میں روک ڈالتے ہیں اُنکے اعمال بیکار ہوجائیں گے۔ اور اُنکے مقابل جو صداقتیں مان کر نیک اعمال کرتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں اُس پر جو اُتارا گیا محمد پر اور وہی حق صحیح ہے۔ اور رب العالمین کی جانب اُنکے حالات بھی اچھے ہوجائینگے اور انکی برائیاں بھی ان سے دور ہوجائیں گی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ منکر امور باطلہ کے پیچھے جارہے ہیں۔ اور ماننے والوں نے اس صداقت کو قبول کیا جو رب کیطرف سے آئی ہے خدا تعالیٰ اسطرح مثالیں دیکر لوگوں کو سمجھاتا ہے

یہ جواب ایسا نہ تھا۔ کہ قریشی قاصد کے دل پر اثر نہ کرتا۔ غالباً جب وہ اس خدمت کے لیے انتخاب کیا گیا ہوگا۔ تو سب لوگوں کو اور خود اسے اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز ہوگا۔ لیکن خدائی کلام کے اثر اور زور نے اس کا ناطقہ بند کردیا۔ وہ زبان سے ایک لفظ کہے بغیر چلدیا۔ اور قریش کے پاس واپس آکر جو گذری تھی وہ سنائی۔ اور اس طرح آنحضرت کے دشمنوں کا یہ منصوبہ بھی ناکام ہی ثابت ہوا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اُس بزرگ صداقت مآب کی جو صرف یہ کہتا تھا۔ کہ مخلوق کو نہ پوجو۔ بلکہ واحد خدا کی پرستش کرو مخالفت بڑھ گئی۔ تقریباً تمام قوم کے دل جوش سے پر ہوگئے

آخر قوم کے سربرآوردہ لوگ جمع ہوئے۔ انھوں نے خوب خوب کمیٹیاں کیں۔ اور آنحضرت کی مخالفت کی عجیب وغریب رائیں پیش کیں۔ اور بتایا کہ کون کون سے طریقہ سے آنحضرت کی آواز کو پست کیا جائے۔ اور اس

آواز کی تاثیر کے منتر سے لوگوں کو محفوظ رکھا جائے بالاخر بہت رد و قدح کے بعد حسب ذیل دو تجاویز منظور ہوئیں

مومنین کی مخالفت باقاعدہ ہوتی ہے

۱ جس کسی سے ہوسکے وہ محمدؐ کی ہر ممکن طریقہ سے تذلیل کرے مضحکہ اڑائے۔ دق کرے۔ تنگ کرے اور تکلیف پہنچائے

۲ جو اور شخص اس کا مذہب قبول کرے۔ اُسے اسقدر ایذائیں اور تکالیف دی جائیں۔ کہ یا تو وہ (۱) یہاں سے کہیں چلا جائے یا (۲) مرجائے۔ یا (۳) اُس نئے مذہب سے دست بردار ہوجائے +

مذکورہ بالا تجاویز پر بڑی سختی سے عمل درآمد شروع ہوا۔ تمام قریش آنحضرت اور ان لوگوں کو جو مسلمان ہوگئے تھے۔ بے انتہا تکالیف دینے اور تشدد کرنے لگے۔ حتی کہ عزیز اور یگانوں نے بھی آنکھ پھرانی شروع کی بلکہ خون کے پیاسے بن گئے۔ غیر کا ذکر کیا خود حضرت کا حقیقی چچا ابولہب حضرت کے قتل کو تیار تھا اس کی بیوی (حضرت کی چچی) کی یہ کیفیت تھی کہ درختوں کے کانٹے اور گوکھرو۔ جنگل سے جمع کرکے لاتی اور جس راستہ سے حضرت کو گذرنے والا سمجھتی وہاں ڈال دیتی۔ حضرت کے پاؤں زخمی ہوجاتے تو آپ صبر کے ساتھ راستہ کے ایک کنارہ بیٹھکر پاؤں سے کانٹے نکالتے اور انھیں راستے سے جدا کردیتے۔ تاکہ اور لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ اس مجسم رحم دل انسان کو جو صداقت کا اوتار تھا اور خیر خواہ بنی نوع انسان اس کے یگانوں نے کیا کیا تکالیف نہ پہنچائیں +

اسی طرح جب آپ وعظ شروع کرتے اور کلام پاک لوگوں کو سنانا چاہتے تو اشرار نہایت شور و غوغا مچاتے۔ تاکہ لوگ کچھ نہ سن سکیں۔ اور اس قدر تنگ کرتے اور اذیت پہنچاتے کہ آخر آپ کو وہاں سے چلا جانا پڑتا۔ مگر ظالموں کے ہاتھ سے اب بھی رہائی نہ ہوتی۔ اور وہ ازلی بدبخت کنکروں پتھروں سے اس مقدس انسان کی تواضع کرتے۔ کہ جسم مبارک سے خون بہ نکلتا +

ایک بار چند لوگوں نے آپ کو تنہا پاکر پکڑ لیا۔ اور گلوئے مبارک میں

مسلمانوں کو ایذائیں دی جاتی ہیں +

پٹکا ڈالکر اُسے مروڑنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ آنحضرت کا دم گھٹنے لگا مگر اتفاقیہ حضرت ابوبکرؓ ادھر جا نکلے اور آپ نے آنحضرت کو بمشکل دشمنوں کے نرغہ سے چھڑا لیا۔ حضرت کو تو چھڑا دیا لیکن خود پھنس گئے۔ لوگوں نے آپ کو اس قدر زد و کوب کیا کہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ لوگ ان کو مردہ سمجھکر چھوڑکر چلے گئے۔ کئی گھنٹہ بعد ان کو ہوش آیا تو اٹھ کر گھر آ گئے۔ آہ۔ یہ ان کو اس گناہ کی سزا ملی ہے صرف اس کی کہ انھوں نے ایک صداقت کے فرشتہ کو کیوں مصیبت سے بچایا +

اب قریش کے جوش غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اب وہ بد تریں حرکات پر اتر آئے تھے۔ حضرت اور ان کے رفیق مومنوں کے لئے نئے نئے ظلم ایجاد کرتے تھے آنحضرت نہایت صبر و تحمل کے ساتھ اپنے بیگانوں کے ظلموں کو سہتے تھے اور اُف تک نہ کرتے تھے۔ البتہ اپنے رفیق مومنین کا غم جنھیں قریش بری طرح ستاتے تھے آپ کے دل کو مغموم رکھتا تھا۔ ان بیکسوں پر ایسے ایسے ظلم توڑے جاتے تھے کہ ان کے بیان سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ان میں سے جس کو اکیلا پاتے گرفتار کر کے جنگل میں لے جاتے اور تیز دھوپ اور تپتے ہوئے گرم ریت پر ہاتھ پاؤں باندھ کر لٹا دیتے اور چھاتی پر پتھر رکھ دیتے۔ اور کہتے کہ اپنے مذہب سے باز آؤ تو تم کو ابھی آزاد کر دیں گے ورنہ اسی طرح تڑپا تڑپا کر مار ڈالیں گے ان غریبوں کی بری حالت ہوتی گرمی کی علیحدہ جان تحلیل کرتی اور پتھر کا بار الگ پسلیاں توڑتا مگر الحمد للہ ان لوگوں کا کیسا مستحکم ایمان تھا۔ وہ کیسے مستقل ارادہ تھے کہ یہ سب کچھ عذاب سہتے مگر اُف نہ کرتے۔ ذرا نہ گھبراتے۔ اور خدا کے راستے میں ثابت قدم رہتے تھے آہ ایک وہ مسلمان تھے۔ اور ایک ہم ہیں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک +

مصائب و تکالیف امتحان الٰہی ہیں۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو ان کے نازل ہوتے وقت دامن استقلال ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ قریش کے مظالم بھی مومنین کے لئے اسی قسم کے امتحان تھے جس میں بہت سے پورے اترے۔ اور

چنداں تکالیف کی تاب نہ لاکر اس نئے مذہب سے دست بردار ہو گئے۔ مثل ہے کہ مصیبت آنے سے پیشتر ہی انسان کی عقل جاتی رہتی ہے۔ اور اس میں نیک و بد کی تمیز نہیں رہتی +

معتوب اور معذب مومنین میں سے ایک بزرگ عمار رضؓ بھی تھے۔ آپ نے مظالم قریش کے مقابلہ میں جیسے استقلال کی مثال پیش کی۔ اُس کو توفیق ایزدی ہی کہا جا سکتا ہے۔ اوّل آپ کو دشمنان اسلام نے برہنہ کیا پھر جلتے ریت پر لٹایا اور سینہ پر پتھر رکھدیا۔ پھر کہا کہ حضرت کو بُرا کہو۔ یہی سلوک حضرت عمار رضؓ کے بوڑھے والد سے کیا گیا۔ اور ان کی بیوی سمیّہ پر تو وہ ظلم توڑے گئے۔ کہ جس کے بیان سے نہ صرف جسم کے رونگٹے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان کی تفصیل سے تہذیب اور اخلاق مانع ہیں۔ ایسی

اہل قریش کی بیرحمیاں

شرمناک سزا کی نظیر شاید دنیا کی تاریخ میں کہیں نہ ملے۔ اس مومنہ کا قصور یہی تھا کہ وہ خدائے واحد کی پرستار تھی۔ اور کہ وہ امان و رحم کی التجا کرتی ہوئی قریش کے پاس آئی تھی۔ مگر انھوں نے جس قسم کا برتاؤ کیا۔ اس کا اشارہ اوپر گذر چکا ہے۔ اور اس سے زیادہ یہ کہ وہ ایماندار اور نیک بیوی اسی عذاب شدید میں تڑپ تڑپ کر شہید ہوئی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون +

ابی سینیا کو ہجرت کرنا

اسی طرح مومنین پر ان عذابوں کا مدت تک سلسلہ جاری رہا۔ اور حضرت کا دل ان کی مظلومیت پر آٹھ آٹھ آنسو رویا کرتا۔ آخر آپ نے اپنے رفیقوں سے فرمایا کہ خدا تمہیں اور صبر و استقلال کی توفیق دے۔ یہ امتحان کا موقع ہے۔ بیدل ہونے کی کوئی بات نہیں۔ مگر مجھ سے تمہاری مصیبت نہیں دیکھی جاتی۔ اس لئے میں تم لوگوں کو صلاح دیتا ہوں۔ کہ تم خدا کا نام لیکر ملک ابی سینیا کو چلے جاؤ۔ حکم کے بندے مومنین کمریں باندھ کر آمادہ سفر ہو گئے کئی قبیلے کے لوگوں نے جو قریش کے مسلسل عذاب سے جان سے تنگ آ رہے تھے۔ مع اپنے اہل و عیال اپنے مکان اور جائدادیں چھوڑ کر سفر اختیار کیا۔ اس مختصر

قافلہ میں حضرت عثمان رضؓ آنحضرت کی صاحبزادی رقیہؓ اور آپ کے چچازاد بھائی جعفر ابن ابی طالب بھی شامل تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد بھی ایک اور جماعت نقل مکان کر کے ابی سینا پہنچی۔ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اور ہجرت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کا زمانۂ وقوع ۵ھ نبوت آنحضرتؐ مطابق ۶۱۵ء لکھا ہے۔ مومنین اسلام کا مطلب اس نقل مکانی سے اس سے زیادہ نہ تھا کہ وہ مظالم قریش سے نجات پائیں۔ اور فراغت سے امن وامان کی زندگی بسر کرتے ہوئے خدائے واحد کی عبادت میں مصروف ہوں۔ مگر ان کے مخالف قریش یہ کب دیکھ سکتے تھے کہ مسلمان ان کے پنجہ سے ایسی صفائی سے نکل جائیں۔ چنانچہ ان کو جب اس ہجرت کی اطلاع ہوئی تو وہ سخت طیش میں آئے۔ اور آخر صلاح مشورہ کر کے اپنے دو آدمی بطور سفیر مع تحائف ابی سینا کے حکمران نجاشی کی خدمت میں خوب سکھا پڑھا کر بھیجے جنھوں نے حبش میں پہنچ کر اور نجاشی کے دربار میں باریاب ہو کر بیان کیا کہ یہ لوگ جو عرب سے بھاگ کر اس کے ملک میں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔ ہمارے مفرور غلام ہیں۔ اسواسطے ہمیں انکی گرفتاری کا حق حاصل ہے۔ آپ مہربانی کر کے انھیں ہمارے حوالہ کریں۔

دشمن کا تعاقب کرنا

نجاشی نے سفیران قریش کا دعوےٰ سن کر ان مسلمانوں کو جو اس کے ملک میں پناہ گزین ہوئے تھے اپنے دربار میں طلب کیا۔ اور سفیران قریش کا بیان ان کو سنایا جس کے جواب میں جعفر ابن ابی طالبؓ (خلیفہ سوم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقیقی بھائی) نے سب مومنین کی جانب سے جواب دیا کہ ہمارا واقعہ سننے کے قابل ہے۔ ہم اور ہمارا ملک جہالت اور گمراہی کے غار میں پڑا ہوا تھا۔ ہم بتوں کی پرستش کرتے تھے مردار چیزیں کھاتے تھے خواہشات میں مبتلا تھے غرضکہ ہم میں کوئی صفت انسانی باقی نہ تھی۔ خدائے تعالےٰ نے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لئے رسول بنا کر بھیجا۔ محمدؐ کی شرافت نسب ہدایت

گفتاری۔ دیانت داری سے ہم خوب واقف ہیں۔ ان پر خدائے تعالے نے اپنی مرضی
کا اظہار کیا۔ وہ خدا کا پیغام ہمارے پاس لائے۔ اور وہ پیغام یہ ہے کہ صرف
ایک خدا کو مانو۔ اس کی ذات وصفات میں اور کسی کو شریک نہ بناؤ۔ بتوں کی پرستش
نہ کرو۔ راست گفتاری۔ دیانت وامانت داری کو اپنا شعار بناؤ۔ خیانت اور زنا نہ کرو۔
بنی نوع انسان سے ہمدردی اور ہمسایوں سے محبت کرو۔ عورتوں کے گھر
درست اور ان کی عصمت کی حفاظت کرو۔ یتیموں کے مال نہ کھاؤ۔ یتیموں اور
بیکسوں کی امداد کرو۔ خیرات کرو۔ اور خدا کی عبادت میں مصروف رہو۔
اے بادشاہ سلامت یہ اس رسول کی تعلیم ہے۔ ہم لوگ اس پر ایمان لائے
اس کی تعلیم کو قبول کیا۔ خصوصاً اس حکم کو کہ پتھر کی بیجان مورتوں یعنی بتوں کی
پرستش نہ کرو۔ بلکہ خدائے قادر اور واحد کی۔ اس ایمان لانے پر ہمیں ہمارے
ملک والوں نے ایسی ایسی تکالیف پہنچائیں۔ کہ ہم برداشت نہ کر سکے۔ اور ہمیں
جلاوطن ہونا پڑا۔ جب ہمیں اپنے ملک میں کہیں پناہ نہ ملی تو ہم سب پردیسیوں
نے تیرے ملک میں آکر پناہ لی۔ مگر ہمارے دشمنوں یعنی حق کے دشمنوں نے
ہمارا یہاں بھی تعاقب کیا۔ اور ہمیں نشانہ ظلم بنانا چاہتے ہیں۔ ہمیں تیرے رحم
وانصاف سے امید ہے کہ تو ہم بیکسوں پر ظلم نہ ہونے دیگا۔"
جعفرؓ کی تقریر۔ صداقت اور تاثیر کی تصویر تھی اس واسطے شاہ نجاشی کے
دل پر بہت اثر ہوا۔ اس نے نہ صرف ان جلاوطنوں کی بیگناہی کو تسلیم کیا۔ بلکہ تعلیم
اسلام کی خوبیاں بھی اس کے دل پر اثر کر گئیں۔ اور اس کا دل رسول عربی کی اور
تعلیم سننے کا آرزومند ہوا۔ اس نے جعفرؓ سے کہا۔ مجھے اس کلام میں سے جو تمہارے
رسول پر اترا ہے کچھ اور سناؤ۔ تو جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند ابتدائی آیات مسیح
کی ولادت کے متعلق پڑھکر سنائیں۔ جب وہ ان الفاظ پر پہنچے "فکلی واشربی
وقری عینا فاما ترین" (اے مریم خوش ہو کر کھا پی۔ اور اس ننھے بچے کو دیکھ کر اپنی
آنکھیں ٹھنڈی کر۔) تو کلام کی خوبی۔ وقت کی کیفیت۔ صداقت کا اثر نیک بخت با

اور سچائی کے زور نے ایک عجب کیفیت طاری کر دی۔ بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ اعلیٰ روحانیت میں محصور نظر آرہا تھا۔ اس کا دل گویا سچائی کو مان چکا تھا۔ اس نے بے اختیار ہو کر کہا "خدا کی قسم یہ اسی نور کی شعاعیں ہیں۔ جس کا جلوہ موسے پر ہوا تھا"!

بعد ازاں سفیران قریش کو ان کے طرز عمل پر ملامت کرتے ہوئے مسلمانوں کے واپس دینے سے انکار کر دیا اور اُن کو اپنے ملک میں نہایت خوشی سے رہنے کا حکم دیا۔ یہ تاریخ میں سب سے پہلا موقع تھا۔ کہ عیسائیت اور اسلام نے ایک دوسرے کو پیار کی نظر سے دیکھا۔ العرض یہ پناہ گزین مسلمان ابی سینا میں امن وامان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ اور قریش کے مظالم سے رہائی پانے پر بے انتہا خوش تھے اور شاہ نجاشی کو مذہب اسلام سے خاص دلچسپی پیدا ہوگئی۔ وہ بار بار جعفرؓ کو بلا کر قرآن مجید کی آیات سنتا اور ان سے گفتگو کرتا۔ کلام خدا کی صداقت اور پُر زور الفاظ نے اس کے قلب پر گہرا اثر کیا۔ وہ کلام پاک سنتا اور اس کے مطالب پر غور کرتا۔ اور پھر مذہب عیسائی اور اسلام کا مقابلہ کرتا۔ عموماً جعفرؓ سے اس کے سوال اسی قسم کے ہوتے۔ کہ تم اور تمہارا رسول حضرت عیسیٰ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہو؟ جواب ملتا۔ کہ مسیح علیہ السلام خدا کے مقبول بندے اور نبی تھے۔ ان کو خدا نے بنی اسرائیل کی رہبری کے لئے بھیجا تھا۔" آخر صداقت

اثر صداقت

نے اپنا اثر دکھلایا۔ شاہ حبش نے اسلام کو خوش آمدید کہا۔ اور کہا کہ کاروبار سلطنت سے معذور ہوں۔ ورنہ پیغمبر عرب کی خدمت میں حاضر ہو کر سعادت دارین حاصل کرتا۔ اور زمرہ غلامان میں داخل ہوتا +

جو لوگ اسلام کو بزور شمشیر پھیلا بتلاتے ہیں۔ وہ اس واقعہ پر غور کریں۔ کہ اسلام کی اشاعت کا باعث اس کی بینظیر سچائی ہے یا شمشیر ؎

آریہ ہوں یا ہوں عیسائی کہا کرتے ہیں یوں طاقت شمشیر سے اسلام پھیلایا گیا۔
ہے مسلمانوں کا دعوے جو نہیں ہم مانتے۔ اپنی مرضی سے ہر اک اس دین میں داخل ہوا

گو کہ ہم بھی ہیں مسلمان پہ ہمارا ہے یقین
نہ تو سے تلوار کے اسلام کا ڈنکا بجا
ہاں اگر وہ تیغ۔ تیغ آہنی ہرگز نہ تھی
خنجر اسلام ہرگز خنجر آہن نہ تھا
راستی کی تیغ تھی جو تھی مسلمانوں کے پاس
خنجر آہن نہ تھا وہ خنجر اخلاق تھا

باب پنجم

ادھر ابی سینا میں تو مسلمانوں پر یہ گذری۔ ادھر مکہ میں آنحضرتؐ مصروف کار تھے۔ آپ کے وعظ و نصیحت کا سلسلہ برابر جاری تھا مگر بدبخت قریش اپنی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے۔ جب ان کے سفیر ناکام پہنچے۔ تو انھوں نے بلکہ آنحضرت کو اور تنگ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ جب آپ کھانا نوش فرمانے بیٹھتے۔ تو کفار اشرار کوڑا کرکٹ اٹھا لاتے اور آپ کے کھانے پر ڈالدیتے اور اسی قسم کی دوسری شرارتیں کرتے۔ دل کھول کر ایذائیں دیتے اور نت نئے ظلم ایجاد کرتے۔ ان سب باتوں کا مقصد صرف ایک یہی تھا کہ آنحضرت لوگوں کو خدائی احکام کی تعلیم نہ دیں۔ اور بتوں کی پرستش کو منع نہ کریں مگر پیغمبروں کے استقلال میں خدا کا ہاتھ اور خدائی قدرت کا ایک حصہ ہوا کرتا ہے۔ اس واسطے نہ کفار کی شرارت کام آئی نہ ایذا دہی نہ لالچ اور حضرت برابر تلقین احکام الٰہی میں مصروف رہے۔ اسی اثنا میں دو غیر معمولی واقعات پیش آئے۔ جو اس زمانہ کے اہل نظر کے لئے یہ بتانے کے لئے کافی تھے۔ کہ اسلام کی تائید قدرت کر رہی ہے۔ ان میں سے ایک تو حضرت حمزہ یعنی آنحضرت کے چچا کا جو ایک نہایت بہادر اور بارسوخ انسان تھے مسلمان ہونا۔ دوسرے حضرت عمرؓ کا

ایمان لانا۔ بالخصوص آخرالذکر بزرگ کے قبول اسلام کی کیفیت نہایت دلچسپ ہے۔ جسکی تفصیل اس طرح پر ہے۔ کہ جب قریش کے لوگ مسلمانوں اور خود حضرت پر ظلم و ستم کرتے کرتے تھک گئے اور انھوں نے اپنی ان بیہودہ حرکات کا کوئی نتیجہ نہ دیکھا۔ اور پیغمبر خدا کے استقلال کو بتوں کی توہین میں پہلے سے بھی زیادہ مضبوط پایا۔ تو ایک قریشی سردار نے جو آنحضرت کا رشتہ کا چچا ہوتا تھا اور تاریخ اسلام میں اپنی جہالت کی وجہ سے ابوجہل کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس کے اصل نام سے کوئی واقف اور آگاہ نہیں۔ ایک جلسہ قومی طلب کیا۔ اور جب سب لوگ جمع ہوگئے۔ تو ایک موثر تقریر میں انھیں ترغیب دلائی کہ تم لوگوں کو شرم نہیں آتی۔ تمہارے دین۔ تمہارے معبودوں کو کھلے الفاظ میں برا کہا جاتا ہے۔ اور تم کو اس توہین کا احساس نہیں۔ کیا یہ ڈوب مرنیکا مقام نہیں ہے۔ کیا تم نہیں سنتے ہو۔ کہ تمہارے بزرگوں کو دوزخ کا کندہ بنایا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ ہم منہ میں گھونگنیاں ڈالے بیٹھے ہیں۔ کیا عرب کی شجاعت اور حمیت ختم ہوچکی۔ کیا ہم بزدل ہوگئے۔ غضب ہے۔ کہ ایک آدمی اور کمزور آدمی ساری قوم کی توہین کرے اور ہم سب بیٹھے تماشہ دیکھا کریں۔ کیا جوانان عرب اس کا کچھ تدارک نہ کریں گے

اشرار آمادہ جان ہوتے ہیں	میں چیلنج دیتا ہوں۔ اور اس مجمع عام میں پختہ وعدہ کرتا ہوں کہ جو شخص محمدؐ کو قتل کرے۔ میں اسے ایک سو اونٹ

اعلیٰ قسم کے اس قومی خدمت کے صلہ میں عطا کروں گا۔"

اس تقریر کا جو مدعا تھا۔ وہ خاطرخواہ پورا ہوا۔ اگر اس مجمع کے ایک ایک فرد کا کوئی شخص دل چیر کر دیکھتا۔ تو اس میں سوائے آنحضرت کی مخالفت دشمنی اور بیخ کنی کے ارادہ کے اور کچھ نہ تھا۔ ہر ایک بوڑھا جوان عرب حضرت کے خون کا پیاسا بن رہا تھا۔ مگر خدا کی طاقت سے ہر شخص ناواقف تھا۔ اسوقت کون جانتا تھا۔ کہ دشمن اگر قوی ہے تو نگہبان قوی تر ہے۔ خصوصاً عمر کا دل جو

حضرت کی مخالفت کے جوش سے پہلے ہی پر تھا اس تقریر کو سن کر اور بھی سوز ہوا
تمام قریش واقف تھے۔ کہ عمر بڑا جوشیلا اور حضرت کا سب سے بڑا دشمن ہے
چنانچہ ابوجہل کی تقریر ختم ہوتے ہی عمرؓ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور زور سے بولے
میں اس خدمت کو پورا کروں گا۔ مگر کیا آپ اپنے قول پر ثابت قدم رہیں گے!
اس پر ابوجہل عمرؓ کو خانہ کعبہ میں لے گیا۔ اور کعبہ کے سب سے بڑے بت ہبل
کے روبرو وعدہ ایفا کرنے کی قسم کھائی۔ اسی طرح عمرؓ نے بھی بت کے روبرو
حلف اٹھایا۔ کہ میں اپنے دشمن دین محمدؐ کو قتل کرکے دم لونگا۔ اور اس کو قتل کئے بغیر
ہاتھ سے تلوار نہ چھوڑونگا۔ مگر یہ خبر نہ تھی کہ مشیت ایزدی اور ہی کچھ ہے۔

الغرض عمرؓ تیغ بکف آنحضرتؐ کے مسکن کی طرف چل دیے۔ بہادرانہ
تیور بشرہ سے نمایاں تھے۔ راستہ میں کسی ملاقاتی سے مڈ بھیڑ ہوئی۔ اس نے
آپ کے تیور بگڑے ہوئے دیکھ کر کہا۔ خیر باشد کہاں کی چڑھائی ہے۔ جواب
ملا کہ محمدؐ کے قتل کی ٹھانی ہے۔ وہ شخص مسکرایا۔ اور کہا جناب آپ کو کچھ اپنے گھر
کی بھی خبر ہے۔ آپ کے تو گھر ہی میں لگی ہوئی ہے۔ آپ پیغمبر اسلام اور
مسلمانوں کو کیا قتل کریں گے۔ بیشک آپ کر سکتے ہیں کیونکہ ماشاء اللہ آپ بڑے
بہادر ہیں۔ لیکن شرط انصاف یہ ہے۔ کہ آپ پہلے اپنے گھرانے کی خبر لیں۔
آپ کی ہمشیرہ اور آپ کے بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ پہلے ان کی تو خبر لیجئے

عمرؓ کی بہادری کا خاتمہ

یہ سنتے ہی خیر نگر صداقت آمیز فقرے سن کر عمرؓ رکے۔ اور کچھ
سوچ کر بہن کی خبر لینے کی غرض سے اس کے گھر کی طرف
لوٹ پڑے۔ ہمشیرہ کے دروازے پر پہنچے۔ تو اندر سے کنڈی بند تھی۔ کان
لگا کر سنا۔ تو نئی قسم کی آواز سنائی دی۔ بات یہ تھی۔ کہ حضرت کے ایک انصاری
حضرت خباب رضوان دونوں میاں بیوی کو قرآن کریم سنا رہے تھے۔ آپ نے
کنڈی کھٹکھٹائی۔ بہن کا ماتھا ٹھنکا۔ بہنوئی نے خباب رضؓ کو ایک گوشہ
میں پوشیدہ کرکے دروازہ کھول دیا۔ بہن نے دیکھا۔ کہ بھائی کے تیور

بیٹھے صحیفے پڑھ رہے ہیں۔ دل میں کہا خدا خیر کرے۔ آخر مطلب سمجھکر ڈرتے ڈرتے بھائی سے کہا۔ کہ اگر آپ ہمیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہم حاضر ہیں۔ لیکن میں یہ درخواست کرتی ہوں۔ کہ جس چیز کو سن کر ہم نے اپنا دین بدلا ہے۔ ذرا آپ بھی اسے سن لیں۔ یہ کلمات عمرؓ نے استعجاب کے ساتھ سُنے اور کلام خدا کے سننے کی خواہش ظاہر کی خبابؓ طلب کئے گئے۔ آپ نے سورہ طٰہٰ کی رقت اور قرأت کیساتھ تلاوت شروع کی

طٰہٰ۔ ما انزلنا علیک القران لتشقٰی الا تذکرۃ لمن یخشٰی۔ تنزیلاً ممن خلق الارض والسموات العلٰی۔ الرحمٰن علی العرش استوٰی۔ لہٗ ما فی السموات وما فی الارض وما بینہما وما تحت الثرٰی۔ وان تجہر بالقول فانہ یعلم السر واخفٰی۔ اللہ لا الہ الا ہو لہ الاسماء الحسنٰی۔ وہل اتاک حدیث موسٰی اذ رآ نارًا فقال لاہلہ امکثوا انی آنست نارًا لعلی آتیکم منہا بقبس او اجد علی النار ہدٰی۔ الخ

طٰہٰ۔ قرآن ہمنے اسواسطے تجھپر نہیں اُتارا کہ تو محنت میں پڑے۔ لیکن نصیحت کی ڈرنیوالے کے لئے (یہ) اتارا ہوا ہے اُس کا جس نے زمین پیدا کی اور بلند آسمان۔ وہ رحمان متمکن ہے عرش پر اسی کا ہے۔ جو کچھ ہے آسمان میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور جو کچھ ہے ان کے درمیان اور جو ہے تحت الثریٰ میں۔ اور اگر تو کہے کچھ پکار کر تو اس کو خبر ہے پوشیدہ کی۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی درست نہیں۔ اس کا نام پاک ہے۔ کیا پہنچی ہے بات تجھ کو موسیٰ کی جب اس نے دیکھی ایک آگ۔ تو کہا اپنے گھر والوں کو ٹھیرو میں نے دیکھی ہے اب ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس اس میں سے آگ سلگا کر یا پاؤں اس آگ کے ذریعہ راستہ کا پتہ۔

عمر بہت چاہتے تھے۔ کہ اس کلام سے اثر پذیر نہ ہوں۔ لیکن خدائی طاقت سے مقابلہ کرنا انسان کا کام نہیں ہے۔ اسواسطے وہ کیونکر اپنے ارادہ میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ خدائی کلام نے۔ ہاں پُر صداقت کلام نے ان پر جادو سے زیادہ اثر کیا۔ وہ اس کے رام ہو گئے۔ عمر اب وہ عمر نہ تھے۔ جو پہلے آئے تھے۔ بلکہ اب وہ ایک نہایت رقیق القلب اور کمزور انسان بن گئے تھے۔ بے خودی

اور محویت کے عالم میں ان کی زبان سے نکلا۔ یہ انسانی کلام نہیں۔ یہ تو اس سے بہت بالاتر چیز ہے۔ اس کے ساتھ ہی خواہش کی۔ کہ مجھے آنحضرت کے پاس لے چلو چنانچہ وہ خباب کے ہمراہ ارقم کے مکان کی جانب چلے۔

ارقم انصاری حضرت کے خاص رفیقوں میں تھے چونکہ ان کا مکان کسی قدر وسیع تھا۔ اسواسطے ان دنوں خود آنحضرت اور تمام مومنین و مومنات جو مکہ میں موجود تھے یہیں قیام رکھتے تھے۔ اور عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے دشمنوں سے خائف مگر غیبی امداد کے منتظر تھے۔ ان لوگوں کو اس چیلنج کی جو ابوجہل نے برسر مجمع عام دیا تھا۔ اور اس عہد کا جو حضرت عمر نے کیا تھا حال معلوم ہو چکا تھا۔ کہ عمر اپنا کام پورا کرنے کے لئے گھر سے چلدئے ہیں۔ اور گویا یہ لوگ ان کی یا فرشتہ موت کی آمد کے منتظر تھے۔ مگر قدرت خدا سے ناواقف تھے عمر ارقم کے دروازہ پر پہنچے۔ کنڈی کھٹ کھٹائی۔ مسلمان سمجھ گئے۔ دشمن سر پر آپہنچا۔ کس کو جرأت کہ کنڈی کھولے خود آنحضرت نے کنڈی کھولی۔ اور بغیر ان کے چہرہ پر نظر ڈالے فرمایا" اے عمر تم کب تک ہمارے خون کے پیاسے رہو گے؟ لیکن جب ان کی حالت دیکھی کہ گلے میں تلوار اس طرح لٹکی ہوئی ہے۔ گویا کہ بیکار ہے۔ اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور ان کی حالت سے بالکل وہ نقشہ عیاں ہے جو ایک سپر ڈالے ہوئے بہادر کا ہوتا ہے۔ تو آپ نے دل میں شکر خدا فرمایا کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ عمرؓ چاہتے تھے کہ حضرت کے قدموں پر گریں۔ مگر اس شفقت مجسم نے گلے سے لگا لیا۔ اور نہایت جوش کے ساتھ معانقہ کیا۔ اور ایسی محبت سے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ کہ اگر حاضرین واقعات سے واقف نہ ہوتے۔ تو وہ موجودہ حالت سے یہی سمجھتے کہ مدت کے دو بچھڑے ہوئے حقیقی بھائی سچے جوش اور مسرت سے گلے مل رہے ہیں۔ معزز ناظرین! یہ تھی اسلام کی شمشیر جو عین وقت پر کام کرتی تھی۔ اور کام کرتی رہے گی۔ آپ کو یاد ہوگا۔ کہ عمر کون تھے۔ کس ارادہ سے آئے تھے۔ اور اب کیا ہو گئے۔

اور آئندہ زمانہ میں آپ نے اسلام کی کیا کیا خدمات انجام دیں۔ یہی وہ جرنیل ہوئے جن کی دھاک ساری دنیا میں بندھی ہوئی تھی۔ اور جن کی نظیر دنیا آج بھی باوجود صدیاں گزرجانے کے پیش نہیں کرسکی ہے۔ فتوحات اسلام کا معتدبہ حصہ آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے ✦

حضرت عمرؓ ذاتی طور پر ایک غیر معمولی شجاع ہونے کے علاوہ نہایت تجربہ کار صاحب تدبیر بزرگ تھے۔ اور اسی واسطے ان دنوں آپ مکہ کے خارجی معاملات کے انچارج تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ آپ کے اور حضرت حمزہ کے ایمان لاتے ہی مکہ کے بت پرستوں پر گویا بجلی گر گئی۔ تمام شہر میں ان کے متعلق چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ اس کیساتھ ہی مظلوم مسلمانوں کی جان میں جان آگئی۔ وہ سب کے سب خدا تعالےٰ کے حضور سجدہ میں گرگئے۔ کہ اس نے ان کی حفاظت کا یہ سامان غیب سے مہیا کیا۔ اور اب مسلمانان مکہ کی حالت میں ایک نمایاں فرق نظر آرہا تھا۔ اب تک یہ لوگ پہاڑوں کے دروں اور گھاٹیوں میں چھپ چھپا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کے ایمان لاتے ہی انھوں نے خانہ کعبہ میں نماز پڑھنی شروع کردی۔ اس میں شک نہیں کہ باجماعت نماز کا نظارہ ایک عجیب دلفریب نظارہ تھا۔ کہ تمام جماعت شخص واحد بن کر کھڑی ہوجاتی تھی۔ تو خدا کے سوا کسی چیز کے سامنے سر نہ جھکاتی تھی۔ اور جب سجدہ میں گرپڑتی تھی۔ تو صرف خدا کے سہارے سے ہی کھڑی ہوتی تھی۔ مگر کفار قریش پر اس کا کچھ اُلٹا ہی اثر ہوا ✦

علانیہ اعلان حق

اسی اثنا میں حضرت کے چچا ابوطالب نے اور پھر چند روز بعد حضرت کی حرم محترم جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ ان دونوں حادثات کا آنحضرت کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ آپ کے چچا آپ کے کسقدر ہمدرد اور غمخوار تھے۔ بی بی خدیجہؓ سے آپ کا کیا تعلق تھا؟ یہ باتیں اس کتاب کے پڑھنے والے جانتے ہیں۔ پس بحیثیت

وفات حضرت خدیجہ و ابوطالب

انسان ہونے کے یہ قدرتی بات تھی۔ کہ آنحضرت کے رقیق قلب نے ان حادثات کو بغیر غیر معمولی رنج واندوہ نہ دیکھا۔ بی بی کے انتقال نے آپ کو بیکس بنا دیا۔ چچا کے اُٹھ جانے سے بظاہر اسباب آپ کا ایک مربی اور مددگار نہ رہا۔ یہ دونوں باتیں ایک معمولی انسان کا حوصلہ توڑنے کے لئے کچھ کم نہیں لیکن انسان کے اور خدائی ارادہ میں ایک بیّن فرق ہوتا ہے۔ اس واسطے آنحضرت ان حادثوں کے بعد اور مستحکم اور مضبوط پائے گئے۔ اور اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی۔ کہ وہ بہر حال اور بہر کار خدائے قادر مطلق کو اپنا حافظ و ناصر سمجھتے تھے۔ اور یہی بات آپ کا حوصلہ بڑھاتی رہتی تھی +

یہ سب کچھ تھا مگر قریش اپنے خیالات سے باز نہ آتے تھے۔ بلکہ اُلٹے ہی چلتے تھے۔ چنانچہ اب انھوں نے ایک نیا منصوبہ گانٹھا۔ وہ یہ کہ آپس میں ایک معاہدہ تحریر کیا جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ تمام شہر حضرت اور ان کے خاندان اور تمام مسلمانوں سے داد وستد اور خرید فروخت بلکہ رشتہ ناطہ بند کر دے۔ یہ معاہدہ لکھا گیا۔ اور خانہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔ اُس زمانہ میں جس بات کا اعلان عام کرنا ہوتا تھا۔ اُسے لکھکر خانہ کعبہ کی چھت سے آویزاں کر دیا کرتے تھے +

بائیکاٹ

اس معاہدہ کا اصل مدعا یہی تھا۔ کہ پیغمبرؐ اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچائی جائے۔ اسوقت آنحضرت اور ان کا قبیلہ ایک جگہ "شعب ابوطالب" میں گویا محصورانہ حیثیت سے رہنے لگے۔ خرید و فروخت کا سلسلہ بالکل بند تھا۔ مسلمان کوئی ضرورت کی چیز بازار سے نہ خرید سکتے تھے۔ اور اسباب کی سخت نگرانی کی جاتی تھی۔ اور یہ حالت کامل تین سال تک قایم رہی۔ معصوم بچے بھوک سے اس قدر چلاتے تھے۔ کہ ان کا شور مکہ تک پہنچتا تھا +

بنی ہاشم (قبیلہ آنحضرت) اگرچہ تمام کا تمام مسلمان نہیں ہوا تھا لیکن

قرابت داری کے خیال اور خون کے جوش سے اس کو اس قدر خیال ضرور تھا کہ کوئی شخص آنحضرتؐ کی جان کا قصد نہ کرے۔

ایک محلہ کا محاصرہ شدید بظاہر کچھ زیادہ تکلیف دہ نہیں معلوم ہوتا لیکن جب اس کا مقابلہ اسی قسم کے واقعہ سے کیا جائے۔ تب اصل حقیقت کا کچھ پتہ چلتا ہے۔ اخبار بین حضرات کو یاد ہوگا۔ کہ لارڈ کرزن کی وایسرائلٹی کے زمانہ میں جب سرحدی وزیریوں کے صرف انگریزی علاقہ میں آنے کی ممانعت کی گئی۔ اور صرف ناکے روکے گئے۔ تو حالانکہ تمام ملک افغانستان اُن کیلئے کھلا ہوا تھا۔ اور خود اپنے ہزارہا میل مربع علاقہ میں ان کو چلنے پھرنے اور تجارت زراعت کی کامل آزادی تھی۔ مگر بایں ہمہ وہ چند مہینوں میں چیں بول گئے۔ اور انگریزی شرایط مان کر صلح کر لی۔ اس سے قدرے اندازہ ہوتا ہے۔ اُن تکالیف کا جو جسمانی اور روحانی طور پر محصورین پر وارد ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں غور کرو کہ آنحضرتؐ اور اُن کے رفیقوں نے تین سال متواتر ہزار گنی زیادہ تکالیف بہ خوشی برداشت کیں۔ مگر اپنے دعوائے حقانی سے ایک ذرہ برابر ہٹنا پسند نہ فرمایا۔ آپ کا یہ فعل طاقت اور استقلال بشری سے یقیناً بالاتر تھا۔ اور محض اسی لئے دکھایا جا سکا۔ کہ یہ کام انسان کا نہ تھا۔ بلکہ کائنات کے مالک حقیقی کا۔ اور اسی نے آپ کو یہ صبر و حوصلہ عطا فرمایا تھا۔

کامل تین سال گذر گئے۔ مسلمان اس حالت میں بھی صابر و شاکر رہے۔ مگر اب اس امتحان کا خاتمہ ہوگیا۔ اُدہر تو معاہدہ مذکور کو جو خانہ کعبہ میں آویزاں تھا۔ دیمک چاٹ گئی۔ اُدہر مکہ کے چند اعراب کے دل میں رحم اور انصاف کی لہریں اُٹھیں۔ انھوں نے قریش کو حمیت اور غیرت دلائی۔ کہ اپنے ہی بھائیوں کیساتھ ایسی بے رحمی کہانتک جایز ہے۔ آخر انھیں بھی شرم آگئی۔ اور مذکورہ بالا بندش توڑ دی گئی۔ محصورین کو آبادی میں آنے کی اجازت مل گئی۔ تاہم ان لوگوں نے اسباب کا سخت انتظام کیا۔ کہ کوئی شخص آنحضرتؐ کا وعظ نہ سننے پائے +

طائف کو روانگی

جب ایسی بندش تھی۔ تو آنحضرت اپنا فرض کیونکر ادا کرتے۔ اس لئے آپ کو سخت الجھن تھی۔ دوسرے اہل مکہ پر وعظ و نصیحت کا کچھ اُلٹا ہی اثر پڑتا تھا۔ اسوا سطے آنحضرت نے اب ارادہ کیا۔ کہ ذرا مکہ سے باہر نکلکر بھی لوگوں کو تلقین کر دیکھیں چنانچہ آپ یہ ارادہ کر کے اور اپنے ہمراہ زید کو لے کر شہر مکہ سے باہر آئے۔ اور راستہ میں وعظ و نصیحت کرتے ہوئے **طائف** جا پہنچے۔ شہر طائف مکہ سے ستر میل کے فاصلہ پر جانب شمال پہاڑ پر واقع ہے۔ آپ نے وعظ و نصیحت شروع کی مگر وہاں کے لوگوں کو آواز توحید بھلی نہ معلوم ہوئی۔ بلکہ سخت برہم اور برافروختہ ہو کر آپ سے کہنے لگے۔ کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں پیغمبر پر پتھروں اینٹوں کی بوچھار کی۔ آپ کے پیچھے لڑکے لگا دیئے۔ اور شہر کے بچوں۔ شہدوں کو اُکسا کر آپ کی ایذا دہی پر مائل کیا۔ یہ فعل تھا شہر طائف کے سردار اور اُس کی ذریات کا۔ ایک کم بخت نے تو حضرت پر اسقدر کیچڑ اور پتھر پھینکے۔ کہ مجبوراً آپ کو ایک مکان کے احاطہ میں پناہ گیر ہونا پڑا۔ ایک ظالم نے ایسا پتھر کھینچکر مارا کہ آپکی پنڈلی سے خون جاری ہو گیا۔ اور کنکروں اور پتھروں کی بارش سے

اہل طائف کی شرارت

آپ کو ایسی ضرب پہنچی۔ کہ آپ بیہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ اور حضرت زید آپ کے رفیق اپنی پشت پر ڈال کر شہر سے باہر لائے چشمہ کے پانی سے مُنہ پر چھینٹے دیئے۔ تب جا کر آنحضرت کو ہوش آیا۔ مگر اعظمۃ اللہ جوش کرم اور وفور رحمت کا یہ عالم تھا۔ کہ دعائے بد کی جگہ یہی فرمایا۔ کہ اگر یہ لوگ اسلام نہیں لاتے۔ تو کیا ہوا۔ انشاء اللہ ان کی اولاد ضرور کلمۂ توحید کو قبول کرے گی"

اور ایسا ہی ہوا بھی ہے

ریختند بر سر تو سنگ دشمناں
چوں گل شگفتہ بود رخ جانفزائے تو

روایت میں آیا ہے۔ کہ اسوقت حضور نے درگاہ خداوندی میں نہایت خضوع خشوع سے دعا مانگی تھی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

"اے خدا! میں اپنی کمزوری بے سرو سامانی اور لوگوں کی تحقیر کی

اے خدا تو سب رحم کرنیوالوں سے بڑھکر رحم کرنیوالا ہے۔ اور عاجزوں ودرماندوں کی پرورش کرنے والا ہے +
اے پروردگار! کیا مجھے ترش روآشنا کے سپرد کیا جاتا ہے۔ یا دشمن کے جس سے میرا کام سپرد کردیا گیا ہے۔ لیکن جب تیرا غضب مجھ پر نہیں۔ تو مجھے ان مصیبتوں کی کچھ پروا نہیں۔ کیونکہ تیری بھیجی ہوئی عاقبت میرے لئے بجا لی کافی ہے!
میں تیرے وجہ نورانی کے نور کی پناہ مانگتا ہوں جس سے تمام تاریکیاں روشن ہوجاتی ہیں۔ اور دین ودنیا کے سب کام درست ہوجاتے ہیں تاکہ تیرے غضب اور عتاب سے محفوظ رہوں۔ تو جو چاہے سو کر۔ مجھے تو تیری ہی رضا درکار ہے اور نیکی کرنے کی طاقت یا بدی سے بچنے کی توفیق مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے +
دعا کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضور کو خدائے پاک پر کسقدر بھروسہ تھا۔ آپ کے دل میں کتنی استقامت تھی۔ اور اپنی راستی کی بالآخر فتح کا کتنا پختہ یقین تھا +
آنحضرت کو طائف سے فوراً واپس آنا پڑا۔ مگر ابھی مکہ کی آبادی میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپ کو معلوم ہوا۔ کہ لوگ آپ کی جانب سے بُری طرح بھرے بیٹھے ہیں۔ بات یہ تھی۔ کہ طائف کے واقعات کی اطلاع اُن تک پہنچ گئی تھی۔ اور اب ان لوگوں نے یہ منصوبہ کیا تھا۔ کہ اول تو محمدؐ کو شہر ہی میں نہ آنے دو اور اگر آجائے۔ تو زندہ نہ رہنے دو +
آنحضرت نے ایسی جوش کی حالت میں مکہ میں دفعتاً جانا خلاف مصلحت سمجھا اور اسواسطے آپ نے اپنے بعض واقف لوگوں کے پاس پیغام بھیجا کہ "کیا تم خدا کے لئے مجھے پناہ دے سکتے ہو؟ میں تم لوگوں کو مجبور نہیں کرتا کہ تم دین اسلام قبول کرو۔ البتہ صرف اسقدر چاہتا ہوں۔ کہ پیغام حق لوگوں تک پہنچاؤں اور بس!
اس پیغام کا جواب نفی میں دیا گیا۔ عزیزوں اور دوستوں کے خون سفید

ہو گئے۔ ان لوگوں نے بالکل آنکھوں پر ٹھیکریاں رکھ لیں۔ اور صاف انکار کر دیا۔ کہ ہم ایسے شخص کو پناہ دینے کے بالکل روادار نہیں ہیں۔ مصیبت ایک امتحان قدرتی ہے ایسے ہی وقت پر سچا عزیز اور آشنا پہچانا جاتا ہے +

امتحان یگانگت دبے یگانگت

خیر حضرت کے یگانوں کا تو یہ حال تھا۔ مگر خدا اپنی قدرت دکھانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اسوقت ایک عرب **معطم بن عدی** کا دل پسیجا۔ یہ نہ تو آنحضرت کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ نہ آپ کا دوست تھا۔ بلکہ ایک غیر شخص تھا۔ مگر اس نے نہایت جوش بھرے دل سے قریش کو ان الفاظ سے مخاطب کیا "اے بھائیو! ہم لوگ مہمان نوازی جب اوٹھی میں نزدیک و دور مشہور رہے ہیں۔ مگر اب ہم کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا یہی شیوہ شرافت ہے۔ کہ ہم ایک شریف النسل بھائی کے ساتھ یہ بیدردی کریں۔ کہ اُسے گھر میں نہ آنے دیں۔ بھائیو! شرم کا مقام ہے!! ہماری غیرت کہاں گئی!!!" اس کے بعد معطم نے یہ کارروائی کی۔ کہ اونٹ پر سوار ہو گیا اور چلا چلا کر لوگوں سے کہتا پھرا کہ آج سے میں نے محمدؐ کو اپنی پناہ میں لیا۔ پس جو شخص اس کا دشمن ہے۔ وہ میرا بھی دشمن ہے۔

اس فوری تبدیلی پر قریش بڑے دنگ ہوئے اُن میں سے کئی لوگوں نے معطم سے سوال کئے۔ کہ کیا تو نے محمدؐ کا مذہب قبول کر دیا۔ مگر اس نے بڑے استقلال سے کہا۔ کہ "نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ جب میں اس کا مذہب قبول کروں تمہیں اختیار دیتا ہوں کہ مجھے فوراً قتل کر دینا"

سبحان اللہ کن کن طریقوں سے وہ اپنی قدرت کاملہ کا اظہار کرتا ہے حضرت عمرؓ حضرت حمزہؓ ایمان لائے۔ تو بعض لوگوں نے کہا۔ کہ وہ حضرت کے عزیز تھے۔ باہم من سمجھوتہ ہو گیا ہو گا۔ عزیزداری کا خیال کیا ہو گا۔ اب قدرت نے ایک بیگانہ محض کو آپ کا طرفدار بنا کر ایک ایسی مثال قایم کر دی۔ جس پر دوست دشمن کسی کو نکتہ چینی کا موقع نہیں ملا۔ اور اس میں یہ خاص نکتہ اور ہے۔ کہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔ مگر پیغمبر اسلام کی حفاظت اپنا فرض سمجھتا تھا +

اس کے بعد مطعم اور اس کا قبیلہ آنحضرت کو شہر میں لے آئے۔ آپ نے طواف کعبہ کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ آپ بیت اللہ پہنچے۔ اور طواف میں مصروف ہوئے جب تک آپ طواف میں مصروف رہے۔ آپ کے پناہ دہندے آپ کی حفاظت کرتے رہے کہ مبادا کوئی شریر آپ پر حملہ کر دے۔ آنحضرت اس عبادت سے فارغ ہو کر اپنے مکان تشریف لے گئے۔

اعلیٰ اخلاقی حالت اگلے روز جب آپ وعظ و نصیحت کی غرض سے تشریف لائے تو مطعم بغرض حفاظت آپ کی خدمت میں موجود تھا۔ آخر ایک جگہ کھڑے ہو کر کلام پاک پڑھنا شروع کیا۔ مگر اشرار قریش نے بدستور رذیل مغلظات کی بوچھاڑ شروع کر دی اور آپ کیساتھ مطعم کو بھی بے نقط سنائیں۔ مگر حضرت یہ کب گوارا فرما سکتے تھے۔ کہ ان کی وجہ سے مطعم بھی مطعون خلایق بنے۔ اس واسطے اگلے روز جب وعظ فرمانے لگے۔ اور لوگ جمع ہو گئے۔ تو آپ نے صاف طور پر فرما دیا۔ کہ اب میں مطعم کی پناہ میں نہیں ہوں۔ اس واسطے میری وجہ سے اُسے کوئی تکلیف نہ دے۔ میری حفاظت کے لئے میرا خدا ہاں قادر مطلق خدا کافی ہے۔

اب آنحضرت بدستور سابق اپنے کام میں مصروف تھے۔ آواز حق بلند کرنے میں کوئی شے ان کے مانع نہ آئی۔ وہ خدا کی ذات اور اس کی امداد غیبی پر بھروسہ کرتے ہوئے سربکف تبلیغ الٰہی میں محو تھے۔ ان کو تن بدن کی سدھ نہ تھی۔ یہ سب کچھ تھا۔ مگر قدرت ان سب پیش بندیوں کی کاٹ چھانٹ میں مصروف تھی۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے معلوم ہو گا۔

ایک شخص انھیں ایام میں طفیل بن عمر نامی جو قبیلہ دوس کا سردار تھا کسی کام کے لئے مکہ آیا۔ رؤسائے مکہ نہایت دھوم دھام سے استقبال کرتے ہوئے اُسے شہر میں لے آئے۔ سلسلۂ کلام میں حضرت اور آپ کے مذہب کا ذکر آیا۔ تو مکہ کے رئیسوں میں سے ایک نے کہا یہ جناب کیا کہیں ہم تو تنگ آ گئے ہیں

اس شخص سے ہماری تو جان عذاب میں ہے۔ اس... نے ہمارا دین بھی برباد کیا اور ہماری دنیا میں بھی نفرقہ ڈال رہا ہے۔ نا اتفاقی کا بیج بو چکا ہے عجیب بات ہے۔ کہ جو شخص ایک بار اس کی باتیں سن لیتا ہے۔ وہ ماں باپ بہن بھائی عزیز یگانوں سب کو چھوڑ دیتا ہے۔ بس اسی کا کلمہ پڑھنے لگتا ہے۔ گھر گھر میں اس نے فساد ڈال رکھا ہے۔ اس کی زبان میں بلا کا جادو ہے۔ خدا کسی کو اس کی باتیں نہ سنائے"! اسی طرح اور بہت کچھ کہا سنا۔ غرض اس شخص کو حضرت کا پورا دشمن بنا دیا۔ طفیل نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ تم نے اچھا کیا کہ مجھے اس خطرہ سے آگاہ کر دیا۔ میں تو ایسے شخص کی صورت دیکھنے کا روادار نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد اس نے اپنے غلام کو حکم دیا۔ کہ تھوڑی سی روئی لے آؤ۔ جب روئی آگئی۔ تو اس نے اپنی جیب میں رکھ لی۔ اور کہا اگر کہیں محمدؐ سے مٹ بھیڑ بھی ہو گئی۔ تو جھٹ یہ روئی اپنے کانوں میں ٹھونس لونگا۔ تاکہ اس کی زبان کا جادو مجھ پر اثر نہ کرے۔ مگر قدرت اس کے ان الفاظ پر ہنس رہی تھی۔

طفیل کا ایمان لانا اس واقعہ کے تیسرے روز آنحضرتؐ سر راہ بہ آواز بلند نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ آپ کی قرأت کی آواز ایک اجنبی کے کان میں پڑی۔ وہ شخص آپ کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ یہ ایک عجیب حالت میں مبتلا تھا کان کہیں متوجہ تھے۔ ہاتھوں کو جیب کی جانب لیجانا چاہتا تھا۔ مگر وہ کام نہ دیتے تھے۔ کہیں انھیں فالج تو نہ مار گیا تھا۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ حضرت نماز سے فارغ ہوئے۔ اور بلا اس کا خیال کئے ہوئے۔ کہ کوئی شخص ان کی جانب متوجہ ہے یا نہیں۔ اپنے مکان کو چلدئے۔ اور وہاں پہنچکر دروازہ بند کر لیا۔ ابھی پانچ منٹ بھی نہ گذرے تھے۔ کہ کسی نے کنڈی کھٹکھٹائی۔ آپنے دروازہ کھولکر دیکھا کہ وہی شخص کھڑا ہے جو نماز کی قرأت سن رہا تھا۔ اسنے بلا کچھ کہے سنے اپنے سر کو حضرت کے قدموں پر ڈالدیا۔ اور زار زار رونے لگا۔ یہ طفیل ابن عمر تھا جسے چند روز قبل سرداران مکہ نے آنحضرت کی مخالفت کا سبق پڑھایا تھا۔ اور جو اپنی جیب میں روئی رکھتا

تھا۔ دراصل قدرت کی طاقت اور کلام پاک کی صداقت اپنا کام کر گئی تھی۔ ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ قبیلہ دوس کا معمر صاحب ثروت رئیس ایک بیکس و غریب نوجوان کے قدم چوم رہا ہے۔ الغرض طفیل دولت ایمان سے فیضیاب ہو کر دو چار روز بعد اپنے وطن کو چلا گیا۔ اور اس معجزانہ واقعہ نے ان غریب مسلمانوں کے یک گونہ آنسو پونچھے جو تشدد و پرتشدد و ستم کا شکار ہو رہے تھے اور امداد غیبی کے امیدوار تھے۔ لیکن اس واقعہ سے قریش اور بھی چراغ پا ہو گئے۔ اور ان کے غیظ و غضب کا پارہ چند درجہ اور بڑھ گیا۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں بیجا جوش پر آ گئے۔ کونسا ستم تھا جو قریش نے اٹھا رکھا۔ اور کونسا ظلم نہ تھا جو غریب مومنوں پر نہ توڑا گیا۔ ان کا قصور کیا تھا؟ صرف یہ کہ خدائے مطلق کو کیوں پکارتے ہیں۔ وہ کم بخت آئے دن نئے نئے ظلم ایجاد کرتے تھے جب آپ وعظ کر کے باہر سے تشریف لاتے۔ تو اشرار ٹوکرے میں کوڑا کرکٹ بھر کر آپ کے سر پر ڈال دیتے۔ آپ گھر پر تشریف لاتے اور آپ کی کمسن بیٹی فاطمہ آپکے بال صاف کرتیں۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر لاتیں۔ خدا جانے اس ننھی بچی کے دل پر کیا اثر ہوتا ہوگا۔ حضرت اسپر صبر فرماتے اور اسکو بھی مصلحت ایزدی سمجھکر خاموش ہو رہتے۔

آپ کی بی بی حضرت خدیجہؓ انتقال فرما چکی تھیں۔ آپ کے رفیقوں کو آپ کی تنہائی کا اکثر خیال رہتا تھا۔ خصوصاً حضرت ابوبکرؓ کو تو اس بارہ میں بہت ہی تردد تھا۔ آپ سے نہ رہا گیا۔ اور آپ نے اپنی دختر نیک اختر کو حضرت سے منسوب کرنے کی درخواست کی اور یہانتک اصرار کیا کہ آنحضرت کو بھی رضامند ہونا پڑا۔ حضرت ابوبکر کی دختر نیک اختر عائشہ ایک پاکیزہ صورت اور باکرہ لڑکی تھیں۔ آنحضرت کی نسبت ان سے ٹھہر گئی۔ اس تعلق سے حضرت ابوبکر کا اتحادی سلسلہ آنحضرت کے ساتھ اور مضبوط اور مستقل ہو گیا۔ اس واقعہ سے اس اتحاد اور یگانگت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جو اسلام نے قایم کی تھی نیز یہ

کہ آنحضرت کے رفیق و احباب کس درجہ آپ کی خدمت کے لئے جان، مال اور اولاد سے حاضر تھے۔ بدقسمتی سے حضرت مسیح علیہ السلام کو ایسے حواری ملے تھے۔ جو اُن کی تکلیف کا باعث ہوئے۔ اور بعضوں نے آپ کو فروخت کیا۔ اور خدا جانے کیا کیا کیا؛

نکاح ثانی اور بیوہ سودہ کی سرپرستی انھیں ایام میں ایک غیر معمولی واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک معمر بیوہ سودہ نامی نے جو مسلمان ہوچکی تھی اپنے آپ کو حضرت کے روبرو نکاح کے لئے پیش کیا۔ حالانکہ آپ **عائشہ صدیقہ** سے منسوب ہوچکے تھے۔ سودہ کی درخواست عجیب وغریب تھی۔ اُس نے کہا کہ یہ تو ظاہر ہے کہ میری عمر شادی بیاہ کی نہیں ہے۔ نہ مجھے کسی اور بات کی آرزو۔ مگر میری تمنا ہے۔ کہ آپ کے حرم میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کروں؛

حالات اسی کے مقتضی تھے۔ کہ سودہ کی درخواست کو رد نہ کیا جائے۔ اوّل تو اس درخواست کے الفاظ ہی ایسے تھے۔ دوسرے سودہ ایک بکیس مسلمان عورت تھی۔ اس کا شوہر جس کو خود اُس نے مسلمان کیا تھا **حبش** کی جلاوطنی کے زمانہ میں وفات پاچکا تھا۔ اور اس جلاوطنی کا سبب سوائے اس کے کچھ نہ تھا۔ کہ وہ مسلمان ہوگئے تھے۔ یہ دونوں میاں بیوی قریش کے ظلم وستم سے تنگ آکر ہی حبش کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ آخر جب اس کے شوہر نے انتقال کیا تو یہ بڑھیا مکہ واپس آگئی۔ الغرض اس کے حقوق اور موجودہ بکیسی اس کی زبردست سفارشیں تھیں۔ علاوہ ازیں بیوہ عورتوں۔ کو سلسلہ ازدواج میں لاکر سرپرستی کرنا انبیا علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک قدیم رسم بلکہ سنت تھی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم۔ حضرت موسیٰ اور دیگر پیغمبر اس کی نظیر قایم کرچکے تھے۔ اسواسطے آنحضرت نے بھی نظر برایں وجوہات سودہ بنت زمعہ کو سلک زوجیت میں منسلک کرکے ایک ثواب عظیم حاصل کیا؛

آہ بعض مورخ خصوصاً عیسائی مورخ آنحضرت کی کثیر الازدواجی پر نکتہ

حینی کرتے ہیں لیکن واقعات کو تعصب کے پردہ میں دیکھتے ہیں کاش وہ انصاف کو بھی آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیں +

اسلام نے ایک سے زیادہ بیبیاں جایز کی ہیں بشرطیکہ ان سے یکساں سلوک کیا جائے۔ مگر یہ بتا دیا گیا ہے کہ بیویوں میں عدل قایم رکھنا انسان کی قوت سے باہر ہے۔ ان الفاظ سے گویا پہلے حکم کی نفی ہو گئی ہے۔ مگر کیسی خوبی سے حکما یہ نہیں کہا گیا کہ تم ایک سے زیادہ بیویاں نہ کرو۔ کیونکہ یہ خلاف طبیعت ہوتا۔ لیکن ساتھ ہی ایسی کڑی شرط سے مشروط کر دیا جس کی بجا آوری ازحد مشکل ہے +

آنحضرت نے اول بی بی خدیجہ سے نکاح کیا۔ جب ان کا انتقال ہو گیا۔ تو پھر عائشہ صدیقہ سے سودہ ہی نکاح ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ کیونکہ اس سے حظ نفسانی کو کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ اس کے اصلی وجوہ اوپر مذکور ہو چکے ہیں۔ پس کون عقل کا اندھا ہے جو ایسی صورت میں آنحضرت کو معاذ اللہ نفس کا بندہ۔ یا کثیر الازدواجی کی اشاعت کرنیوالا کہہ سکتا ہے۔ گو سودہ اور عائشہ ایک وقت میں آنحضرت کے نکاح میں رہیں تاہم سودہ کا عدم وجود برابر تھا۔ اور یہی ایک جواب ہے ایسے معترضین کے اعتراضوں کا +

اہل مدینہ کا ایمان لانا گیارہویں سال نبوت میں ایک اہم واقعہ پیش آیا۔ جو تاریخ میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ آنحضرت بدستور وعظ و تلقین فرماتے رہے۔ اور قریش اپنی مخالفانہ کارروائیوں میں مصروف تھے۔ ایک روز آپ باہر سے تشریف لا رہے تھے۔ کہ مکہ کے باہر آپ نے چند لوگوں کو باتیں کرتے سنا۔ آپ اُن کے قریب گئے۔ معلوم ہوا کہ یہ یثرب (مدینہ) کے باشندے ہیں۔ حضرت نے انھیں کلام الٰہی سُنایا۔ یہ چھ آدمی تھے۔ کلام صداقت التیام جسکی نسبت بت پرستان مکہ کی یہ رائے تھی کہ بس اسی میں جادو ہے۔ بسے سنا نہیں اور آدمی پھنسا نہیں۔ سُنتے ہی ایمان لے آئے۔ اور فوراً مسلمان

ہوگئے۔ اور جب اپنے وطن واپس پہنچے تو بیان کیا کہ مکہ میں پیغمبر خدا کا ظہور ہوا ہے۔ وہ بندہ خدا تمام جھگڑوں اور فسادوں کو مٹا رہا ہے۔ وہ صداقت کو پھیلاتا اور باطل پرستی و بت پرستی کی بیخ و بن اکھاڑتا ہے۔ اس آواز سے اہل یثرب کو اسلام سے غائبانہ محبت ہوگئی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اگلے سال (۱۲ نبوت میں) بارہ اور شخص مکہ آئے۔ اور مسلمان ہوگئے حضرت نے حسب معمول ان سے حلف لیا کہ وہ آیندہ ایک خدا کی عبادت کریں گے۔ اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے۔ چوری۔ فسق و فجور۔ زنا کاری سے پرہیز کریں گے۔ جھوٹ نہ بولیں گے۔ لڑکیوں کو زندہ درگور نہ کریں گے۔ اور ایمانداری سے پیغمبر خدا کا ساتھ دیں گے۔ وغیرہم"

اسلامی نقیب مدینہ میں

اس کے بعد وہ لوگ اپنے وطن کو واپس گئے۔ آنحضرت نے حضرت مصعب بن عمیرؓ صحابی کو بطور نقیب دین ان کے ہمراہ کر دیا۔ تاکہ وہ لوگوں کو تلقین دین کریں۔ اس کا بہت اچھا اثر ہوا۔ یثرب کے لوگوں کے دلوں میں اس نے بہت اچھا تخم بویا۔ انھیں ایام میں **واقعہ معراج شریف** وقوع میں آیا۔ جس کی تفصیل ہم کسی اور موقع پر کریں گے حضرت مصعب کی تبلیغ کا یہ اثر ہوا۔ کہ اگلے سال یعنی ۱۳ نبوت (۶۲۲ء میں) بہتر آدمی ایک قافلہ کی معیت میں مکہ پہنچے۔ اور آنحضرت کے دست مبارک پر بیعت کی۔ صدق دل سے اسلام قبول کیا۔ نیز آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ آپ ہمارے شہر میں تشریف لے چلیں۔ ہم سے جو بن پڑے گا خدمت کریں گے۔ مگر آنحضرت نے واقعات کا اشارہ کر کے صاف کہہ دیا کہ اگر میں تمہارے شہر میں گیا۔ تو تم لوگوں کو میری وجہ سے بڑی بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر وہ صداقت کے شیدا اپنی درخواست پر قایم رہے۔ اور کہا کہ ہم طرح تیار ہیں۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر آپ تشریف ضرور لے چلیں۔ آنحضرت رضامند ہوگئے۔ اور اہل یثرب نے بطور معاہدہ ایک یہ شرط پیش کی اگر حضور کو آیندہ زمانہ میں کامیابی ہو۔ تو آپ

اہل مدینہ کی درخواست کی قبولی

ہم غریبوں کو بھول نہ جائیں۔ بلکہ ہمارے شہر کو ہی اپنے قیام سے سعادت دارین بخشیں۔ اس درخواست سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اہل مدینہ کو آنحضرت سے کس درجہ الفت ہوگئی تھی۔ حضرت نے اس کو قبول کیا۔ اور اس عہد کو آخر تک اس درجہ نبھایا۔ کہ آخر یہی شہر آپ کا مدفن بنا۔

افشائے راز

اب بظاہر روانگی مدینہ کا انتظام ہوچکا تھا۔ اور اہل مدینہ سے مذکورہ بالا گفتگو ہوچکی تھی۔ مگر ایک قریش نے جو ایک گوشہ میں چھپا ہوا اس تمام گفتگو کو سن رہا تھا اور سب کارروائی دیکھ رہا تھا۔ یہ قصہ مکہ والوں کو جا سنایا۔ وہ لوگ جمیعت اس قافلہ پر چڑھ دوڑے۔ اور ان لوگوں کو تلاش کیا جو مسلمان ہوئے تھے۔ اور جنھوں نے آنحضرت سے عہد و پیمان کیا تھا۔ مگر کہیں پتہ نہ لگا۔ آخر بے نیل مرام واپس چلے آئے۔ اور قافلہ اپنی منزل مقصود کو روانہ ہوا +

مسلمانوں کی ہجرت

قریش مکہ کا ہنوز وہی رنگ تھا۔ خدا جانے وہ کس مٹی کے بنے ہوئے تھے۔ کہ اُن کا دل نہ پسیجا۔ اسوقت آنحضرت نے ترک وطن کا عزم کرلیا۔ آنحضرت خود جس حالت میں بن پڑتا تھا ان کے ظلم و ستم برداشت کرتے تھے۔ مگر صحابہ کی ہر وقت کی تکلیفیں دیکھکر جو وہ کفار مکہ کے ہاتھ سے اُٹھاتے تھے۔ آپ کو بڑا صدمہ ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے رفقا کو ہدایت کی۔ کہ وہ یثرب کو ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہا نے گھر بار۔ عزیز و اقارب۔ جائداد۔ مال و متاع کی پرواہ کرتے ہوئے مدینہ کی راہ لی۔ مختصر عرصہ میں ہی ایک ایک دو دو کر کے تقریباً ایک سو آدمی مکہ سے یثرب پہنچ گئے۔ جس کی وجہ سے نصف کے قریب مکہ کی آبادی کم ہوگئی۔ اسوقت مسلمانوں میں سے صرف حضرت علی ابن طالب اور حضرت ابوبکر اور آنحضرت مع اہل و عیال کے مکہ میں موجود تھے۔ کفار مکہ کو جب اطلاع ملی کہ سو مسلمانوں کے قریب مع گھر بار کے ہجرت کر کے تقریباً آدھا مکہ ویران کر گئے۔ تو نہایت جھلائے۔ اور مکہ کے دار الندوہ میں جو ان کا دیوان عام تھا ایک عظیم الشان جلسہ کیا۔ جس میں قریش مکہ اور دیگر قبایل کے سردار اکٹھے

ہوئے۔ لکھا ہے۔ کہ کبھی اس قدر مجمع کسی غرض کے لیئے اس سے پیشتر مکہ میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ الغرض جب تمام سردار آ چکے۔ تو کارروائی شروع ہوئی۔ اور ہر شخص کی آنحضرت کے متعلق نرالی تجویز تھی۔ کوئی کہتا تھا کہ جلاوطن کر دو۔ کوئی کہتا تھا نہیں عمر قید۔ کوئی صلاح دیتا تھا۔ کہ اگر ملک کو مستقل طور پر نجات دینی منظور ہے۔ تو قتل ہی کر دینا چاہیئے۔ الغرض قتل پر سب کا اتفاق ہو گیا اور اب صرف طریق قتل کا فیصلہ باقی رہا۔ کیونکہ یہ ایک اہم بات تھی۔ انتقام کا اندیشہ تھا۔ قرار دادیہ ہوئی۔ کہ ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک بہادر آدمی انتخاب کیا جاوے۔ اور یہ سب لوگ رات کی تاریکی میں چپ چاپ حضرت کے مکان کے چاروں طرف چھپ رہیں۔ اور جب وہ رات کو یا صبح کو گھر سے باہر نکلیں۔ تو سب بہادر یکدم حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دیں۔ اس تجویز کا فائدہ یہ بتلایا گیا۔ کہ جس قتل میں عرب کے تمام قبیلہ شامل ہوں گے۔ اس کے انتقام کے لئے نہ تو مسلمان کچھ کر سکیں گے۔ نہ بنی ہاشم ہی کچھ بنا سکیں گے۔ مگر کاش انھیں معلوم ہوتا۔ کہ "دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است" غرض اس تجویز سے عام طور پر اتفاق کیا گیا۔ اور دشمن وقت مقررہ پر پیغمبر خدا کے گھر کا محاصرہ کر کے گھات میں لگ گئے۔ کہ جونہی باہر نکلیں کام تمام کر دیا جائے۔ مگر **وحی ربانی** کے ذریعہ حضرت کو اس تجویز کی اطلاع ہو گئی۔ اور اس کا بندوبست آپ نے یہ کیا۔ کہ حضرت علی سے فرمایا کہ تم آج کی رات میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر لیٹ رہو۔ دشمن تمہارا کچھ نہ کر سکیں گے۔ علیؓ نے تعمیل کی۔ حضرت کے پلنگ پر لیٹ رہے۔ دشمن کبھی کبھی انتظار سے تنگ آ کر کواڑوں کی درزوں میں سے جھانکتے تھے۔ مگر چارپائی پر آدمی کو سوتا دیکھ کر مطمئن ہو جاتے تھے۔ اب حضرت دولت خانہ سے برآمد ہوئے۔ مگر دل کے اندھے قاتلوں کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اور آپ سب کے سامنے سے نکل گئے۔ اور کسی نے نہ پہچانا۔ آنحضرت صاف بچ کر حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر پہنچے اور انھیں ہمراہ لے کر شباشب کوہ **ثور** کی چوٹی

پہنچے۔ وہاں ایک غار دکھائی دیا۔ اوّل حضرت ابوبکرؓ اس میں اُترے۔ اور اپنے کپڑے پھاڑ کر اسے صاف کیا پھر اس کے روزن بند کئے تاکہ کوئی موذی جانور نہ آسکے۔ پھر آنحضرت اس کے اندر داخل ہوئے۔ اور تین شبانہ روز دونوں بزرگ یہاں مقیم رہے۔ رات کو حضرت ابوبکر کا بیٹا عبدالرحمن آتا اور ان سے اہل مکہ کی باتوں کا پتہ چلتا۔ اسی طرح ابوبکرؓ کی صاحبزادی اسماء بھی کھانا لے آتیں۔ اسی طرح عامر بن فہیر غلام حضرت ابوبکرؓ کو وہاں بکریوں کا گلہ لے آتا۔ جس سے حضرت کو دودھ بھی ملجاتا اور اس کے آنے جانے سے دونوں کے نقش قدم بھی مٹ جاتے تھے ؛

رات گذر گئی۔ دن نکل آیا۔ اسوقت حضرت کے قاتلوں کو پتہ لگا۔ کہ آنحضرت کی بجائے حضرت علی اس چارپائی پر سوئے ہوئے تھے۔ سخت شرمندہ ہوئے اور اس طرح آنحضرت کے بچ نکلنے پر نہایت طیش کھایا۔ وہ غصے سے دیوانے ہوگئے تھے۔ اور چاروں طرف دیوانہ وار تلاش کرتے پھرنے لگے۔ جب جستجو کے بعد بھی کامیابی نظر نہ آئی۔ تو اشتہار دیا گیا۔ کہ جو شخص محمدؐ کا سر کاٹ کر لائے گا۔ اُسے ایک سو اونٹ انعام دئیے جائیں گے۔ اس سے لوگوں کا اور بھی جوش بڑھ گیا۔ اور خاص و عام اس انعام کے حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ حتےٰ کہ کچھ لوگ تلاش کرتے کرتے اس غار کے مُنہ پر بھی پہنچے۔ جہاں آنحضرت پوشیدہ تھے۔ جب ان لوگوں کے قدموں کی آواز حضرت ابوبکر کے کان تک پہنچی۔ تو گھبرا کر کہنے لگے۔ کہ ہم صرف دو آدمی ہیں۔ دشمن ضرور مار ڈالیں گے۔ مگر آنحضرت نے ان کو تسلی دی۔ اور کہا کہ نہیں ہم دو نہیں۔ بلکہ ہمارے ساتھ تیسرا ہے۔ اور وہ تیسرا سب سے زبردست ہے۔ درحقیقت ایسا ہی ہوا۔ اور اس تیسرے زبردست نے ان کو بچا لیا۔ اور یہ سب متلاشی آنحضرت کو یہاں نہ پاکر لوٹ گئے۔ روایت میں آیا ہے۔ کہ جسوقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام غار کے اندر داخل ہوئے تھے۔ اُسی وقت ایک مکڑی نے غار کے مُنہ پر جالا تن دیا تھا۔ اور ایک

تیتری نے انڈے دیدئے تھے۔ پس جب قریش یہاں پہنچے۔ اور انھوں نے اس غار کی یہ شکل دیکھی۔ تو انھوں نے کہا کہ پورانا غار ہے۔ مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے یہاں کون ہوسکتا ہے۔ اس لئے وہ بے تحقیق چلے گئے۔ اور آنحضرت دشمنوں سے محفوظ رہے۔ اگر نظر غور سے دیکھا جائے۔ اور تعصب کو تھوڑی دیر کے لئے علیحدہ رکھدیا جائے۔ تو آنحضرت کے حالات اوّل سے آخر تک معجزات ہی نظر آتے ہیں۔ العظمۃ للّٰہ +

مدینہ کو ہجرت تین یوم آنحضرت صلعم اس غار میں قیام پذیر رہے۔ چوتھے روز اس سے برآمد ہوئے۔ اور یثرب کی راہ لی۔ حسن اتفاق۔ بڑی مشکل سے دو اونٹ مل گئے۔ جن پر آپ اور حضرت ابو بکر سوار ہو گئے اور منزلیں کرتے کرتے اوّل موضع **قُبا** پہنچے۔ جو مضافات یثرب میں اس سے کچھ دور سے واقع ہے۔ اور یہاں چودہ روز قیام کیا۔ اس اثنا میں حضرت علی بھی راتوں رات سفر کرتے آپ سے آملے۔ قبا میں حضرت نے ایک مسجد تعمیر کرائی۔ آخر قبا سے روانہ ہوکر ۱۶ ربیع الاوّل مطابق ۲ جولائی ۶۲۲ء روز جمعہ کو آنحضرت یثرب پہنچے۔ یہی دن تھا کہ جب سے یثرب نے **مدینۃ النبی** (پیغمبر کا مقام) نام حاصل کیا۔ اور آج کسی قدر اختصار کیساتھ مدینہ مشہور ہے +

مدینہ میں آمد حضرت کی آمد بالخصوص دلچسپ تھی۔ اہل مدینہ آپ کی خبریں پاکر قبا تک جا پہنچے تھے۔ جسوقت آنحضرت مدینہ میں داخل ہوئے تو لوگوں کے جوش مسرت اور شوق زیارت کا یہ عالم تھا۔ کہ کوٹھوں اور دیواروں پر چڑھ چڑھ کر آپ کو دیکھتے تھے۔ اور سلام کرتے تھے جن کا آپ بخندہ پیشانی جواب دیتے تھے۔ اب ہر شخص کی یہ آرزو تھی کہ آنحضرت اس کے مہمان بنیں۔ جب آنحضرت نے یہ دیکھا۔ تو آپ نے اونٹنی کی باگ چھوڑ دی۔ کہ جہاں وہ بیٹھ جائے گی۔ وہیں اتر پڑونگا۔ آخر وہ ایک غریب مسلمان **ایوب انصاری** کے دروازہ پر جا کر بیٹھ گئی۔ اور آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ اور اس خاندان نے

پنے آپ کو ایسا خوش نصیب سمجھا کہ جس کی انتہا نہ تھی۔ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ مسلمانوں کا سنہ ہجری اسی وقت سے شمار ہوتا ہے +

رشتہ اخوت جب حضرت مدینہ پہنچ گئے۔ تو خود آپ نے اور ان تمام مسلمانوں نے جو آپ سے پیشتر یہاں پہنچ چکے تھے۔ اطمینان کا اثر محسوس کیا۔ اور خدائے تعالےٰ کا شکر ادا کیا کہ فکر و تشویش کی زندگی سے امن آزادی کی زندگی عطا فرمائی۔ اس کے بعد سب سے پہلے جس بات کی طرف آنحضرتؐ نے توجہ منعطف کی وہ مہاجرین مکہ کی حالت تھی۔ آپ نے دیکھا کہ جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ وہ ایسی مطمئن حالت میں نہیں ہیں کیونکہ بعض لوگ تو بسبب اختلاف آب و ہوا امراض جسمانی میں مبتلا ہو گئے۔ اور اہل مدینہ ان کی خاطر خواہ تیمارداری اور خبر گیری نہیں کرتے تھے۔ اور کچھ لوگ دیگر تکالیف میں مبتلا تھے۔ پس آنحضرت صلعم نے مدینہ کے تمام انصار اور مکہ کے صحابۂ کرام کو ایک مجمع میں جمع کر کے **اسلامی اخوت** کا موثر وعظ فرمایا۔ اور فرداً فرداً انصار اور مہاجرین میں بھائی چارہ قایم کرا دیا۔ جس کے بعد انصار (مدینہ کے وہ لوگ جنھوں نے آنحضرت کی رفاقت اختیار فرمائی۔ انصار کہلاتے ہیں۔ اور جو مسلمان مکہ سے نقل مکان کر کے مدینہ پہنچے وہ مہاجرین کے نام سے مشہور ہیں) تمام مہاجرین کو حقیقی معنوں میں بھائی سمجھنے لگے۔ بغیر ضمانہ مال و زر سے امداد کی۔ ان سے سلسلہ ازدواج قایم کیا۔ بعض نے تو یہانتک ایثار نفس سے کام لیا۔ کہ اپنی بیویوں کو (اگر ایک سے زیادہ تھیں) طلاق دیکر مہاجرین سے نکاح کرا دیا۔ اور اس کی نظیر تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ غرضکہ مہاجرین کو جو ایک گونہ شکایات پیدا ہو گئی تھیں وہ یک قلم جاتی رہیں۔ اور وہ بہ آرام تمام بسر کرنے لگے +

تعمیر مسجد اس کے بعد حضرت نے ایک مسجد کی تعمیر کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ اور اس کے لئے وہ زمین انتخاب کی جہاں آپ کے مدینہ تشریف لانے

کے وقت آپ کی اونٹنی بیٹھی تھی یہ زمین دو یتیموں کی تھی۔ اور وہاں ایک پرانا قبرستان بھی تھا۔ جب آپ نے اس ارادہ کا اظہار فرمایا۔ تو زمین کے مالکوں نے خانہ خدا کی تعمیر کے لئے یہ زمین مفت دینے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر حضرت کی تحریک سے چندہ ہو کر فوراً اس کی قیمت ادا کر دی گئی یہ کس طرح ممکن تھا۔ کہ یتیموں اور بیکسوں کا حامی۔ امین لقب پانے والا۔ مال یتامیٰ کو یونہی تصرف میں لے آتا +

غرض تعمیر مسجد شروع ہوئی۔ تقریباً تمام مسلمان شریک کار تھے۔ خود آنحضرت بنفس نفیس اینٹ اور گارا اٹھاتے تھے۔ یہ تعمیر خام تھی اور کچی اینٹوں اور گارے سے بنائی گئی تھی طرز تعمیر نہایت سادہ تھا کھجور وں کے پتوں کا چھپر ڈالا گیا تھا۔ جب یہ مختصر اور سادہ تعمیر ختم ہو گئی۔ تو آنحضرت یہاں پند و نصیحت فرمانے لگے۔ گاہے گاہے کھڑے ہو کر اور گاہے بیٹھ کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ چند روز بعد مسجد میں ممبر بھی بنا لیا گیا۔ جس کی تیسری سیڑھی پر بیٹھکر آپ وعظ کہا کرتے تھے۔ آپ مختلف مضامین پر وعظ فرماتے تھے۔ مگر زیادہ تر توحید۔ اخوت اور خیرات آپ کے مطبوع مضامین تھے۔

ایک روز خیرات کے متعلق فرمایا "جب خدا نے زمین پیدا کی تو وہ تھر تھرانے اور لرزنے لگی۔ اس کو ساکن کرنے کے لئے خدائے تعالے نے اس پر پہاڑ قایم کئے۔ اسوقت فرشتوں نے خدائے تعالے سے سوال کیا کہ اے قادر مطلق! کیا دنیا میں پہاڑ سے زیادہ بھی گرانبار کوئی شے ہے۔ جواب ملا۔ ہاں لوہا۔ کیونکہ وہ پہاڑوں کے پتھروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ پھر فرشتوں نے پوچھا۔ کہ کیا لوہے سے بھی زیادہ کوئی مضبوط شے ہے؟ ارشاد ہوا ہاں آگ۔ کیونکہ لوہے کو پگھلا دیتی ہے۔ پھر سوال ہوا۔ کہ کیا اس سے بھی زبردست کوئی شے ہے۔ درگاہ خداوندی سے جواب ملا بیشک پانی اس سے بھی زبردست ہے۔ کیونکہ وہ آگ کو بجھا دیتا ہے۔ پھر سوال ہوا

تو بارگاہ الہی سے ارشاد ہوا کہ ہاں انسان کی خیرات اس سے زیادہ مستحکم و مضبوط ہے۔ اگر اس طرح کی جائے کہ دہنے ہاتھ سے دیوے تو بائیں کو خبر نہ ہو۔ حضرت نے خیرات کی تفصیل فرماتے ہوئے فرمایا۔ کہ ہر ایک کام خیرات ہے۔ انسان کا دوسرے انسان سے خوش خلقی سے پیش آنا بھی خیرات ہے۔ کسی نیک کام کی ہدایت دوسرے آدمی کو کرنا خیرات ہے۔ بھولے بھٹکے کو رستہ بتلانا۔ اندھے کی مدد کرنا۔ راستہ سے پتھر اور کانٹے اٹھا دینا بھی خیرات ہے۔ پیاسے کو پانی اور بھوکے کو کھانا کھلانا بھی خیرات ہی ہے۔ انسانی ہمدردی انسان کی سچی دولت ہے۔ جب آدمی مرجاتا ہے۔ تو لوگ دریافت کرتے ہیں کہ وہ کتنی دولت چھوڑ مرا۔ مگر فرشتے اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تم نے دنیا میں کیا کیا نیکیاں اپنی یادگاریں چھوڑیں وغیرہ"

حضرت کے اس قسم کے پند و نصائح کا اہل مدینہ پر اچھا اثر پڑا۔ کثرت لوگ مسلمان ہوئے۔ اور ایک غیر معمولی بات یہ ہوئی۔ کہ کتنے ہی یہودی اور نصاریٰ (عیسائی) بھی اسلامی برادری میں شامل ہوگئے۔

اشاعت اسلام کی کنہ کو دریافت کرنے والے ان واقعات کے ساتھ اس الزام پر جو اسلام پر لگایا جاتا ہے۔ کہ وہ بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے غور فرمائیں۔

عائشہ رض سے ازدواج

اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ کہ آنحضرت کی نسبت عائشہ بنت ابوبکر سے قرار پا چکی تھی۔ اس واقعہ کو اب پورے دو سال ہوگئے تھے۔ اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ نکاح ہو جائے۔ چنانچہ نہایت سادہ طریق سے آنحضرت کا ازدواج ہوگیا۔

دختر رسول کا نکاح

اسی وقت آنحضرت کی دختر فاطمہ زہرہؓ۔ حضرت علیؓ سے منسوب ہوئیں۔ اور کچھ عرصہ بعد جبکہ ان کی عمر پندرہ سال کی ہوگئی ان کا نکاح کر دیا گیا۔ اسوقت حضرت علی کی عمر بائیس سال کے قریب تھی۔ معتبر روایت میں آیا ہے۔ کہ یہ شادیاں نہایت ہی سادہ طور پر کی گئیں۔

فاطمہؓ کے نکاح کے متعلق وارد ہے۔ کہ اس میں نام کو بھی شان و شوکت نہ تھی پیغمبرزادی کو جو جہیز ملا اس کی تفصیل یہ ہے۔ پاجامہ ۲ عدد۔ چکی ایک۔ مٹی کے گھڑے ۲ عدد۔ مٹی کا لوٹا ایک۔ بستر ایک۔

اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا۔ کہ مسلمانوں پر نہیں اسلام کو اپنے خون سے سینچنے والوں پر اسقدر سادگی چھائی ہوئی تھی۔ یا یہ ایک ہمارا زمانہ ہے۔ کہ مسلمان نام و نمود پر مرے جاتے ہیں۔ جائداد رہن ہو۔ گھر جائے۔ قرض ہو۔ غرض کچھ ہی مصیبت کیوں نہ آئے۔ بیٹی کو جہیز میں سو پچاس جوڑے اور ہزار دو ہزار کی چیزیں ضرور ہی ہوں۔ اور جب تک تمام اہل شہر کو نہیں تو تمام برادری کو پرتکلف دعوت نہ دی جائے۔ تب تک گویا نکاح جائز ہی نہیں لگے ہاتھوں حضرت علی کی دعوت کا بھی انتظام سن لیجئے۔ آپ کے پاس ایک بیکار زرہ تھی آپ نے اسے فروخت کرکے کچھ کا دلیا۔ وہ بھی سادہ دسترخوان کے سامنے لا رکھا۔ جسے سب نے بخوشی قبول فرمایا +

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سادہ معاشرت

آنحضرت کی عام زندگی نہایت سادہ تھی۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ کہ حضرت کے گھر میں ایک ایک ماہ تک چولھے میں آگ روشن ہونے کی نوبت نہ آتی حضرت اور بی بی صرف کھجوروں اور پانی پر بسر کرتے۔ اگر گوشت میسر آجاتا تو وہ پک جاتا۔ بعض اوقات آٹا نہ ہوتا۔ تو صرف اسی گوشت پر گزر کرتے حضرت بالعموم جو کی روٹی کھایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی اونٹنی کا دودھ بھی نوش فرمایا کرتے تھے۔ آپ خود گھر کی صفائی کرتے۔ اور آگ سلگا لیا کرتے تھے۔ اور کسی کام سے عار نہ رکھتے تھے۔ حضرت نے مسجد کے پاس ہی دو مختصر سے گھر سودہؓ اور عائشہؓ کے لئے جدا جدا بنا دئے تھے۔ پس آپ ایک روز اس میں اور ایک روز اس میں آرام فرماتے +

پیغمبرانہ حیثیت سے قطع نظر کرکے آنحضرت کا عام برتاؤ لوگوں کے ساتھ نہایت منصفانہ اور با اخلاق تھا۔ ہر معاملہ میں آپ کی صداقت اور راستی

کے معترف تو اہل مکہ بھی تھے۔ اور وہ آپ کو صادق اور امین کے خطاب سے چکے تھے۔ آپ کے اس اخلاق حسنہ اور وعظ و نصیحت نے بحیثیت مجموعی اہل مدینہ پر غیر معمولی اثر ڈالا۔ تقریباً ہر طبقہ کے لوگوں میں آپ کی حقیقی عزت جاگزین ہوگئی۔ آپ کی نیکی کے افسانے پڑھے جانے لگے۔ آپ کی جانب خود بخود دلوں کو رجوعات ہوگئی۔ لوگ عام کاروبار میں بھی آپ کا اعتماد کرنے اور آپ کو منصف بنانے لگے۔ اسوقت آپ نے بنی نوع انسان کی خدمت کو دوسری حیثیتوں سے ادا کرنے کا بھی ارادہ کیا۔ چنانچہ آپ نے ایک روز تمام اہل مدینہ کو جن میں آپ کے مہاجر اور انصار سے لیکر عیسائی اور یہودی تک شامل تھے جمع کرکے ایک بین الاقوامی معاہدہ کیا۔ مکہ میں تو ایک ہی قوم بستی تھی۔ اور تقریباً ان کا مذہب بھی ایک ہی تھا۔ مگر یثرب مختلف قوموں اور مختلف مذہبوں کا مجموعہ تھا۔ مزید براں ہر ایک قوم کے مقاصد اور فوائد جدا جدا تھے۔ یہاں یہودیوں کا بہت بڑا جتھا تھا۔ ان کے تین قبیلوں **بنی نضیر۔ بنی قینقاع** اور **بنی خزاعہ** نے اپنے الگ الگ قلعے بنا رکھے تھے۔ تجارتی کاروبار اور سودخواری کی وجہ سے جملہ قبائل کی پیداوار ارضی و وسائل آمدنی پر ان کا قبضہ تھا۔ اوس اور خزرج کے دو قبیلے (جن میں کچھ عیسائی بت پرست بھی شامل تھے) بہت بڑے زبردست تھے۔ یہ یمن سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے۔ اور باہم لڑنے جھگڑنے کے عادی تھے۔ یہودی بھی دونوں جانب حصہ لیا کرتے تھے۔ اب مسلمانوں کی آبادی ان میں مزید اضافہ تھی۔ معاہدہ مذکور میں ہر ایک قوم کے جداگانہ حقوق شہریت کی تفصیل کی گئی۔ اور انھیں تسلیم کیا گیا۔ اور ہر ایک قوم کو مذہبی آزادی دی گئی۔ معاملات خارجیہ کے لئے سب لوگوں کو قوم واحد تسلیم کیا گیا۔ سب کو بتا دیا گیا کہ وہ لوگ اپنے آپ کو ایک قوم سمجھیں اور جو ان میں سے کسی ایک کا بھی دشمن ہو۔ وہ سب اس کے دشمن ہو جائیں۔ اسی طرح ہر ایک فرد کو امن و صلح کا

ذمہ وار ٹھیرایا گیا۔ اگر ان کے حقوق کسی نے چھین لئے ہوں۔ تو انھیں مجموعی طور پر واپس لینے کی کوشش کریں۔ اسی طرح اگر اجیانا کوئی ایسا مرحلہ یا قصہ درپیش آئے۔ کہ آپس میں تصفیہ نہ ہوسکے۔ تو اس معاملہ میں پیغمبر کو منصف بنائیں۔ اور ان کے فیصلہ کو یہ سب تسلیم کریں +

یہ انتظام سب نے پسند کیا۔ اور یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی اس کی تائید کر کے۔ اس پر دستخط کر دیئے۔ اور اس طرح اہل مدینہ میں پیغمبر عرب کی بدولت ایک زبردست قومیت پیدا ہو گئی جس سے اگر خارجی معاملات کا مقابلہ کیا جاتا۔ تو نہایت طاقتور اور کارآمد ثابت ہوتی +

یہ انتظام ہو جانے کے بعد آپ نے ان قبایل کے شامل کر لینے کی بھی کوشش فرمائی جو مدینہ اور مکہ کے درمیان قیام پذیر تھے۔ چنانچہ جناب خود سفر کر کے ان سے ملے تاکہ دائرہ قومیت وسیع اور مضبوط ہو جائے۔ اب اگرچہ اسباب ظاہری مسلمانوں کے حالات موافق تھے۔ لیکن جیسا کہ مکہ کی روانگی سے قبل آنحضرت نے فرمایا تھا۔ کہ اہل مدینہ کو ہماری وجہ سے مصائب کا سخت مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اب وہ وقت آگیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ مدینہ میں **عبداللہ بن اُبی** ایک بارسوخ شخص تھا آنحضرت کے مدینہ تشریف لانے سے قبل اس نے لوگوں میں خاص اثر پیدا کر لیا تھا۔ اور اسے امید تھی کہ چند روز میں سردار مدینہ بن جاؤنگا۔ مگر آنحضرت کے تشریف لانے پر لوگوں کا رجحان آپ کی طرف ہو گیا۔ اس واسطے یہ شخص آنحضرت کو اپنا حریف اور سدراہ سمجھکر للہی بغض رکھنے اور اس فکر میں رہنے لگا کہ کسطرح آنحضرت کو نقصان پہنچا کر اپنا جی ٹھنڈا کرے۔ اور آپ کے اثر و رسوخ کو ہٹا کر اپنا راستہ صاف کرے۔ اسی غرض سے اس نے قریش مکہ کے ساتھ بذریعہ خط و کتابت سازو باز شروع کی۔ اور مسلمانوں کی ہر ایک چھوٹی موٹی کارروائی کی خبریں اُن تک پہنچانے لگا منجملہ ان کے معاہدہ مذکور کی

اطلاع بھی قریش کو دی گئی۔ کفار قریش یہ معلوم کر کے بہت گھبرائے۔ کہ مسلمانوں کے پاؤں جمتے جاتے ہیں۔ آخر انھوں نے عبد اللہ سے تدبیر پوچھی۔ اس نے لکھدیا۔ کہ مدینہ پر چڑہائی کرو۔ یہودی تمہارے مددگار رہوں گے۔ اور خود مدینہ کے یہودیوں کو گانٹھنا شروع کر دیا۔

الغرض قریش مکہ نے مدینہ کے مسلمانوں پر چڑہائی کی تدبیریں مکمل کر کے ایک پُرزور حملہ ۲ھ میں کیا۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ لیکن اس سے پیشتر ۱ھ ہی میں قریش مکہ نے مسلمانوں کے ساتھ یہ چھیڑ خانی کی۔ کہ ایک شخص کرز بن جابر فہری نامی سرداران قریش میں سے مدینہ پہنچا۔ اور مسلمانوں کے مویشی جو کھلے میدان میں چر رہے تھے گلہ بانوں سے چھین کر لے گیا۔ گویا اپنی طاقت کا اظہار کر گیا۔ کہ ہم تین سو میل کا دھاوا کر کے بھی تمہارے مویشی تمہارے گھر ولیا سے لیجا سکتے ہیں۔ اور تم ہمارا کچھ نہیں کر سکتے۔

قریش کا مسلمانوں کے مویشی چھین لے جانا

اب تک مسلمان اس خیال سے خوش تھے۔ کہ ہم مکہ سے بہت دور چلے آئے ہیں۔ اور جب اپنی املاک و جائداد اور مال و متاع دشمنوں کے لئے چھوڑ آئے ہیں۔ تو اب اہل مکہ کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ہو گا۔ اور وہ اپنے خیال کے مطابق خس کم جہاں پاک کہہ کر ہمارا خیال چھوڑ دیں گے۔ لیکن اہل مکہ کو مومنین اسلام سے للہی سخت عداوت ہو چکی تھی۔ کہ جس سے زیادہ ہونی ناممکن ہے وہ آج سے آٹھ برس پہلے حبش تک ان کے پیچھے گئے تھے۔ اب تین سو ساڑھے تین سو میل کی خشکی کی مسافت کیا حقیقت رکھتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اسے ایچ سمجھا۔ اور چاہا کہ مسلمانوں کا مدینہ سے بھی نام و نشان مٹا دیں۔ لیکن جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے۔ بقولہ باری تعالیٰ:

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون ۝

باب ششم

وسط ماہ رجب ۲ھ (نومبر ۶۲۳ء) میں مدینہ خبر پہنچی کہ مکہ کے بت پرست مسلمانوں کی تباہی کے بڑے بڑے سامان کر رہے ہیں۔ اور جلد خوفناک حملہ کرنے والے ہیں۔

یہ بھی پتہ لگا کہ مکہ والوں نے یہ منصوبہ کیا ہے۔ کہ شمال کی جانب سے تو مسلمانوں پر وہ قافلہ حملہ کرے جو امروز فردا میں شام سے آنے والا ہے اور جنوب سے ہم خود حملہ کریں۔ اور یہ حملہ ایسا زبردست ہو کہ مسلمانوں کا صفحۂ ہستی سے نام و نشان مٹ جائے۔

یہ خبر مسلمانوں کو خصوصاً اور اہل مدینہ کو عموماً جیسی پریشان کن تھی۔ وہ ظاہر ہے۔ وہ لوگ اپنے آپ کو عجب بیکسی اور مظلومیت کے عالم میں پاتے تھے۔ انھوں نے اپنا وطن چھوڑا۔ گھر بار چھوڑا۔ جائدادیں چھوڑیں۔ اور تمام فوائد پر خاک ڈالی۔ مگر دشمن کے ہاتھوں سے اب بھی انھیں رہائی نہ تھی۔ اگر ان کو بھروسہ تھا۔ تو محض خدائے تعالےٰ کی امداد کا۔ اور ایسی ایسی مایوسیوں کے وقت وہی ان کا دل قوی کرتا تھا۔ انسان ضعیف البنیان ہے۔ اس کی کیا ہستی ہے۔ کہ ایک معمولی مصیبت کا بھی مقابلہ کرے۔ جب تک توفیق ایزدی اس کے شامل حال نہ ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ "مسلمانو! جس خدا کی ہم پناہ لے رہے ہیں۔ وہ دشمن سے بہت زیادہ قوی ہے۔ اس واسطے ہمیں یونہی دل نہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ بلکہ جب تک ہماری جان میں جان ہے۔ امداد الٰہی کا منتظر رہنا چاہیئے۔ دشمن سے ڈر کر بھاگ جانا جوہر مردانگی کے خلاف ہے۔ آؤ قبل اس کے کہ دشمن ہم پر حملہ کرے۔ ہم پہلے ہی اس کو کیوں نہ روکیں۔ اور دنیا کو صداقت کا معجزہ دکھائیں۔

الغرض یہ تجویز قرار پائی۔ کہ مکہ والوں کے آنے سے پیشتر ہی شامی قافلہ کو آگے بڑھکر روکا جائے۔ چنانچہ تین سو چودہ جانباز اور دل چلے مسلمان سربکف شمال کی جانب بڑھے۔ ہر چند یہ کارروائی مسلمانوں کی جانب سے نہایت احتیاط سے عمل میں آئی۔ لیکن اس کی اطلاع کسی طرح شامی قافلہ کو بھی پہنچ گئی۔ اور اس کے سردار ابوسفیان نے جھٹ سانڈنی سوار مکہ کو امداد طلب کرنے کے لئے دوڑا دئے۔ جہاں سے پورے ایک ہزار سوار بسر کردگی ابوجہل روانہ ہو گئے اوہر ابوسفیان مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی بجائے۔ راستہ کاٹ کر اپنے قافلہ کو مکہ لے پہنچا۔ اور وہاں پہنچکر ابوجہل کو پیغام بھیجا۔ کہ ہم بخیریت مکہ پہنچ گئے۔ تم واپس چلے آؤ۔ مگر ابوجہل نے قاصد سے کہلا بھیجا۔ کہ جب تک محمدؐ کا نام صفحۂ ہستی سے نہ مٹا دونگا واپس نہ آؤنگا۔ اور خود کوچ کرتا کرتا اس مقام پر پہنچا۔ جہاں مسلمان قافلہ کی آمد کے منتظر خیمہ زن تھے۔ یہ مقام بدر کے نام سے مشہور ہے۔

جنگ بدر جب آنحضرت صلعم کو دشمن کی آمد کی خبر ہوئی۔ تو آپ نے درگاہ مجیب الدعوات میں دعا مانگی۔ کہ "اے رب العالمین! اے نگہبان عالم! اب تیری امداد کا وقت ہے۔ اے شکستہ اور درماندہ دلوں کو سہارا دینے والے! یہ وقت نازک ہے۔ اگر یہ مٹھی بھر مسلمان ان بت پرستوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ تو پھر خلوص دل سے تیری عبادت کرنے والا کوئی بھی نہیں ہوگا۔"

الغرض طرفین سے اعلان جنگ ہو گیا۔ اور پہلے پہل کفار کے لشکر میں سے تین بہادر شیر غراں کی طرح نکلے۔ اور میدان میں آکر لشکر اسلام کی طرف للکار کر بولے۔ "ہے کوئی مرد میدان جو ہمارے مقابلہ کو آئے"۔ اس رجز کو سن کر مسلمانوں کی طرف سے حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ۔ اور حضرت عبیدہ میدان میں آئے۔ اور تینوں غازی قریش کے بہادروں کے مقابل ہوئے۔ ہر ایک کا جدا جدا مقابلہ ہونے لگا۔ مقابلہ بڑا زبردست تھا۔ ہر ایک

حریف پوری بہادری اور جوش سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اس زمانے کے قواعد جنگ کے مطابق اَور کوئی شخص مقابلہ کنندوں کو کسی قسم کی امداد دینے کا مجاز نہ تھا اس لئے دونوں فریق بڑی تشویش سے مقابلہ کو دیکھ رہے تھے۔ کہ مسلمانوں کے لشکر سے نعرۂ مسرت بلند ہوا۔ اور تینوں شجاعان اسلام نے اپنے حریفوں کو مار ڈالا۔ بس اب کیا تھا۔ کفار قریش اپنے تین بہادروں کے کام آتے ہی آپے سے باہر ہو گئے۔ اور ایک دم سے سب کے سب مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اور بڑے زور شور سے لڑائی شروع ہو گئی۔ لشکرِ کفار اوّل تو ویسے ہی مسلمانوں کے لشکر سے تگنا۔ دوسرے ہر طرح کے سامان حرب سے مسلح۔ اور ہر کل تین سو تیکس مسلمان جن کے جسم پر تن ڈھانکنے کو پورا کپڑا بھی نہ تھا۔ دوسرے مسافر۔ شکستہ دل۔ مگر ان میں زور ایمان تھا۔ دین اسلام نے ان کا دل قوی کر دیا تھا۔ نہایت بے جگری سے مقابلہ کیا۔ اس روز سخت جاڑہ تھا نیز آسمان پر بادل گھر رہے تھے۔ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا اُمڈی چلی آتی تھی۔ سخت آندھی چل رہی تھی۔ بجلی الگ کڑک کڑک کر کفار پر گری پڑتی تھی۔ آخر بہت کچھ کشت و خون کے بعد نتیجہ یہ ہوا کہ کفارِ مکہ کو شکست ہوئی۔ اور اور لشکر اسلام مظفر و منصور ہوا۔ کفارِ مکہ کا سپہ سالار ابوجہل میدان میں کام آیا۔ بہت سے قریش مارے گئے۔ اور بہت سے گرفتار کر لیے گئے +

اسیران جنگ میں سے صرف دو آدمیوں کو جو نہایت مفسد سرغنہ تھے اس ملک کے قواعد جنگ کے مطابق قتل کر دیا گیا۔ اور باقیوں کی جان بخشی کی گئی۔ اور انھیں مختلف شرائط پر آزاد کر دیا گیا۔ بعض سے آیندہ مسلمانوں کے مقابلہ پر نہ آنے کا عہد لیا گیا۔ اور بعض سے زر فدیہ وصول کیا گیا۔ اسیران جنگ میں بعض اہل علم بھی تھے۔ ان کو اس شرط پر رہائی دی گئی۔ کہ کچھ عرصہ تک مدینہ میں رہ کر مسلمانوں کے بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں۔ اور پھر اپنے وطن کو چلے جائیں۔ الغرض قیدیوں کے ساتھ نہایت نرمی کا برتاؤ کیا گیا۔ افسوس

بعض نکتہ چین اور عیب جو ان دو قیدیوں کے قتل پر آنحضرت کو الزام دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ یہ شان پیغمبری کے خلاف تھا۔ مگر افسوس یہ کہتے وقت وہ مسلمانوں کی مشکلات سے خالی الذہن ہوتے ہیں۔ اور اہل عرب کی طبیعت کو سمجھنے سے قاصر۔ نہ ان کو اس زمانہ کے قواعد جنگ کا علم ہوتا ہے۔ اگر آنحضرت ان کو چھوڑ دیتے۔ تو یقیناً وہ بڑی خونریزی کا باعث ہوتے۔ مسلمانوں نے اپنے ان دشمنوں کے ساتھ جو ان کو ستانے کا کوئی پہلو نہ جانے دیتے تھے اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تلے ہوئے تھے ایسا سلوک کیا جس کی نظیر تاریخ عالم یقیناً نہیں پیش کر سکتی۔ جو لوگ ان میں سے قیدیوں کی حیثیت سے مسلمانوں کے پاس رہے۔ اُن سے مسلمانوں نے برادرانہ سلوک کیا۔ ہرگز کسی قسم کی سختی نہیں کی گئی۔ ہر امر میں ان کی رضامندی اور عزت کا لحاظ کیا گیا۔ چنانچہ جب ان میں سے پہلا قیدی رہا ہو کر مکہ پہنچا۔ تو اس نے مسلمانوں کے اخلاق اور برتاؤ کا تذکرہ اہل مکہ سے ان الفاظ میں کیا "خدا کی رحمت ہو مسلمانوں پر۔ وہ ہم کو سواری دیتے اور خود پیادہ پا چلتے تھے۔ ہم کو گیہوں کی روٹی کھلاتے تھے۔ اور خود جو کی کھاتے تھے یا کھجوروں پر گذارہ کرتے تھے"

یہ تھا مسلمانوں کا برتاؤ اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ۔ یہ تھا ان کا حسن اخلاق جس کا لوہا دشمنوں کو بھی ماننا پڑا +

اس جنگ میں مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ جس کی تقسیم پر مسلمانوں میں کچھ اختلاف سا پیدا ہو گیا تھا۔ مگر آنحضرت نے باحسن وجوہ اس کا تصفیہ فرما دیا۔ اور آیندہ کے لئے مال غنیمت کی تقسیم کا مستقل فیصلہ کر دیا۔ کہ پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہو۔ جو یتامی اور محتاجوں کی امداد اور دوسرے رفاہ عام کے کاموں میں صرف کیا جایا کرے۔ اور باقی چار حصے مسلمان بہادروں کا حق ہے۔ وہ ان میں تقسیم کر دئے جائیں۔ آیندہ اسی

قاعدہ کے مطابق مال غنیمت کی تقسیم ہوتی رہی +

جنگ بدر میں مسلمانوں کو اپنی فتحیابی سے بے انتہا خوشی ہوئی۔ اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ اور جب یہ خبر مدینہ پہنچی۔ تو خاص دلچسپی سے سُنی گئی۔ مگر عین لڑائی کے دن آنحضرت کی دختر نیک اختر رقیہؓ نے وفات پائی چنانچہ جو لوگ فتح کی خبر مدینہ لے جا رہے تھے۔ اُن کو مرحومہ کا جنازہ راستہ میں ملا۔ یہ کچھ عرصہ سے بیمار تھیں +

آنحضرتؐ کے دل پر اس حادثہ کا خاص اثر ہوا۔ اور مسلمانوں کی خوشی رنج سے بدل گئی۔ حضرت عثمانؓ کو بہت رنج ہوا۔ آنحضرت نے صاحبزادی کی وفات کی خبر سن کر سوائے صبر و شکر کے اور کچھ نہ فرمایا۔ آپ کو ان سے خاص محبت تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آنحضرتؐ کی بڑی صاحبزادی زینبؓ جو اب تک مکہ میں تھیں آپ کے پاس مدینہ آگئیں۔ اور آپ کو ان کے آنے سے بہت خوشی ہوئی۔ اور رقیہؓ کا خیال کسی قدر کم ہو گیا +

اِدھر تو مسلمانوں کی یہ حالت تھی۔ اُدھر قریش اپنی شکست سے بہت نادم اور خجل ہو رہے تھے۔ شرمندگی کے مارے مرے جاتے تھے۔ اور جوش انتقام میں دانت پیستے تھے۔ کیونکہ تھوڑے سے مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست کھا کر علاوہ نقصان جان و مال کے اس قدر خفت نصیب ہوئی تھی کہ منہ دکھانے کے قابل نہ تھے +

اس غزوہ[1] کے بعد ایک روز آنحضرت صلعم تن تنہا جنگل میں گھاس پر لیٹے ہوئے ایک سایہ دار درخت کے نیچے بے خبر سو رہے تھے۔ کہ ایک قریش کا اس طرف گذر ہوا۔ اس نے آپ کو پہچان کر دل میں کہا۔ آج قتل کرنے کا بہت اچھا موقع ہے۔ پہلے تو وہ آپ کی تنہائی اور بیخبری سے بہت خوش ہوا۔ اور سوتے ہی میں تلوار مارنے کا قصد کیا۔ مگر پھر اس نے سوچا کہ سوتے ہوئے کو مار ڈالنا کچھ جوانمردی کا کام نہیں۔ اس لئے پہلے

[1] غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں آنحضرت بذات خاص غازیان اسلام کے ساتھ شریک ہوئے۔ دوسری قسم کو سریہ کہتے ہیں + ۱۲

آنحضرت صلعم کو جگایا۔ اور جب آپ بیدار ہوئے۔ تو تلوار کھینچ کر کہنے لگا۔ کہ
بول۔ اب تمہارا بچانے والا کون ہے؟ آنحضرت نے آسمان کی طرف نظر اٹھاکر
انگلی سے اشارہ کر کے کہا۔ وہ ذات پاک۔ یہ سُن کر قریش کا ہاتھ تھرتھرا گیا
تلوار اُس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ جسے آنحضرت نے جھٹ اٹھالی۔ اور
کھڑے ہوکر فرمایا۔ کہو اب تمہارا بچانیوالا کون ہے؟ اس نے جواب دیا
کوئی نہیں۔ آنحضرت نے فرمایا۔ ارے کم بخت کیوں نہیں کہدیتا وہی اللہ
اور آخر اس کی تلوار اس کو واپس دیدی۔ اور فرمایا۔ کہ ہمیشہ اس ذات پاک پر
بھروسہ اور یقین رکھو۔ اور بیگناہ بندگان خدا کو بھول کر مستاؤ۔ یہ دیکھکر
قریش آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور اسی وقت مسلمان ہوگیا۔ اور عمر بھر آپ
کی خدمت میں رہا۔

حضرت عثمان اپنی بیوی (رقیہؓ) کی وفات کی وجہ سے بہت مغموم رہنے
لگے۔ آپ کی غمگینی اور پژمردگی دیکھکر صحابہ کو خیال پیدا ہوا۔ کہ کسی طرح آپ کا
رنج ہلکا کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حفصہ کا نکاح ان سے کرنا
چاہا۔ مگر وہ مزاج کی کسی قدر تند و ترش تھیں۔ اس لئے حضرت عثمان نے شکریہ
کے ساتھ اس تجویز کو نامنظور کیا۔ اس سے حضرت عمرؓ کو بہت رنج پہنچا۔ اور
سخت حیران تھے۔ کہ میں اپنی بیٹی کا رشتہ کس سے کردں۔ کوئی اسے قبول نہیں
کرتا۔ انھوں نے اپنی پریشانی کا حال آنحضرت صلعم کے حضور میں عرض کیا۔
آپ نے ان کو تسلی دی۔ اور فرمایا کہ رنجیدہ مت ہو۔ خدا تمہاری بیٹی کو اس سے اچھا
خاوند اور عثمان کو بہت اچھی بی بی دے گا۔ پھر کچھ روز بعد آنحضرت صلعم نے
حفصہ کے ساتھ خود نکاح کرلیا۔ اور اپنی صاحبزادی اُمّ کلثوم کی شادی
عثمانؓ کے ساتھ کردی۔ جس سے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں بہت
خوش ہوئے۔ بی بی حفصہ کے حرم میں داخل ہونے پر قرآن مجید کی حفاظت
کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ جو آیتیں قرآن شریف کی نازل ہوتیں۔ وہ

لکھوا کر بی بی حفصہ کی حفاظت میں رکھی جاتی تھیں۔

ادہر تو یہ حالت تھی۔ اب ادہر مکہ والوں کی سنئیے۔ وہ لوگ جس روز سے شکست کھا کر گئے تھے۔ مسلمانوں کو بُری طرح کوس رہے تھے۔ اگر ان کے اختیار میں ہوتا۔ تو دم بھر میں انھیں فنا کر دیتے۔ اپنی ناکامی پر سخت شرمندہ تھے۔ اور اس خجالت کی تلافی کی صورت اس کے سوا اور کوئی نہ سمجھتے تھے۔ کہ جس طرح بن پڑے مسلمانوں سے بدلہ لیں۔ سب سے زیادہ ندامت ہزیمت کی ابوسفیان کو تھی۔ وہ مہینوں خجالت کا مارا گھر سے نہ نکلا۔ ادہر گھر میں اس کی بیوی ہندہ اُسے بُرا بھلا کہتی اور غیرت دلاتی۔ کیونکہ جنگ بدر میں اس کا باپ اور بھائی اور ایک چچا مارے گئے تھے۔ وہ یہ چاہتی تھی۔ کہ قاتلوں کو اپنی آنکھوں سے قتل ہوتا دیکھے۔ بلکہ خود ان کے قتل کرنے میں شریک ہو۔ تب چین پڑے۔ الغرض اس کے طعن و تشنیع اور گریہ و زاری نے ابوسفیان کو پھر اُبھارا۔ اہل مکہ کی طرف سے تین ہزار کی جمعیت کیساتھ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تجویز قرار پائی۔ سرداران لشکر ابوسفیان۔ عکرمہ بن ابوجہل اور خالد بن ولید مقرر ہوئے۔ ان تین ہزار میں سے سات سو نبرد آزما سوار تھے اور باقی پیادہ فوج تھی۔ جو سب کے سب بہادر جوانان قریش تھے۔ اور لڑنے مرنے پر بھرے ہوئے تھے۔

دوسری طرف مدینہ میں عام طور سے مسلمان مطمئن تھے۔ کہ اہل مکہ کو خاصہ سبق مل گیا ہے۔ وہ بہت سے قتل ہوئے ہیں۔ بقیۃ السیف ہمارے بندۂ احسان ہیں۔ اسواسطے اب وہ ہمارے مقابلہ کی جرأت نہ کریں گے۔ مگر یہ صرف خیال ہی خیال ثابت ہوا۔ اور چند ہی روز میں اہل مکہ کی جنگی تیاریوں کی خبر مدینہ جا پہنچی جس سے پھر مسلمان مشوش ہو گئے۔ آنحضرت نے تمام لوگوں کو جمع کیا۔ اور مشورہ لیا۔ کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ سب نے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ آنحضرت کی یہ رائے تھی۔ کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے کی بجائے ہم شہر میں

مقیم رہ کر ہی دشمن کی مدافعت کریں۔ مگر بزرگوں نے اس رائے کی تائید کی۔ مگر صحابہ کرام نے کہا کہ ہماری حمیت سے یہ امر بعید ہے۔ ہم کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ بالآخر انہی نوجوانوں کی رائے قابل عمل در آمد سمجھی گئی۔ اور مسلمانوں نے باہر نکلنے کی ٹھان لی۔

اہل قریش کی فوج اور سامان کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اب ذرا مسلمانوں کی جمعیت کا بھی شمار کر لیجئے کہ کل فوج گنتی میں ایک ہزار جس میں تین سو یہودی بھی شامل تھے۔ اور چونکہ یہ قابل اعتماد نہ تھے۔ اس وجہ سے قبل از جنگ ہی انھیں واپس کر دیا گیا۔ اور اہل قریش کے مقابلے کے لئے صرف سات سو مسلمان رہ گئے۔ جن کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ اور باقی کل فوج پیادہ۔ سامان حرب بس چند تیر کمانیں اور بس باقی خدا کا نام۔ غرض یہ مومنین کی بظاہر بے سر و سامان فوج مدینہ سے چھ میل چل کر احد کی پہاڑی تک آئی اور یہیں ڈیرے ڈال دیئے۔

قریش کا تیسرا حملہ یا جنگ احد

غرضکہ جنگ بدر سے تقریباً ایک سال بعد یعنی ۳ھ میں مکہ والے اپنا تین ہزار جرار لشکر لے کر مدینہ کی جانب ایسے زور شور سے بڑھے کہ اگر احد پر لشکر اسلام ان کو نظر نہ آجاتا۔ تو یثرب کی دیواروں کے نیچے ہی جا کر دم لیتے۔ مگر جب دیکھا کہ احد پہ خود جانباز مسلمان پیشقدمی کرتے پہلے ہی آ پڑے ہیں۔ تو اس پہاڑی کے دوسری جانب انھوں نے بھی اپنا لشکر اتارا اور بہادروں نے کمریں کھولیں۔

رات گذر گئی صبح صادق کی روشنی پھیلی۔ مسلمانوں نے فجر کی نماز ادا کر کے دشمن کی جمعیت پر نظر ڈالی۔ تو اپنے سے کئی گنا دیکھا۔ مگر آنحضرت نے ان کی تسکین کی اور کہا کہ خدا پر نظر رکھو اور دیکھو کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ آنحضرت نے اپنے سات سو بہادروں کو کئی صفوں میں تقسیم کر کے موقع بموقع کھڑا کر دیا۔ تاکہ دشمن کسی جانب سے بے خبری میں حملہ نہ کر سکے۔ اور

ایک درۂ کوہ کے قریب تیر اندازوں کو کھڑا کر کے حکم دیا کہ یہیں جمے کھڑے رہو اور خواہ کچھ بھی ہو اپنی جگہ سے نہ ہلو +

پھر آپ نے تمام فوج کو حکم دیا۔ کہ جب تک خود دشمن نہ بڑھے۔ تم ہرگز پیشقدمی نہ کرنا۔ سورج نکلتے نکلتے قریش بھی کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدان کی جانب بڑھے۔ اور آتے ہی نہایت زور و شور سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے لشکر اسلام اس حملہ کے وقت نہایت ثابت قدمی سے جا رہا۔ اور دشمن کے حملہ کا استقلال سے روکا۔ لڑائی دست بدست ہونے لگی۔ اور جنگ کی تیزی لحظہ بلحظہ بڑھتی گئی۔ نیزہ و تلوار بجلی کی رفتار سے چلنے لگے۔ نہایت گھمسان کا رن پڑا۔ لشکر اسلام نے وہ تلوار چلائی۔ کہ دشمن کا جی چھوٹ گیا۔ قریش بدحواس ہو کر میدان سے بھاگنے لگے۔ جب تیر اندازان اسلام نے جنھیں آنحضرت نے ایک پہاڑی کی جانب کھڑا کر کے حکم دیا تھا۔ کہ یہاں سے نہ ہلنا دشمن کے پاؤں اکھڑے دیکھے تو مال غنیمت کے شوق میں اپنا کام چھوڑ کر میدان جنگ کی طرف دوڑ پڑے مگر تیر اندازوں کا وہاں سے ہٹنا غضب ہو گیا۔ دشمن نے مسلمانوں کے دونوں پہلو خالی دیکھکر اور ان کو غنیمت کے عشق میں پا کر بھاگتے بھاگتے پھر پلٹا کھایا۔ اور دونو جانب سے حملہ کر کے مسلمانوں کو بیچ میں لے لیا۔ اور اس تیزی سے تلوار چلائی۔ کہ مسلمان اپنی جمعیت قایم نہ کر سکے۔ اب تیر اندازوں کو اپنی غلطی کا پتہ لگا۔ مگر بے سود۔ بہت سے مسلمان بہادر کام آئے۔ اور لشکر اسلام کا سخت نقصان ہوا۔ حضرت حمزہؓ شہید ہوئے خود آنحضرت صلعم کے چہرۂ مبارک پر تیر لگا نیز ایک پتھر سے دندان مبارک شہید ہوا۔ مسلمانوں کا علم بردار بھی میدان میں کام آیا۔ اور چونکہ علم بردار لشکر اسلام کی شکل و صورت آنحضرت صلعم سے کسیقدر مشابہ تھی لہذا لوگوں نے گھبراہٹ میں یہ سمجھا کہ آنحضرت صلعم شہید ہو گئے۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ بغیر تحقیق میدان سے چلدئے۔ اور پریشانی میں

آنحضرت صلعم کا بھی خیال نہ رہا۔ جو زخمی ہو کر گر پڑے تھے۔ اتفاق سے واہب بن مالک کی نظر آنحضرت صلعم پر پڑ گئی۔ اس نے دیکھا کہ آپ زخمی ہو کر لاشوں کے ڈھیر میں پڑے ہیں۔ اس نے مسلمانوں کو خبر دی۔ کہ آنحضرت صلعم زندہ ہیں۔ ان کے اوسان درست ہوئے۔ اور وہ دوڑے ہوئے آئے۔ اور آنحضرت کو لاشوں میں سے اٹھا کر لے گئے۔ زخموں کو دھویا مرہم پٹی کی۔ اور آپ کو دودھ پلایا گیا۔ تب ہوش آیا۔ غرضکہ بحیثیت مجموعی کل جمعیت اسلامی۔ اور خود رسول اکرم کی جانب سے سخت خدشہ لاحق ہو گیا تھا۔ مگر اس پریشانی کا باعث وہ غفلت ہوئی۔ جو اسلامی لشکر کے ایک دستہ نے سرور کائنات کے حکم کی تعمیل میں جو بحیثیت سپہ سالار اس وقت کار فرما تھے سرزد ہوئی۔ اس طرح خدائے تعالےٰ نے مسلمانوں کو سبق دیا۔ کہ جماعت کے قلیل ترین حصہ کی بے احتیاطی بھی کل جماعت کے حق میں بُرا اثر پیدا کر سکتی ہے۔ اس سے ہر مسلمان کو محتر زرہنا چاہیئے۔ غرض لشکر اسلام کو اس لڑائی میں سخت نقصان اُٹھانا پڑا۔ وہ صرف تیر اندازوں کی بدولت تھا جنھوں نے آنحضرت صلعم کی ہدایت پر عمل نہ کیا۔

جنگ ختم ہونے کے بعد ہندہ زوجہ ابوسفیان میدان کارزار میں آئی۔ اور مسلمانوں کے لاشوں کی خوب بے توقیری کی۔ اپنے ہاتھ سے حضرت حمزہ کی لاش کے ٹکڑے کئے۔ ان کا کلیجہ نکالا اور اپنے دانتوں سے چبایا۔ اور ان کی نعش کے ناک کان کاٹ دئے۔ اور ایسا ہی دوسری نعشوں کے ساتھ سلوک کیا۔ رات کو آنحضرت اور صحابہ کرام میدان میں آئے۔ مسلمان شہدا کی نعشوں کو دیکھکر مغموم ہوئے۔ خصوصاً اپنے پیارے چچا کی نعش کی حالت دیکھکر آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ روایت ہے کہ یہ حال دیکھکر آپ بھی طیش میں آکر حکم دینے والے تھے۔ کہ قریش کے مردوں کے ساتھ بھی اسی قسم کا سلوک کیا جائے۔ مگر فوراً خدائے تعالےٰ کی طرف سے وحی آئی۔ اور آپ کو اس

ارادہ سے روکا گیا۔ کہ ایسا انتقام شان نبوت کے شایاں نہیں۔ آپ رحمت اللعالمین ہیں +

جب ابوسفیان اور قریش کو معلوم ہوا کہ محمد مصطفےٰ زندہ ہیں۔ تو بہت ہی سٹے پٹائے۔ کیونکہ اب وہ اپنے اندر تاب مقاومت نہ دیکھتے تھے۔ اور ان کا خیال تھا۔ کہ مسلمان ضرور حملہ کریں گے۔ اس لئے یہ اتنی ہی فتح کو غنیمت سمجھکر مکہ کو لوٹ گئے۔ اور مسلمانوں سے ایک سال کے لئے صلح کر لی۔ اس بار مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا تھا تاہم مسلمان بھی خوش تھے۔ کہ انہوں نے حق مدافعت خوب ادا کیا۔ اور دشمن بھی ان کا لوہا مان گیا ہے۔ اور زیادہ نہیں تو ایک سال کے لئے تو ہم اس سے محفوظ ہیں۔ لیکن اصلیت یہ ہے۔ کہ اس شکست سے مسلمانوں کو کئی قسم کے نقصان پہنچے ہمسایہ اقوام ان کی ایذا رسانی پر دلیر ہو گئیں۔ اور ان کے ساتھ کئی بار دھوکہ کیا۔ چنانچہ قبیلہ بنی عمیر اور بنی سلیم نے ستر مسلمانوں کو دغا سے قتل ہی کر ڈالا۔ اور اسی طرح کئی دیگر عرب قبائل نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔ ان سب پر مدینہ کے یہودیوں کی مخالفت طرہ تھی۔ جو پہلے ہی مسلمانوں سے سخت خار کھائے ہوئے تھے اور جب سے مسلمان مدینہ میں آئے تھے۔ اُن سے کچھ نہ کچھ چھیڑ خانی نکالتے رہتے تھے۔ اور جنگ بدر کی کامیابی دیکھکر تو گویا ان کے آگ ہی لگ گئی تھی۔ اور کمینہ شرارتوں پر آ گئے تھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے آنحضرت صلعم کی ہجو میں قصیدے لکھے۔ بعضوں نے قومی گیت تصنیف کئے جن کا مقصد مسلمانوں کے خلاف قریش کا اُبھارنا تھا۔ آنحضرت وقتاً فوقتاً ان کو ان بیہودہ حرکات سے باز رہنے کی اور عام مسلمانوں کو صبر کرنے کی فہمایش کرتے رہے۔ مگر جب یہودی ذرا بھی اس سے مس نہ ہوئے۔ اور آئے دن نئی نئی شرارتیں تراشتے رہے۔ تو آنحضرت نے بھی مجبور ہو کر کہہ دیا۔ کہ اب میں ذمہ وار نہیں۔ مسلمان جو چاہیں کریں۔ وہ مختار ہیں۔ اور

یہودیوں کی شرارت

اب مسلمانوں میں علانیہ اپنی گذشتہ خفتوں کا انتقام لینے کی خواہش پیدا ہونے سے یہ دونوں ایک دوسرے کے کھلے حریف ہو گئے۔ اور جھگڑے کے لئے بہانہ ڈھونڈنے لگے۔

بدقسمتی سے جلد ہی ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس میں یہودیوں کی صریحاً زیادتی تھی۔ بات یہ ہوئی کہ ایک روز اتفاق سے ایک عرب مسلمان نوجوان لڑکی دودھ بیچتے بیچتے یہودیوں کے بازار میں جا نکلی۔ شریر یہودی اسے دق کرنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ تو اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا دے۔ عرب لڑکی نے بے نقاب ہونا پسند نہ کیا۔ اور کہا تم کو دودھ لینا ہے تو لو۔ ورنہ بیہودہ بکواس نہ کرو۔ اس پر ایک یہودی سنار نے ہاتھ بڑھا کر اس کا نقاب الٹ دیا۔ یہ کیفیت ایک مسلمان نے بھی دیکھی۔ جو اتفاق سے ادھر جا نکلا تھا۔ اس کی غیرت وحمیت نے گوارا نہ کیا کہ یہ واردات اپنی آنکھوں سے دیکھ کر خاموش رہے۔ اس نے فوراً میان سے ... کھینچ لی۔ اور سنار پر وار کیا جس نے اپنی دکان پر لڑکی کو بٹھا کر بیعزتی کی تھی۔ یہودیوں کا تو محلہ ہی تھا۔ بہت سے یہودی سنار کی مدد کو آپہنچے۔ مگر اتنی دیر میں ادھر مسلمانوں کو بھی خبر لگ گئی۔ اور وہ بھی دوڑ پڑے۔ اور آناً فاناً میں سینکڑوں جمع ہو گئے۔ یہودی یہ حال دیکھ کر اور اپنی طاقت کو کم پا کر جھٹ قلعہ میں گھس گئے۔ اور اندر سے دروازے بند کر لئے۔ مسلمانوں نے چاروں طرف سے قلعہ کو گھیر لیا۔ اور محاصرہ کر کے بیٹھ گئے۔ اب نہ یہودی دروازہ کھولتے ہیں نہ قلعہ سے باہر نکلتے ہیں۔ اسی طرح کئی روز گذر گئے۔ اور مسلمان محاصرہ کئے پڑے رہے۔ آخر یہودیوں نے بھوک پیاس سے تنگ آکر دروازہ کھول دیا۔ اور امان کے طالب ہوئے

اب یہ بالکل مسلمانوں کے رحم پر تھے۔ اور ان کی گذشتہ شرارتوں پر خیال کر کے مسلمانوں کا ارادہ تھا کہ انھیں قتل کر دیں۔ مگر عبداللہ بن اُبی نے ان کی سفارش کی اور کہا انھیں قتل کرنے کی بجائے جلاوطنی کی سزا دیدی

جائے۔ انکے لئے اتنی ہی سزا کافی ہو گی۔ غرض مسلمانوں نے اس علاقہ سے ان کے نکال لینے پر ہی اکتفا کیا +

قبیلہ بنی نضیر کی دوستی کے پردہ میں دشمنی

اسی طرح قبیلہ بنو نضیر کے یہودیوں نے مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ مگر اپنی بزدلی کی وجہ سے مسلمانوں سے علانیہ مخالفت نہ کر سکے۔ اور انھیں دوستی کے پردہ میں تباہ کرنا چاہا۔ چنانچہ انھوں نے آنحضرت کی دعوت کی آپ مقررہ وقت پر معہ ابوبکرؓ عمرؓ و علیؓ اور دیگر صحابہ کے وہاں تشریف لے گئے۔ اور یہ دیکھکر متعجب ہوئے۔ کہ یہودیوں نے ایک کھلے میدان میں پس دیوار فرش وغیرہ بچھا کر سامان دعوت کیا تھا جہاں مدعو مسلمانوں کو بٹھایا گیا۔ مگر آنحضرت یہاں آتے ہی سمجھ گئے۔ کہ یہ دعوت کے پردہ میں عداوت کرنے اور آپ کی جان لینے کے درپے ہیں۔ اس لئے آپ خاموشی سے اٹھکر چلدئے۔ اور لوگوں نے سمجھا۔ کہ آپ قضائے حاجت کو جا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔ مگر جب آپ عرصہ تک نہ آسکے۔ تو مجبور ہو کر صحابہ بھی اٹھکر چلے آئے اور اس طرح مسلمان آنیوالی مصیبت سے بچ گئے

یہودیوں کو اس منافقانہ کارروائی کی سزا دینی ضروری تھی۔ اسواسطے مسلمانوں نے ان پر زور شور سے حملہ کیا۔ جس کی یہودی مدافعت نہ کر سکے۔ اور کچھ تو شام کی جانب فرار ہو گئے۔ اور کچھ قلعہ خیبر میں جو ان کا مشہور مامن تھا پناہ گیر ہو گئے۔ اور اپنے مال و اسباب کو یونہی چھوڑ گئے یہ سب مال غنیمت شمار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ لیکن آنحضرت صلعم نے اس کو فوج میں تقسیم نہ کیا۔ اور فرمایا کہ بغیر لڑائی کے ہاتھ آیا ہوا مال سپاہ کا حق نہیں۔ بلکہ یہ مال بیت المال میں داخل ہو گا جس سے مساکین محتاجوں اور یتیموں کی امداد کی جائے گی +

الغرض ایک طرف قریش مسلمانوں کے دشمن جان بنے ہوئے۔ تو دوسری طرف یہودی بھی ان بیچاروں کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ اور اب ان کو ایک چھوٹے

دو دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اب تک تو یہودی درپردہ چوٹیں کرتے رہے تھے۔ مگر اب اُنھوں نے اب علی الاعلان کھلا اظہار دشمنی کیا +

لیکن جن لوگوں کے سر پر خدائی ہاتھ ہو۔ وہ دو دشمن کیا ہزار دشمنوں سے نہیں ڈرتے۔ مسلمان اسباب ظاہری پر بہت کم بھروسا کرتے تھے۔ کیونکہ واقعات نے انھیں بتا دیا تھا کہ غلبہ قلت وکثرت تعداد پر منحصر نہیں ہے اور سب سے زیادہ ان کی ہمت کو بلند کرنے والا یہ خیال تھا۔ کہ خدا ہر وقت ان کی امداد پر ہے۔ اور یہی ایک خیال ہے۔ کہ جس کی بنا پر ہر ایک مسلمان ہر وقت مستقل مزاج رہ سکتا ہے۔ اور بڑے بڑے خطرہ کے موقع پر بھی غدائی مدد کا منتظر رہتا ہے

بنو نضیر کے قضیہ سے مسلمان نمٹے ہی تھے۔ کہ ان کو خبر ملی۔ کہ ان کا ایک اور نیا دشمن ان پر سپاہ لئے آرہا ہے۔ یہ قبیلہ **بنو المصطلق** تھا۔ جو اپنے حاکم حارث کی ماتحتی میں چھپا ہوا مسلمانوں کی جانب آرہا تھا۔ مسلمان فوراً مقابلہ کے لیئے تیار ہو گئے۔ اور قبل اس کے کہ قبیلہ مذکور یکا یک پہنچکر مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ مسلمان جانبازوں نے پہلے ہی اس کا راستہ جا روکا۔ خوب ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ مغرور حملہ آور دشمن نے شکست کھائی۔ اور ان کا سردار حارث بہ دشواری تمام بھاگنے کا موقع پا کر جان بچا لے گیا۔ فوج بغیر سردار کے کیا جمتی۔ اس نے بھی بھاگنے ہی میں بہتری دیکھی۔ تاہم ان میں سے دو سو آدمی مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے۔ علاوہ ازیں مال غنیمت سے مسلمانوں کے ہاتھ پانچہزار بھیڑیں۔ اور ایک ہزار اونٹ آئے +

قیدی مثل مال غنیمت کے بہادروں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ ان میں اکثر بڑے پایہ کے لوگ تھے۔ ازانجملہ حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھی۔ جو بوقت تقسیم ثابت ابن قیس کے قبضہ میں آئی مگر مغرور شہزادی کو یہ امر سخت ناگوار تھا کہ وہ ایسی ادنے حالت میں رہے۔ اسواسطے اُس نے ثابت کو خوشحال در آمد سے زر فدیہ لے کر چھوڑ دینے پر آمادہ کر لیا۔ اور ثابت نے بھی اقرار

کر لیا۔ کہ اس قدر روپیہ لے کر میں تم کو آزاد کر دوں گا۔ مگر اس بیچاری قیدن کے پاس روپیہ کہاں! اور کون اسے دے۔ بڑی پریشان ہوئی۔ سخت کوشش کے بعد بھی جب وہ کہیں سے روپیہ نہ بہم پہنچا سکی۔ تو مجبور ہو کر ایک روز آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور درد دل سنایا۔ کہ میں بادشاہ کی بیٹی ہوں۔ اور قسمت کی خوبی سے اس حالت کو پہنچی ہوں کہ مجھے ایک سپاہی کی کنیز بن کر رہنا پڑا۔ یہ حالت میں کسی طرح پسند نہیں کرتی۔ کیا کروں میرے سب عزیز و اقارب بھی سپاہیوں کی غلامی میں گرفتار ہیں۔ میری حالت آپ پر روشن ہے۔ اگرچہ میرے اور آپ کے دین میں زمین آسمان کا فرق ہے مگر آپ کی کریم النفسی سے مجھے امید ہے۔ کہ جناب میرے حالِ زار پر رحم فرمائیں گے۔ کیونکہ آپ کے سوا کوئی میرا فریادرس نہیں ہے۔ صرف آپ ہی مجھے اس ذلیل زندگی سے آزادی دلوا سکتے ہیں۔

جویریہ کی دردانگیز باتیں سن کر آنحضرت آبدیدہ ہوئے۔ اور اُسے اطمینان دلایا۔ لیکن فکر میں پڑ گئے۔ کہ کس طریقے سے اس کی امداد کی جائے۔ کیونکہ جب وہ قیدیوں کے زمرہ میں ثابت کے حصہ میں آ چکی تھی۔ تو یہ کسی طرح مناسب نہ تھا۔ کہ حضور ثابت کو جویریہ کے آزاد کرنے کا حکم دیدیتے۔ کیونکہ اگر آپ ایسا حکم دیتے۔ تو ثابت کی حق تلفی ہوتی۔ اس لئے آپ نے زرِ فدیہ اپنے پاس سے ادا کر کے جویریہ کو آزاد کرا دیا۔ اور ایک معتبر شخص کے ہمراہ مدینے بھجوا دیا۔ تاکہ وہ عزت و احترام سے اپنے والدین کے پاس پہنچا دی جائے۔

اسی اثنا میں اس کا باپ حارث بہت سے بیش قیمت تحفے اور زر و جواہر لے کر مدینہ پہنچا۔ کہ اگر ممکن ہو۔ تو بیٹی کے عوض زر و جواہر دے کر اسے آزاد کرا لائے۔ آنحضرت بھی مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ کہ حارث مدینہ پہنچکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور مدعا بیان کیا۔ جب آپ نے اصل واقعہ سے

اس کو اطلاع دی۔ حارث کے دل پر آنحضرت کے اس حسن سلوک کا بہت گہرا اثر ہوا۔ اور وہ اظہار شکر و احسانمندی کے لئے اپنا سر آنحضرت کے قدموں پر رکھے دیتا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کو غلامی کی ذلت سے چھڑانے آیا تھا مگر یہ الفاظ جناب سرور کائنات کی پیشکش دیتی تھی۔ اب اس نے خود حضرت کے قید غلامی میں آنے کو اپنی عزت سمجھا اور نہایت خوشی و رضا و رغبت سے باپ اور بیٹی نے اسلام قبول کیا +

حارث نے درخواست کی کہ اگر میری بیٹی کو حضور اپنی کنیزی میں قبول فرمائیں تو میں اپنی بڑی عزت سمجھوں گا +

ابھی حضرت نے اس کا کچھ جواب نہ دیا تھا مگر حارث کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہی تمام لشکر اسلام میں پھیل گئے۔ اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے ارادہ ظاہر کیا۔ کہ اگر ایسا ہوگا۔ تو ہم شہزادی جویریہ کے تمام عزیز و اقارب کو فوراً آزاد کر دیں گے۔ ورنہ آنحضرت کی شان میں نہایت سوء ادبی ہوگی۔ کہ ان کے سسرال کے لوگ ہماری غلامی میں رہیں۔ اس شہرت اور مسلمانوں کے ارادۂ رہائی غلامان کی نسبت آنحضرت کو بھی اطلاع پہنچ گئی۔ چونکہ آزادی غلامان بھی آنحضرت کی رسالت کا اہم مقصد تھا۔ اس لئے آنحضرت نے بھی اس نکاح پر رضامندی ظاہر فرمائی۔ اور اسی وقت عقد ہو گیا۔ ادہر نکاح ہوا ادہر حارث کے تمام رشتہ دار جو جنگی قیدی اور مسلمانوں کے غلام و لونڈی بنے ہوئے تھے یک قلم آزاد کر دیئے گئے۔ یہ عجیب نظارہ تھا۔ اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ مسلمانوں کے دل میں آنحضرت کی کسقدر محبت تھی۔ اور کس درجہ عظمت..... تاریخ اسلام میں یہ نکاح اس لئے خاص طور پر قابل وقعت اور سنہری حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے۔ کہ کسی اور مسلمان بی بی کا نکاح اس قدر خیر و برکت کا موجب نہ ہوا۔ کیونکہ سو سے زیادہ ان کے عزیز و اقارب غلامی سے آزاد ہوئے۔ اور سب نے مذہب عیسوی کو چھوڑ کر اور تثلیث سے منہ موڑ کر ایک خدا کی پرستش اختیار کی +

مہم مذکور کے ساتھ واقعہ **قصۂ افک** پیش آیا جس کی تفصیل ہم ایک غیر مسلم مصنف سٹرو سے پرکاش کے الفاظ میں تحریر کرتے ہیں۔

"اس مہم میں حضرت عائشہ آنحضرتؐ کے ہمراہ تھیں۔ ایک روز جب منزل سے قافلہ روانہ ہونے لگا۔ تو حضرت عائشہ کی سواری کے لئے اُن کا اونٹ آیا۔ حضرت عائشہ کو سوار ہوتے وقت یاد آیا۔ کہ جہاں میں ٹھیری تھی وہاں اپنا ہار بھول آئی ہوں۔ یہ سوچ کر وہ (بی بی عائشہ) ہار لینے واپس چلی گئیں۔ شتربان نے انھیں واپس ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ اونٹ کے پاس انھیں نہ دیکھ کر یہ سمجھا کہ وہ سوار ہو چکی ہیں۔ وہ اونٹ کو کھڑا کر کے قافلہ کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔ اور کسی کو یہ نہ معلوم ہوا۔ کہ حضرت عائشہ پیچھے رہ گئیں۔ حضرت عائشہ کو ہار کی تلاش میں کچھ دیر لگ گئی۔ اور جب وہ واپس آئیں۔ تو اونٹ کو (وہاں) نہ پاکر بہت گھبرائیں۔ کیونکہ سب قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ لاچار وہ وہاں سرِ راہ بیٹھ گئیں۔ اور نہایت پریشان تھیں۔ کہ کیا کریں۔ اتنے میں انھوں نے دیکھا۔ کہ **صفوان** جو حضرت کے صحابیوں میں سے تھا۔ اونٹ پر چلا آتا ہے۔ حضرت عائشہ نے اُسے ٹھیرایا اور اپنا تمام ماجرا سُنایا۔ وہ جھٹ اونٹ پر سے اُتر پڑا۔ اور حضرت عائشہ کو اونٹ پر سوار کر کے آپ پیادہ مہار پکڑ کر روانہ ہوا۔ اور قافلہ سے جا ملا۔"

جب یہ خبر قافلے اور قافلے سے مدینہ میں پہنچی۔ تو بدباطن اور خبیث النفس لوگوں نے جن کے دل ہمیشہ ناپاکی سے بھرے رہتے ہیں۔ طرح طرح کی ناپاک باتیں گھڑیں۔ اور حضرت عائشہ پر بہتان باندھے۔ حضرت کو ان باتوں کے سُننے سے بہت رنج ہوا۔ اور بمقتضائے بشریت تشویش پیدا ہوئی۔ اور تمام مہینہ پریشانی میں گذرا۔ مگر چونکہ دشمنوں کے بہتان کی کوئی اصلیت نہ تھی۔ اور حضرت عائشہ کی ذات ستودہ صفات ایسے خیالات سے پاک تھی۔ خدائے تعالےٰ نے اپنے فضل سے حضرت کی پریشانی کو دور کر کے

آپ کو اطمینان بخشا۔ جن لوگوں نے حضرت عائشہ پر طوفان کھڑا کیا تھا۔ اُن کو قانون شرعی کے بموجب اسّی اسّی ضرب تازیانہ کی سزا دی گئی + (سوانح عمری آنحضرت مؤلفہ شردھے پرکاش)

قریش کا چوتھا حملہ جنگ خندق

اہل مکہ نے تیسرے حملہ کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کا اقتدار جمتا دیکھکر یہ رائے قایم کی۔ کہ مسلمانوں کے استیصال کے لئے سخت سے سخت کوشش کی ضرورت ہے۔ ابوسفیان جو ایک سال کے لئے مسلمانوں سے صلح کر کے گیا تھا۔ اس نے ایک دم بیکار نہ بیٹھا۔ وہ بذات خود عرب کے تمام قبیلوں کے پاس گیا۔ اور ان میں مسلمانوں کی دشمنی کی روح پھونکی۔ نیز اہل مکہ نے اپنی ہر قسم کی طاقت واثر کو کام میں لاکر تمام عرب میں قاصد دوڑائے۔ اور ملک بھر کے جنگ جو قبیلوں کو آمادہ پیکار کیا۔ اہل مکہ اور ابوسفیان نے اعراب کے علاوہ یہودیوں کو بھی دعوت بھیجی مدینہ کے علاوہ خیبر کے یہودیوں کو بھی آمادہ کیا۔ اور سب سامان لیس کر کے سال کے پورا ہونے کے منتظر ہو بیٹھے +

ادھر سال ختم ہوا۔ اُدھر ابوسفیان دس ہزار ٹڈی دل لشکر اپنے ہمراہ لے کر مدینہ کی جانب بڑھا۔ یہ سپاہ ہر قسم کے اسلحہ جنگ اور ساز وسامان سے درست تھی۔ اس کا ہر ایک فرد اپنی شجاعت کا آپ مداح تھا۔ اس کے علاوہ پچھلی ہزیمت کی ندامت۔ جوش انتقام۔ خود مسلمانوں کے ساتھ مذہبی مخالفت ان کے دلوں کو اور بھی اُبھار رہے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ قریش مٹھی بھر مسلمانوں کو جاتے ہی پیس ڈالیں گے۔ مگر قدرت کو اپنی معجز نمائی دکھانی منظور تھی۔ اور ثابت کرنا تھا کہ جس کو خدا رکھے اُسے کون چکھے +

یہ خبر مسلمانوں کے لئے کم خوفناک نہ تھی چنانچہ اوّل اوّل انھیں بڑا تردد پیدا ہوا۔ مگر آخر رضا بہ قضا ہو کر آمادہ مقابلہ اور ہمہ تن تدابیر میں مشغول ہو گئے۔ اس مرتبہ دشمن نے پورے سامان سے مقابلہ کی ٹھانی تھی۔ پورے دس ہزار

نبرد آزما آرہے تھے۔ اور یہاں چند گنتی کے مسلمان اور وہ بھی بے سروسامان اسلحہ جنگ کا تو ذکر ہی کیا۔ تن ڈھانکنے کو پورا کپڑا میسر نہ تھا۔ ایسی حالت میں یہ کسی طرح مناسب نہ معلوم ہوا۔ کہ آگے بڑھکر دشمن کو روکا جائے۔ کیونکہ لشکر قریش کے علاوہ مسلمانوں کو ایک کھٹکا یہ بھی لگا ہوا تھا۔ کہ عبد اللہ ابن ابی اور مدینہ کے یہودی بھی موقع پاکر حملہ نہ کردیں۔

الغرض قرار یہ پایا۔ کہ مدینہ ہی میں محصور ہوکر صرف مدافعت پر قناعت کی جائے۔ حضرت سلمان فارسی نے جو ایرانی الاصل صحابی تھے۔ صلاح دی کہ مدینہ کے گرداگرد ایک خندق کھدوالی جائے۔ اس سے دشمن کی روک ہوگی۔ اور وہ دفعتاً حملہ نہ کرسکیں گے۔ حضرت نے اس رائے کو بہت پسند فرمایا۔ اور مسلمان خندق کی کھدائی میں مصروف ہوئے۔ خود آنحضرتؐ سب کے ساتھ کھدائی میں شریک تھے۔ اور کسی کو تن بدن کی ہوش نہ تھی۔ اگر خیال تھا۔ تو صرف یہی کہ دشمن کے آنے تک کسی نہ کسی طرح یہ کام پورا ہوجائے۔ کیونکہ دشمن کے آنے کی خبر اب دم ہورہی تھی۔ جس وقت سے کھدائی شروع کی تھی کوئی مسلمان ایک لحظہ کے لئے نہ تھما تھا۔ نہ روٹی کھائی نہ پانی پیا۔ سب بھوکے پیاسے کام میں مشغول تھے۔ خیال یہ تھا کہ کام چھوڑکر روٹی کھانے کون جائے۔ اتفاق سے ایک خادم ایک ٹوکری بھرکر کھجوروں کی لے آیا۔ خدا نے اسی میں اتنی برکت دی۔ کہ سب مسلمانوں نے شکم سیر ہوکر کھجوریں کھالیں۔ اور پھر بھی بچ رہیں۔ غیر مسلم مورخوں نے اس روایت کو مسلمانوں کی خوش اعتقادی پر محمول کیا ہے۔ خیر اگر ان کے خیال کے مطابق یہی صحیح سمجھا جائے۔ کہ مسلمانوں کی بھوک پیاس غنیم کے خوف اور خندق کی کھدائی کی فکر و مشغولیت سے اڑگئی تھی۔ اس لئے وہ کھجوریں بچ رہیں۔ تو بھی اس سے مسلمانوں کے تفکرات و مشکلات اور مستعدی و جفاکشی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

ادھر خندق تیار ہوئی اُدھر سامنے سے دشمن نمودار ہوا۔ تقریباً تین ہزار کے قریب مسلمانوں کی جمعیت بھی ہوگئی۔ اور حسب المراد شہر سے نکلکر دشمنوں کے سامنے خندق کی آڑ میں آڈٹے۔ گو مسلمان تعداد میں کم اور بے سر و سامان تھے۔ مگر ان کے دل تائید غیبی کے یقین نے قوی کر رکھے تھے۔ دشمن نے کثرت تعداد کے غرور میں چاہا۔ کہ ایک دم ہلہ کر کے مسلمانوں کو پیس ڈالے۔ مگر خندق نے ان کا راستہ روکا۔ تو باہر ہی سے تیر برسانے شروع کئے۔ مسلمان اس کے دوسری طرف محصور تھے۔ اپنی حفاظت کرتے اور حسب ضرورت جواب دیتے رہے۔ لیکن ابھی سوائے دور کے مقابلہ کے کوئی نتیجہ نکلا تھا۔ کہ لشکر اسلام میں خبر پہنچی۔ کہ قبیلۂ بنو قریظہ جس نے مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور صلح کا پیمان کر رکھا تھا معاہدہ کو بالائے طاق رکھکر قریش سے جا ملا ہے اس خبر کے سنتے ہی مسلمان بہت ہی متفکر اور پریشان ہو گئے۔ مگر صرف تھوڑی دیر کے لئے۔ جس کے بعد ایک جماعت کو دشمن کے مقابلہ پر چھوڑ کر آنحضرت اور صحابۂ کرام مشورہ کے لئے ایک جگہ جمع ہوئے۔ اور آیندہ کے متعلق تدابیر سوچنے لگے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر اس وقت قبیلہ بنی غطفان کو محاصل مدینہ کی ایک تہائی آمدنی دینا کر کے اپنا طرفدار بنا لیں تو بہتر ہے۔ اس پر سعد ابن معاذ نے جو قبیلہ بنی اوس کا ایک شجاع جوان تھا۔ کہا کہ اگر جناب ایسا ازروئے وحی فرماتے ہیں۔ تو ہمیں اس میں کچھ بھی عذر نہیں لیکن اگر آپ کی یہ ذاتی رائے ہو۔ تو میں کچھ عرض کچھ کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ میری ذاتی رائے ہے وحی نہیں۔ اگر وحی ہوتی۔ تو مجھے کسی سے مشورہ کی کیا ضرورت تھی۔ اس پر معاذ نے جوش دلاوری میں آکر کہا۔ یا حضرت جب ہم بت پرست تھے۔ تو ہم نے اسوقت بنی غطفان کو کبھی خراج کے طور پر ایک کوڑی نہیں دی۔ اور اب تو خدا کے فضل سے اللہ نے ہمیں اسلام کی دولت اور حضور کی حلقہ بگوشی کا اعزاز بخشا ہے

پھر ہم ایسی ذلت کیسے گوارا کر سکتے ہیں۔ ہمارے اور دشمن کے درمیان تلوار فیصلہ ہے۔ اگر اس کی تلوار میں طاقت ہے۔ تو ایک ثلث کیا۔ ہم سے کل محاصل لے۔ لیکن جب تک ہمارے بازو میں طاقت ہے ہم سے یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی۔ ہمیں گو ئے ہمیں میداں ہم بھی سر بکف ہیں۔ اور ہر طرح لڑنے مرنے کے لئے مستعد اور تقدیری فیصلہ کے منتظر۔ آنحضرتؐ یہ تقریر سُن کر خاموش ہو گئے ✤

تیر اندازی اور دور کا مقابلہ دو تین روز تک جاری رہا۔ جس کا کوئی نتیجہ نکلتا دیکھکر قریش کے من چلے نوجوانوں سے صبر نہ ہو سکا۔ اور آخر کار چوتھے روز لشکر قریش میں سے عکرمہ بن ابوجہل۔ اور عمرو عبدوُد اور چند اور نوجوان خندق سے گزر کر میدان میں آئے۔ اور لشکر اسلام کو للکار کر بولے کہ کوئی مرد میدان ہو۔ تو ہمارے مقابلہ کو آئے؟ یہ سُنکر مسلمانوں میں سے فوراً حضرت علیؓ سعد ابن معاذ اور دو ایک اور بہادر ان کے مقابلہ میں آئے۔ اور ہر ایک بہادر اپنے حریف سے مشغول پیکار ہو گیا۔ اور کچھ عرصہ دلیرانہ جنگ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے نعرہ اللہ اکبر کے ساتھ اپنے بت پرست حریف عبدوُد کو واصل جہنم کیا۔ اس کے بعد لڑائی عام ہو گئی۔ خدا پرست و بت پرست مخلوط ہو گئے۔ دوست دشمن کا امتیاز مشکل ہو گیا۔ خوب لوہے سے لوہا بجا۔ طرفین کے بہادر کام آئے۔ مسلمانوں میں سے سعد ابن معاذ زیادہ زخمی ہوئے۔ مگر اس سخت لڑائی کے بعد لشکر قریش کے قدم اُکھڑ گئے۔ اور جوانانِ قریش بھاگتے نظر آئے۔ اس بھاگڑ میں قریش کے ایک بہادر نوفل بن عبداللہ کا گھوڑا خندق میں گر پڑا۔ مسلمانوں نے اس پر سنگباری کی تو اس نے کہا

مرتے کو مارنا بیدردی ہے ✤ ہے بہت دور جوانمردی سے

اگر تم میں کوئی مرد میدان ہے۔ تو میرے مقابلہ میں آئے۔ دو دو ہاتھ ہو جائیں ✤

حضرت علی کو یہ سُن کر تاب کہاں ۔ فوراً آنحضرت سے اجازت لے کر نوفل کو خندق میں جا ڈانٹا کہ لے علی تیرے مقابلہ میں ہے ۔ کچھ جوانمردی کے جوہر دکھا ۔ نوفل یہ ڈانٹ سنکر سنبھلا ۔ اور مقابلہ شروع ہو گیا ۔ دونوں بہادر ایکی چوٹ تھے ۔ دیکھنے والے بیصبری سے نتیجہ کے منتظر تھے ۔ کہ حضرت علی اپنے حریف کا سر ہاتھ میں لئے ہوئے خندق سے باہر آئے ۔ اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے لشکر سے نعرہ اللہ اکبر اٹھا ۔ جس نے قریش کے رہے سہے حوصلے بھی پست کر دئے ۔ قریش میں سے عکرمہ بن ابو جہل بھی جو سپہ سالار کی حیثیت رکھتا تھا حضرت علیؓ کے ہاتھ سے سخت زخمی ہوا ۔ اور بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا ۔ اور اپنے لشکر میں جا کر دم لیا ۔ اور اس طرح آج کا میدان قریش کی ناکامی کا دیباچہ ثابت ہوا ۔ باوجودیکہ قریش پورے دس ہزار جوان لے کر آئے تھے ۔ اتنی بڑی تعداد کہ جنگل اور میدان ان سے بھرا ہوا نظر آتا تھا ۔ اور سامان حرب سے ہر طرح درست ۔ مگر ان خفیف ناکامیوں ہی سے ایسے زچ ہوئے ۔ کہ خندق پار ہو کر حملہ کرنیکی جرأت نہ تھی ۔ کیونکہ ان میں سوا کثرت تعداد اور آہنی ہتھیاروں کے وہ قوت کہاں جو مسلمانوں کے پاس تھی ۔ یعنی قوت ایمان اور خدائی مدد ۔ یہ دین اسلام ہی کو شرف حاصل ہے کہ اس کی تھوڑی جمعیت زیادہ پر غالب آئے ۔ سبحان اللہ

یہ سب کچھ تھا ۔ مگر بحالات موجودہ مسلمان بھی کچھ کم مشوش نہ تھے ۔ اور یہ چھوٹی چھوٹی کامیابیاں ان کو اپنی قلت تعداد کی وجہ سے خندق سے نکلکر قریش کا تعاقب کرنیکی اجازت نہ دیتی تھیں ۔ اور لڑائی کے فیصلہ کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی تھی ۔ کہ دفعتاً مسلمانوں کو خیال آیا ۔ کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے اور اینٹ کا جواب پتھر ہی سے دینا مناسب ہے ۔ انھوں نے بنی قریظہ کی دغا بازی کا جواب "الحرب خدعۃ" (لڑائی مکر ہے) سے دیا ۔ اور ان میں سے ایک معتبر شخص بنو قریظہ کے پاس گیا ۔ اور معمولی گفت و شنید کے بعد

اُن سے کہا کہ تم مسلمانوں کا مقابلہ کر کے سخت غلطی کر رہے ہو۔ لڑائی کا رنگ دیکھ ہی چکے ہو۔ کہ آج نہیں کل۔ کل نہیں پرسوں قریش شکست کھا کر مکہ کو چلے ہی جائیں گے۔ اُن کا کیا نقصان ہوگا مزے سے اپنے گھر میں بیٹھکر چین کریں گے۔ مگر تمھیں ہر وقت مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ رہنا ہے۔ ہر دم کا مقابلہ ہے۔ تم اپنے گھر بار چھوڑ کر بھاگنے سے رہے۔ بس تمہاری شامت آجائے گی۔ ہاں اگر اہل مکہ تمہارا اس بات سے اطمینان کر دیں۔ کہ وہ بغیر فتح کئے ہرگز مکہ نہ جائیں گے اور تمہارا ساتھ دیں گے۔ تو بیشک درست ہے۔ مگر زبانی باتوں کا کیا اعتبار جبتک کہ تم اُنکے چند سردار بطور یرغمال اپنے پاس نہ رکھو۔

اس کے بعد یہی شخص اہل قریش کے پاس پہنچا۔ اور ادھر اُدھر کی گپ شپ کے بعد کہنے لگا۔ کہ بنو قریظہ بڑے چالاک ہیں۔ ادہر آپ سے دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ اُدہر مسلمانوں سے ملے ہوئے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں سے اقرار کر لیا ہے۔ کہ اہل قریش کے چند یرغمال ان کے حوالہ کر دینگے یہ ایک حکمت عملی تھی۔ جس کا مقصد دشمن میں نا اتفاقی ڈالنا تھا۔ اور وہ اپنا کام کر گئی۔ چنانچہ جب ابو سفیان نے بنی قریظہ کے پاس یہ پیغام بھیجا۔ کہ کل مسلمانوں پر حملہ ہوگا۔ آپ بھی تیار رہیں۔ اس نے نہایت رکھائی سے کہلا بھیجا۔ کہ کل ہمارا تعطیل کا دن ہے۔ اسواسطے ہم حملہ میں شریک نہ ہونگے۔ اور اگر اس کے بعد تم لوگوں کو ہماری مدد کی ضرورت ہو تو آخر تک ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کرو۔ اور اپنے چند سردار بطور یرغمال ہمارے پاس بھیجدو۔

یہ جواب پاکر ابو سفیان اور اہل قریش نے بہت پیچ و تاب کھایا۔ اور دل میں خیال کیا کہ وہ شخص سچ کہتا تھا۔ واقعی بنی قریظہ شریر ہیں۔ اور اب دہوکا دینا چاہتے ہیں۔

اس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ اہل قریش نے حملہ کا خیال چھوڑ دیا۔ اتفاقاً اس کے بعد ہی نہایت زور و شور سے آندھی آئی جس نے بڑے بڑے تناور درختوں کو سرنگوں کر دیا۔ اور قریش کے ڈیرے سے خیمے اکھاڑ کر پھینک دیئے بے انتہا بارش ہوئی۔ اور اسقدر سیلاب آیا کہ اس سے قریش کا سب مال و اسباب اور سامان حرب تک بہہ گیا۔ اب لشکر قریش میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ سب آفت آنحضرتؐ کی لائی ہوئی ہے۔ اور جادو کے زور سے یہ بلا نازل کر کے مسلمان عنقریب ہم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ بیدلی تو پہلے ہی سے پھیلی ہوئی تھی۔ یہ خیال سمند نار پہ ایک اور تازیانہ ہوا۔ اور اب اہل قریش نے بالکل ہمت ہار دی۔ سب سے پہلے ابوسفیان سانڈنی پر سوار ہو میدان چھوڑ کر بھاگا۔ اور سب سے کہتا گیا کہ خیر چاہتے ہو۔ تو بھاگ آؤ۔ یوں بھی سردار لشکر کی پیروی سب پر واجب تھی مگر اس بدحواسی آمیز تاکید نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ اور لشکر قریش میدان سے اس قدر سراسیمہ اور بدحواس ہو کر بھاگا کہ مکہ سے ورے پیٹھ پھیر کر نہ دیکھا۔ اور اس طرح خدائے مطلق نے جس کے قبضہ میں فتح و شکست ہے۔ اور جس کی ذات پر مسلمانوں کو ہر دم بھروسہ تھا۔ اپنے بیکس مخلص بندوں کو سخت دشمن سے رہائی دی۔ سبحان اللہ وہو القوی العظیم ٭

حملہ آور کل پچیس دن تک محاصرہ کئے رہے۔ اور وقتاً فوقتاً حملے بھی کرتے رہے۔ مسلمان محصورانہ مدینہ کے اندر سے خندق اور دمدمہ کے عقب سے حملہ آور فوج کی مدافعت کرتے رہے۔ مگر قریش ایک مورچہ بھی مسلمانوں سے نہ لے سکے۔ اور طویل محاصرہ کی وجہ سے غالباً اتنے بھاری لشکر کے لئے رسد رسانی بھی دشوار ہو گئی۔ اس لئے آخر انھیں فرار ہوتے ہی بنی۔ مسلمانوں نے اس عرصہ میں سخت تکلیفیں اٹھائیں۔ بیرونی حملہ آور فوج کے علاوہ شہر کے اندر یہودیوں نے بھی آنکھیں دکھائیں۔ جیسا کہ بالتفصیل اوپر گذرا۔ لیکن اب بفضل خدا مسلمانوں کی تقریباً تمام تکالیف کا خاتمہ ہو چکا تھا ٭

بنو قریظہ سے انتقام

بنو قریظہ نے ایسے وقت میں دہوکہ دیکر اپنی دانست میں مسلمانوں کے تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا۔ اور درحقیقت یہ ایسا سنگین جرم تھا۔ کہ مسلمان کسی طرح اسے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اگر خدانخواستہ دشمن ان کی مدد سے فتحیاب ہوجاتا۔ تو مسلمانوں کا ایک بچہ تک سلامت نہ رہنے پاتا۔ ایسے وقت میں جبکہ دشمن شہر کا محاصرہ کئے ہوئے پڑا ہو اہل شہر کے ایک فرقہ کا اس سے ملجانا جیسا کچھ تباہی انگیز اور بلاخیز تھا۔ اُسے الفاظ کافی طور پر ظاہر نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ مسلمان لشکر قریش سے فراغت پاتے ہی یہودیوں کی بدذاتی کی سزادہی کی طرف متوجہ ہوئے اُدہر تو کفار بدحواس ہوکر مکہ کی طرف بھاگے۔ اِدہر مسلمانوں نے بنو قریظہ کو عہد شکنی کا جواب طلب کرنے اور اس دغابازی کا بدلہ لینے کی غرض سے آگھیرا اُن کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہودی کچھ دن تک تو قلعہ بند رہے۔ مگر اس طرح کب تک کام چلتا۔ جب قلعہ میں سامان خورد نوش نہ رہا۔ تو مجبور ہو کر قلعہ مسلمانوں کے حوالے کرنا اور خود کو مسلمانوں کے فیصلہ پر چھوڑنا پڑا۔ مگر قبیلہ بنی اوس کو درمیان میں دے کر (جو ان کا دوست تھا) سفارش چاہی۔ اور یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ خود مسلمان اس بارہ میں کچھ نہ کہیں۔ بلکہ اس کا فیصلہ قبیلہ اوس کے سردار کے سپرد کر دیں۔ ان دنوں اس قبیلہ کا سردار سعد ابن معاذ تھا۔

اگرچہ مسلمان سعد کو منصف قرار دینے پر آمادہ نہ تھے۔ اس لئے کہ وہ بنی قریظہ کا دوست تھا۔ اور اس کے فیصلہ سے اُن مسلمانوں کا اطمینان ہوتا نظر نہ آتا تھا جو ان لوگوں کی عین موقعہ پر دغابازی سے سخت جلے ہوئے تھے۔ مگر پھر بھی اللہ کے بھروسہ پر سعد ہی کو فیصلہ صادر کرنے کے لئے مسلمانوں نے حکم مان لیا۔ جب فریقین اس کے فیصلہ کو بے چون و چرا ماننے کے لئے تیار ہو گئے۔ تو سعد نے یہ حکم سنایا۔ کہ واقعی بنی قریظہ

نے دوستی کا عہد کر کے سخت دغابازی سے کام لیا۔ اور ایسی بغاوت کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا کسی طرح موت سے کم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے میں حکم دیتا ہوں کہ اہل قلعہ میں سے جتنے آدمی مسلح ہیں۔ وہ قتل کئے جائیں۔ اور عورتیں اور بچے غلام بنائے جائیں۔ ان کا مال و اسباب ضبط کر کے مسلمان سپاہیوں کو بانٹ دیا جائے +

اس فیصلہ کا صادر ہونا تھا۔ کہ فوراً تعمیل شروع ہو گئی۔ کیونکہ سپاہ اسلام ان کی جانب سے اس درجہ بھری بیٹھی تھی کہ اُسے کسی مزید تاخیر کی تاب نہ تھی۔ اس سلسلہ میں ڈھائی سو کے قریب باغیوں کو سزائے موت دی گئی +

خیال کیا جاتا ہے۔ کہ اگر آنحضرت پر اس واقعہ کا فیصلہ چھوڑا جاتا۔ تو آپ بہت کچھ نرمی کرتے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ آپ خود معذور تھے۔ کیونکہ اوّل تو سعد کو خود بنی قریظہ نے ہی ثالث مقرر کیا تھا۔ دوم سپاہ اسلام نے اس کی مہلت ہی نہ دی۔ کہ آپ کوئی کارروائی کر سکیں۔ سوم خود مسلمان اتنے بگڑے ہوئے تھے۔ کہ شاید وہ ایسے وقت میں آنحضرت کے کریمانہ اور رحیمانہ کارروائی کو بھی ٹھنڈے کلیجہ سے نہ دیکھتے۔ قطع نظر ان سب باتوں کے بنی قریظہ کا جرم اتنا سنگین اور خوفناک تھا۔ کہ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ فی الحقیقت انصاف کا خون اور ایک بری مثال ہوتا ہے

نکوئی با بداں کردن چناں ست
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

اسواسطے گو بظاہر یہ سزا سخت نظر آتی ہے۔ لیکن کوئی اسے نامنصفانہ ثابت نہیں کر سکتا۔ وہ تو زمانہ ہی اَور تھا۔ اس زمانہ میں زبردست کی زبان ہی قانون تھا۔ لیکن آج بھی جب کسی مہذب گورنمنٹ کو ایسا موقعہ پیش آتا ہے تو وہ بھی یہی کرتی ہے۔ پھر اگر دو ڈھائی سو مفسدوں کی سزایابی سے عام ملک میں امن قایم ہو سکے۔ تو آئین ملکی اسے جایز بلکہ ضروری سمجھتا ہے +

اس بارے میں اکثر لوگوں نے مسلمانوں کو اور خود آنحضرت کی ذات کو نشانہ ملامت بنایا ہے۔ لیکن اس کی وجہ محض تعصب ہے۔ نہ کہ منصفانہ رائے زنی۔ کیونکہ واقعات اس امر کے خود شاہد ہیں کہ جو کچھ کیا گیا بالکل درست کیا گیا۔ اور اس فیصلہ میں ناروا و بیجا سختی کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ گو دفعتاً کسی کو یہ کارروائی سخت معلوم ہو مگر تمام پہلوؤں پر غور کرنے سے لامحالہ انسان اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ جو عمل میں آیا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمانوں کے حق میں بہت ہی مضر نتیجہ نکلتا۔ ہم اس کے متعلق خود کچھ زیادہ لکھنا نہیں چاہتے۔ بلکہ شردے پرکاش کی رائے نقل کرتے ہیں۔ چونکہ ہم خود مسلمان ہیں۔ اسواسطے ایک غیر مسلم کی شہادت زیادہ موثر ہوگی۔ وہ لکھتے ہیں "جو لوگ ایسے موقعوں پر حضرت (محمد صلعم) کا مقابلہ مسیح یا اور پیشوایان دین سے کرتے ہیں۔ وہ غلطی کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کو ایسے حالات پیش آئے کہ اپنے تابعین کی حفاظت کے لئے انھیں حکومت بھی ہاتھ میں لینی پڑی۔ وہ یوں بھی محافظ کعبہ ہونے کی حیثیت سے عرب میں ایسا اعزاز رکھتے تھے کہ ان کے خاندان کے آگے تمام ملک کی گردنیں جھکتی تھیں۔ اور اب تو خدائے تعالےٰ نے خاصی بادشاہت دیدی تھی۔ ایسی حالت میں ان کے احکام کا مقابلہ اگر کیا جاسکتا ہے۔ تو دنیا کے اور بادشاہوں اور فرمانرواؤں سے ہوسکتا ہے۔ نہ کہ کسی تارک الدنیا درویش سے۔ ان دونوں کے طریق میں بے انتہا فرق ہے۔ شیخ سعدی نے کس لطیف پیرایہ میں اس نکتہ کو حل کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

گفت او گلیم خویش بدر مے برد زموج
ویں جہد مے کند کہ بگیرد غریق را"

مسلمانوں کا شوق حج اور مکہ کا سفر

مذکورہ بالا واقعات کو شکل سے ایک سال گذرا تھا کہ کعبہ کے حج کے ایام آگئے۔ اس زمانہ میں اقوام عرب عام طور سے کعبہ کا حج کیا کرتی تھیں۔ اور مہاجرین کو اگرچہ وہاں سے نکلے چھ سال ہوگئے تھے۔

اسے قریش کی عداوت سے جو سختیاں اُٹھا کر وہاں سے نکلنا پڑا تھا۔ وہ ابھی فراموش نہ ہوئی تھیں۔ نہ وہ عداوت ہی ابھی دور ہوئی تھی۔ مگر حب وطن جو مصر کی بادشاہی سے کنعان کی گدائی کو بہتر بتاتی ہے غالب آئی اور انھوں نے بھی عرب کی اور اقوام کی طرح حج بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ اور تقریباً ڈیڑھ ہزار مسلمانوں نے جن میں انصار و مہاجرین دونوں شامل تھے مدینہ سے حرکت کی۔ اور اسلحہ جنگ یا اس قسم کی کوئی چیز اپنے ہمراہ نہیں لی جس سے مکہ والے یہ سمجھیں۔ کہ مسلمان لڑنے کی نیت سے آئے ہیں +

ہمیشہ سے دستور تھا کہ اہل مکہ ایام حج میں کسی دشمن کو بھی وہاں آنے سے نہ روکتے تھے۔ اس لئے مومنین اسلام کو بھی یقین تھا۔ کہ وہ بھی زیارت کعبہ اور طواف بیت اللہ سے نہ روکے جائیں گے۔ مگر با ایں ہمہ جب قریش کو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ فوج لے کر راستہ میں آپڑے۔ کہ مسلمانوں کو کعبہ کی طرف قدم نہ بڑھانے دیں۔ الغرض جب مسلمان وہاں پہنچے۔ تو راستہ کو رکا ہوا اور قریش کو برسر پیکار پایا۔ مسلمانوں نے یہ حال دیکھکر قریش کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ کہ ہم لڑنے کے ارادہ سے نہیں آئے۔ بلکہ ہمارا مقصد صرف زیارت کعبہ ہے۔ قریش نے اس بات کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور نہایت بُری طرح پیش آئے۔ سپاہیوں کو حکم دیدیا۔ کہ جو مسلمان ذرا بھی کعبہ کی طرف بڑھے فوراً تلوار کے گھاٹ اُتار دو۔ اور مسلمانوں سے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم تم کو ہرگز مکہ کی حدود میں نہ گھسنے دیں گے۔ جوش مخالفت میں نوجوانان مکہ نے نہ صرف مسلمانوں پر تیر برسائے بلکہ بعض گستاخوں نے آنحضرت پر پتھر پھینکے۔ قریش کی ان حرکات پر مسلمانوں کو غصہ آنا یقینی تھا۔ چنانچہ وہ ایسے کئی شریروں کو جو تیر چلاتے اور پتھر پھینکتے تھے گرفتار کر کے حضرت کی خدمت میں لے گئے۔ کہ اجازت حاصل کر کے ان کو شرارت کا مزہ چکھائیں۔ مگر آپ نے ان کا قصور معاف کر کے بلا کسی تنبیہ کے چھوڑ دیا۔ اور قریش کے پاس ایک

معتمد یہ پیغام دے کر بھیجا۔ کہ تم لوگ۔ خواہ مخواہ لڑائی بھڑائی کا خیال کرکے ہم پر سختی کرتے ہو۔ ہم جنگ و جدل کرنے نہیں آئے۔ بلکہ صرف حج کی غرض سے آئے ہیں۔ اسی واسطے ہتھیار بھی نہیں لائے۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ ہمارا آنا دشمنی کی نیت سے ہے یا دوستی کی غرض سے۔ تم بے خوف ہو کر ہمیں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دو۔ اور صلح کے لیے جو کچھ تم کہو ہم ماننے کے لئے تیار ہیں +

اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسلمان کس قدر صلح پسند تھے۔ اور کس درجہ اخلاق کا برتاؤ کرنا چاہتے تھے۔ مگر قریش ان کے مقابلہ میں ایسے سنگدل بن رہے تھے۔ کہ اس پیام صلح کو انھوں نے بڑی حجت سے سنا۔ اور بمشکل تمام چند سربرآوردہ قریش مسلمانوں کے پاس آئے۔ مسلمانوں نے ان کے ساتھ نہایت اعلیٰ اخلاق کا برتاؤ کیا۔ اور بہت کچھ گفت و شنید کے بعد ایک صلحنامہ مرتب کیا گیا۔ اور اس میں حسب ذیل شرائط فریقین نے منظور کیں۔

۱۔ اب سے دس برس تک زمانہ امن سمجھا جائے۔ اور کوئی فریق ایک دوسرے پر حملہ نہ کرے +

۲۔ اگر کوئی قریش اپنے سردار قبیلہ کی اجازت کے بغیر مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو وہ واپس دیدیا جائے +

۳۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس آجائے۔ تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا +

۴۔ عرب کے دیگر قبائل اپنی مرضی کے مطابق کسی فریق کے شامل ہو سکتے ہیں۔ کوئی فریق مزاحم نہ ہوگا +

۵۔ اس وقت مسلمان آگے نہ بڑھیں۔ اور واپس چلے جائیں مگر اگلے برس ان کو خانہ کعبہ کا طواف کرنے اور مکہ میں صرف تین روز ٹھہرنے کی اجا

ہوگی - لیکن اسوقت ان کو مکہ میں بغیر ہتھیار آنا ہوگا +

ان شرائط پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے - کہ قریش نے شرائط اپنے مفید مطلب طے کرائیں - اور مسلمانوں کے فوائد کو پامال کیا - دوسری اور تیسری شرط پر نظر ڈالو کیا انصاف یہی ہے - کہ مسلمان تو قریش کے آدمی واپس کر دیں - مگر قریش ان کے آدمی واپس نہ دیں +

پھر مسلمانوں کے لئے یہ بات کسقدر صدمہ پہنچانے والی تھی - کہ وہ اس سال طواف و زیارت کعبہ سے روک دئے گئے تھے - حالانکہ اس میں قریش کا کچھ ہرج نہ تھا - یہ صرف ان کی ضد اور ہٹ دھرمی اور اپنی بات کو بلند رکھنا تھا - انھوں نے دانستہ ایسی شرائط پیش کی تھیں کہ مسلمان انھیں تسلیم نہ کریں - اور اس طرح جنگ چھڑے مگر مسلمانوں کی امن پسندی کا اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے - کہ انھوں نے اپنے فوائد کا خون ہوتے دیکھا - مگر شرائط صلح کو مان لیا - اور خاموش واپس چلے گئے +

واپسی کی جو شرط تھی - اگرچہ وہ بظاہر مسلمانوں کے لئے بہت مضر معلوم ہوتی ہے - مگر درحقیقت اسے نگاہ غور سے دیکھنے پر اس کی سختی بہت کم ہو جاتی ہے - قریش کا آدمی اگر مسلمانوں کے پاس بلا اجازت سردار آجائے - تو وہ واپس دیا جائے گا - اس پر مسلمانوں نے رضامندی ظاہر کی -

ایسے شخص کا مسلمانوں کے پاس آنا دو وجوہ سے خالی نہ ہوگا - یا تو وہ مسلمان اور کلمہ توحید کا بندہ ہو کر آئے گا - یا منافق - پہلی صورت میں جب وہ مسلمانوں میں رہ چکا ہے - اور توحید پرست ہو گیا - اب وہ خواہ کہیں رہے - اس کا ایمان مضبوط ہے - قریش پھر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے - اور اس بات کا خاص مکہ میں امتحان ہو چکا تھا - جب کہ مکہ والے نومسلموں کو ایذائیں دیتے تھے - اور وہ صداقت کے عاشق مضبوطی سے توحید پر جمے ہوئے تھے - رہی دوسری صورت منافقانہ سو یہ بہرحال مسلمانوں

کے لئے بدیں وجہ مضر تھی۔ کہ اگر ایسا شخص ان کے پاس رہتا تو اس سے سوائے اس کے کیا اُمید ہو سکتی تھی۔ کہ ان کی اندرونی خبریں ان کے دشمن قریش کے پاس پہنچائے۔ پس اس صورت میں یہ شرائط مسلمانوں کو زیادہ نقصان دہ نہ تھیں۔ البتہ سب سے زیادہ تکلیف دہ جو بات تھی وہ اس سال زیارت و طواف کعبہ سے روکا جانا تھا۔ مگر بہر حال انھوں نے ایک امن پسند جماعت کی مانند اپنے دل پر جبر کر کے صبر سے کام لیا۔ اور آئندہ سال کا انتظار کرنے لگے۔

آنحضرت کی فضیلت دوسرے نبیوں پر۔

بقول جناب شردھے پرکاش دیوجی: "حضرت محمد صاحب سے پیشتر دنیا میں بہت سے نبی گذر چکے تھے۔ ان میں سے بعض جیسے حضرت موسےٰؑ اور حضرت مسیحؑ نہایت اولوالعزم پیغمبر تھے۔ لیکن انکی رسالت اور آنحضرت کی رسالت میں یہ بڑا فرق تھا۔ کہ وہ نبی صرف اپنے بھائیوں یعنی بنی اسرائیل کی ہدایت کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ حضرت موسےٰؑ کی نبوت اور ان کی کل زندگی بنی اسرائیل اور اُن کے ہی معاملات میں صرف ہوئی۔ حضرت مسیح بھی ہمیشہ یہی فرماتے رہے۔ کہ میں بنی اسرائیل کی بھولی بھٹکی بھیڑوں کو راستہ دکھانے آیا ہوں۔ چنانچہ انھیں کی ہدایت میں لگے رہے لیکن آنحضرت نے کبھی یہ نہیں کہا۔ کہ میں بنی اسمٰعیل کی ہدایت کے لئے آیا ہوں۔ انھوں نے بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کو ایک آنکھ سے دیکھا۔ بلکہ انھیں اور تمام دنیا کے بنی آدم کو اپنا بھائی جانا۔ اور سب کو یکساں محبت اور دردمندی سے پیغام الٰہی سنایا۔ بادشاہوں کے شان و شکوہ کا رعب بھی انھیں پیغام الٰہی کے پہنچانے سے مانع نہیں ہوتا تھا۔ وہ جس آزادی سے ایک ادنےٰ غریب آدمی کو صداقت کی جانب بلاتے تھے اسی آزادی سے بے دھڑک عظیم الشان بادشاہوں اور شہنشاہوں کو پیغام حق بھیجتے تھے۔"

بادشاہوں کو دعوت حق

باوجود ہر قسم کے مصائب سے مقابلہ کرنے کے آنحضرت صلعم اپنے فرض سے غافل نہ تھے۔ بلکہ اب جبکہ مکہ والوں سے صلح ہو گئی۔ تو آپ نے

تبلیغ حق کا قدم آگے بڑھایا۔ چنانچہ آپ نے اپنے ہمعصر بادشاہوں اور شہنشاہوں کی خدمت میں اپنے سفیر بھیجکر ان کو دین حق کی جانب بلایا۔ منجملہ ان کے آپ نے ایک خط کسریٰ شاہ ایران کے پاس بھی بدست عبداللہ بن حذیفہ بھیجا۔

جب یہ خط دربار ایران میں پہنچا۔ تو شاہ کسریٰ اسوقت اہل روما پر عظیم الشان فتح یابی کی خوشی میں شاہانہ جشن منانے میں مصروف تھا۔ آنحضرتؐ کا خط وزیر نے پڑھکر سنایا۔ کسریٰ نے اپنا نام حضرت کے نام کے بعد پا تو سخت برافروختہ ہوا۔ اور اسے اپنی سخت توہین سمجھکر آگ بگولا ہوگیا۔ اور خط کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینکدیا۔ جب قاصد نے واپس جاکر آنحضرت کو یہ ماجرا سنایا۔ تو آپ نے فرمایا فرّق اللہ ملکہٗ۔ یعنی خدا اس کی بادشاہت کے ٹکڑے ٹکڑے کردے۔

اب اسے خواہ پیشین گوئی کہو یا دعا۔ لیکن اس میں شک نہیں اور تاریخ صاف بتارہی ہے۔ کہ چند روز میں ہی سلطنت ایران کے ٹکڑے اڑ گئے اور برباد ہوگئی۔ اس طرح آنحضرت کے الفاظ کا اثر پورا ہوا۔

شاہ ایران صرف خط ہی کو پھاڑکر خاموش نہیں ہوگیا تھا بلکہ اس نے یمن کے ایرانی حاکم کو حکم بھیجا۔ کہ اس نبی کو گرفتار کرکے ہمارے دربار میں جلد حاضر کرے۔ اس غریب کو یہ کیا معلوم تھا۔ کہ جس شخص کو وہ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ کل اسی کے جانشین ایرانی تخت کے مالک ہوں گے۔ اور جس تخت سے وہ بڑے غرور کے ساتھ گرفتاری کا حکم نافذ کررہا ہے۔ کل وہی اس نبی کے خادموں کے قدموں کے نیچے ہوگا۔

حاکم یمن کسریٰ جیسے عظیم الشان بادشاہ کے احکام کی مخالفت کیسے کرسکتا تھا۔ اس نے دو آدمی آنحضرت کی گرفتاری کے لئے روانہ کئے جو طائف پہونچکر قریش سے ملے۔ تو قریش بہت خوش ہوئے کیونکہ ان کے زعم میں کسریٰ شاہ فارس کا اس نئی تحریک کی بیخ کنی پر مستعد ہونا بڑی نیک فال تھی چنانچہ ابوسفیان نے بڑے فخر سے کہا۔ کہ دیکھو اب شاہ فارس نے اسلام کی بیخ کنی

پر کمر باندھی ہے۔ اب محمدؐ کا زندہ بچنا محال ہے۔ مگر اُسے تقدیری معاملات کی کیا خبر تھی۔

عامل یمن کے سپاہی طائف سے مدینہ گئے۔ لیکن جب وہ نبی کریم کے حضور میں آئے۔ تو ان پر اس قدر رعب چھایا کہ بید کی مانند تھر تھر کانپنے لگے۔ آخر بڑی مشکل سے اپنا مافی الضمیر اس طرح بیان کیا۔ کہ ہمیں باذان عامل یمن نے آپکو گرفتار کر کے شاہ ایران کے پاس لیجانیکا حکم دے کر بھیجا ہے۔ پس اگر آپ بخوشی و رغبت ہمارے ساتھ چلے چلیں تو ممکن ہے۔ کہ عامل یمن کی سفارش سے آپ کو معافی ملجائے۔ اور یہی مناسب بھی ہے۔ ورنہ آپ کسریٰ کی قوت سے واقف ہی ہیں۔ وہ نہ صرف آپ کی جماعت کا دشمن ہو جائے گا۔ بلکہ کل عرب پر آفت لائیگا۔

یہ سُن کر آنحضرت نے زیر لب تبسم فرمایا۔ اور حکم دیا ٹھہیرو ہم کل اس بات کا جواب دیں گے۔ اسی شب آنحضرتؐ نے خدائے تعالیٰ سے دعا کی۔ اس کے جواب میں درگاہ ایزدی سے ارشاد ہوا۔ کہ آج کی رات اس ظالم شاہ کو اس کے بیٹے نے تہ تیغ کیا۔

صبح کو حضرت نے یمن کے سپاہیوں کو اپنے روبرو بلا کر فرمایا۔ کہ جس کے پاس تم مجھے لیجانا چاہتے ہو۔ وہ خود اب دنیا میں نہیں ہے۔ کیونکہ آج ہی رات کو میرے خدا نے اس کو اسی کے بیٹے کے ہاتھوں قتل کرا دیا ہے

یہ عجیب خبر سن کر وہ سپاہی یمن کو واپس چلے گئے۔ اور حاکم یمن سے جا کر تمام قصہ بیان کر دیا۔ وہاں ابھی کسریٰ کے قتل کی کوئی خبر نہ پہنچی تھی۔ اس لئے خود باذان حاکم یمن اس کو سُن کر نقش بدیوار رہ گیا۔ اور اس نے فیصلہ کیا کہ اگر یہ بات سچ ثابت ہو تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت میں کوئی کلام نہیں۔ کیونکہ سوائے خدا کے اتنے دور کے واقعہ کی خبر آنحضرتؐ کو ایک ہی رات میں کون دے سکتا ہے۔

اس خبر کے سچ ثابت ہونے میں کچھ زیادہ دیر نہ لگی۔ اور چند [illegible]

شیرویہ پسر خسرو پرویز کا خط حاکم یمن کے نام پہنچا۔ جس میں وہی خبر درج تھی۔ جو آنحضرت نے بیان فرمائی تھی اس کی تصدیق ہوتے ہی اہل یمن کو آنحضرت کی صداقت کا یقین آگیا۔ اور حاکم یمن تو فوراً صدق دل سے ایمان لے آیا۔ اگرچہ اس زمانہ میں کوئی تاربرقی نہ تھی۔ کہ ایران کے دار السلطنت کی خبریں حضرت کو وہبدم پہنچتی رہتیں۔ اور اس لئے اس امر کے ماننے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہئے کہ یہ خبر آنحضرت نے روحانی الہام سے حاصل کرکے بیان فرمائی تھی۔ مگر سر ولیم میور صاحب نے حسب معمول اس سے انکار کیا ہے۔ مگر یہ نئی بات نہیں۔ ان کی عادت ہے۔ اور اسواسطے محل شکایت نہیں صاحب موصوف نے اس سچائی کے نشان مٹانے کے لئے غیر معمولی طور پر کوشش کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔ کہ وہ حضرت کو کسریٰ کی بیماری اور موت کی خبر پہلے پہنچ چکی ہوگی۔ (اور جبکہ وہ بیمار رہا ہی نہ ہو بلکہ قتل ہوا ہو۔ تو پھر معترض کا کیا علاج) مگر صاحب موصوف دیدہ دانستہ اس امر کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اور مطلقاً غور نہیں کرتے۔ کہ حضرت نبی کریم نے تو اسی رات جبکہ یہ ایلچی مدینہ ہی میں تھے۔ فرمایا تھا کہ آج ہی کی رات "میرے مولیٰ نے تمہارے آقا کو مار ڈالا ہے۔ اور یہ سہ شنبہ ۱۰ جمادی الاخری ۷ھ کی رات تھی۔ جب اس امر کی تصدیق ہوئی۔ تو گورنر اور اس کے بعض متعلقین مسلمان ہو گئے۔

ہم معترض سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ کیا ان لوگوں کے مسلمان ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ آنحضرت کی پیش گوئی نے پورا ہو کر ان کے دلوں کو تسخیر کیا تھا۔ اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ اگر بفرض محال نیا شہنشاہ پہلے ہی اورنگ نشین ہو چکا تھا تو اس کا پہلا کام یہ تھا۔ کہ سرکاری طور پر عامل یمن کو اپنی مسند نشینی سے آگاہ کرتا جیسا کہ عام قاعدہ ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ پروانہ سرکاری بعد میں پہنچا پس مقام غور ہے۔ کہ یہ کس طرح ممکن تھا کہ مدینہ میں تو خبر پہنچ جاتی۔ اور عامل یمن اور اس کے افسر بیخبر رہتے۔ کیا یہ ہٹ دھرمی

نہیں۔ کہ جن لوگوں کو ایرانی معاملات سے براہ راست تعلق تھا۔ ان کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ اُن کو اس واقعہ کی خبر نہیں ہوئی تھی" پھر غیر متعلق لوگوں کو کس طرح پہنچ گئی +

دوسری بات قابل غور یہ ہے۔ کہ عامل یمن کو خط پہنچا کہ حضرت کو گرفتار کر کے بھیجے ۔اس کی بلا تاخیر تعمیل کی گئی۔ مدینہ کو آدمی گئے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اس مختصر سے زمانہ میں کسریٰ کی موت کی خبر شہرت پاکر مدینہ تک پہنچ جاتی خیر بفرض محال اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے۔ کہ یہ خبر عرب کے وسیع ریگستان کو عبور کر کے بلا تار برقی مدینہ میں پہنچ گئی تھی۔ اور وہاں خاص و عام میں مشہور بھی ہو گئی تھی۔ تو پھر اس کا کیا جواب ہے۔ کہ آنحضرت کے سوا کسی اور کو اس واقعہ کی اطلاع کیوں نہ ہوئی۔ پس یہ بھی غور کرو کہ ایلچی یمن سے چل کر مدینہ آ پہنچے۔ مگر ان کے کان میں یہ خبر نہ پڑی۔ باوجود مشہور ہو جانیکے (بقول معترض) کہ شاہ کسریٰ جس کی وہ رعایا تھے موت کا شکار ہو چکا ہے۔ پھر یہ لوگ مدینہ میں ایک روز ٹھیرائے گئے۔ اگر وہاں یہ خبر مشہور تھی۔ تو اور لوگوں کی زبانی انھیں معلوم ہو جانی چاہیئے تھی + پھر جب یہ واپس ہوئے۔ تو جس طرح جاتے وقت ان کو اس حادثہ عظیم کا علم نہ تھا۔ اسی طرح واپسی پر بھی انھیں اس کی اطلاع نہیں ملی۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ ان دونوں ایرانی شخصوں کی شکل و شباہت عربوں سے جداگانہ تھی۔ کیونکہ ایرانیوں کے دستور کے مطابق ان کی داڑھی صاف تھی۔ اور مونچھیں دم سگ کی مثل۔ یہ سنہری پیٹیاں باندھے ہوئے تھے۔ چنانچہ اُن کے لباس کا احادیث میں ذکر ہے۔ لکھا ہے۔ کہ حضرت نبی کریمؐ نے اُن کی اس ہیئت کو ناپسند فرمایا۔ غرضکہ ان کی صورت ہی کہے دیتی تھی کہ وہ دربار کسرےٰ کے لوگ ہیں۔ پس اگر ان کے بادشاہ کے متعلق کوئی ایسی خبر مشہور ہوتی۔ تو ضرور تھا لوگ راستہ میں اس خبر کے متعلق کچھ نہ کچھ دریافت کرتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پس میور صاحب کا یہ فرمانا کہ یہ خبر پہلے

ہی شہرت پا چکی تھی۔ کس حد تک قابل یقین ہے۔ اس پر ناظرین کتاب ہذا غور فرمائیں۔ حق یہ ہے۔ کہ تعصب اور دشمنی اور ہٹ دھرمی دانشمند آدمی کو بھی اندھا بنا دیا کرتی ہے +

مقام حیرت ہے۔ کہ ایسی اہم خبر، پھر سرکاری، مدینہ تو پہنچ جائے۔ مگر عامل یمن۔ اور اس کی رعایا اور خود اس کے ایلچی اس سے بیخبر رہیں پھر جب وہ لوگ یمن واپس آئے۔ تو انھوں نے گورنر اور رعایا سب کو اس حادثہ سے ایسا ہی لاعلم پایا۔ جیسا کہ روانگی سے پیشتر تھے +

ان تمام امور پر غور کرنے سے صاف کھل جاتا ہے۔ کہ میور صاحب کا یہ کہنا۔ کہ حضرت کے کانوں تک یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ کہ کسریٰ قتل کر دیا گیا۔ اور کہ "ان کو کوئی الہام نہیں ہوا" صریحاً غلط بیانی اور صداقت کو جھٹلانا ہے۔ لیکن آفتاب پر بھی کبھی خاک پڑی ہے +

غور کرو اگر حضرت افواہ کی بنا پر ایلچیوں کو یہ خبر سناتے۔ تو یہ نہ کہتے کہ آج کی رات میرے خداوند نے تمہارے بادشاہ کو قتل کرا دیا ہے اور اسے پیشین گوئی کے رنگ میں پیش نہ کرتے +

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے۔ کہ بازاری خبریں ہمیشہ سچی نہیں ہوتیں۔ اسواسطے نبی کریمؐ ایسی افواہ سن کر وثوق اور مضبوطی کے ساتھ کیونکر فرما سکتے تھے۔ کہ میرے خدا نے تمہارے آقا کو مار ڈالا۔ اور ایسی ہی مشکوک خبر عامل یمن کے پاس بھیجتے۔ اور ان لوگوں کی معرفت جو آنحضرت کی گرفتاری پر مامور کئے گئے تھے۔ مزید براں حضور نے تو یہ ظاہر کیا کہ اس خبر کی صداقت میری سچائی کا ثبوت ہوگی +

پس کون شخص باور کرسکتا ہے کہ آنحضرت جیسے مکمل انسان جن کی عقل وفراست کا اس کے مخالفین بھی لوہا مانتے ہیں۔ کسی غیر معتبر اور نامعلوم الاسم شخص کے کہنے پر اتنی بڑی بات مشہور کرنا اور اس کی صحت پر اپنی رسالت

کے دعوے کی صداقت کا انحصار کر دیتا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دربار فارس کے ایلچی کو دیکھکر اگر ایسی افواہ سنی بھی ہوتی۔ تو اس پر یقین نہ کیا جاتا۔ کیونکہ ایلچی اس واقعہ سے بالکل بے خبر تھے۔ پس ان تمام وجوہات سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ نے افواہ کی بنا پر یہ خبر ایلچیوں کو نہیں سنائی تھی بلکہ خدائے تعالے سے خبر پاکر اس کا اعلان فرمایا تھا۔

پھر عامل یمن اور اس کے رفقا حضرت نبی کریم کی اس پیشینگوئی کا حال میور صاحب کی نسبت بہتر سمجھ سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے بجائے میور صاحب کے ہمخیال ہونے کے اس امر کو حضرت نبی کریم کی صداقت کا ایک نشان مانا، اور برضا و رغبت اسلام کو قبول کیا۔ ایسی بین شہادت کی موجودگی میں ایک عقلمند آدمی کو بشرطیکہ وہ متعصبانہ دل و دماغ نہ رکھتا ہو اس امر کے ماننے سے کیا انکار ہو سکتا ہے۔ کہ یہ آنحضرت کا ایک معجزہ تھا۔ مگر باینہمہ میور صاحب اس کے معجزہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ اور گورنر یمن کی تبدیلی مذہب کو ذاتی اغراض سے منسوب کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ

"ایران کا چراغ اب گل ہو چکا تھا۔ اور عرصہ سے ایرانیوں کا عرب پر پورا تسلط نہیں رہا تھا۔ اور یمن کا گورنر بلا روک ٹوک ایسی حفاظت میں جا سکتا تھا جو اس کی رعایا کے لئے زیادہ موزوں ہوتی۔ اس لئے باذان (گورنر یمن) نے اسلام کی دن دونی رات چوگنی ترقی دیکھکر خوشی سے اسلام قبول کرلیا۔ اور نبی سے اپنا تعلق ظاہر کر دیا" (لائف آف محمد صفحہ ۳۵۹)

اس طرح میور کی رائے میں یہ اسلام کی دن دونی رات چوگنی ترقی تھی جس کی تحریص سے وہ مسلمان ہو گیا لیکن اس سے چند صفحہ قبل خود میور ہی اس کی تردید کرتا ہے چنانچہ آنحضرت کے مختلف بادشاہوں اور رؤسا کے پاس دعوت اسلام کے لئے سفیر بھیجنے کے لئے لکھتا ہے۔ کہ اس مدنی نبی کی یہ تجویز اس وقت محض موہوم اور بعید از قیاس تھی۔ کیونکہ وہ

اسوقت بمشکل تمام اپنا آپ سنبھالنے کے قابل تھے۔ اور اس سے بارہ ماہ قبل وہ نہایت ہی بے بسی سے محصور رہتے تھے۔ اور حال ہی میں مکہ سے عمرہ کرنے کے بغیر واپس ہونے پر مجبور ہوئے تھے۔ پھر وہ کیونکر مصر، حبش اور شام کے بادشاہوں بلکہ قیصر و کسریٰ کو دعوت (اسلام) کر سکتے تھے۔ مگر انھوں نے ایسا کیا +

بقول میور یا تو وہ ایسے مجبور تھے۔ کہ اپنی حفاظت خود بمشکل کر سکتے تھے اور بلا حج کرنے کے واپسی پر مجبور ہوئے تھے۔ یا ان کی اس قدر پولیٹیکل قوت بڑھ گئی۔ کہ گورنر یمن نے مسلمانوں کی حفاظت میں آنے کی غرض سے اپنے آبائی مذہب کو خیرباد کہا۔ غور کرو کہ جو شخص خود اپنی حفاظت کا اہل نہ ہو۔ اس کی حالت کیونکر ایک دور دراز صوبہ کے ایرانی عامل کو اس بات کی ترغیب دے سکتی ہے۔ کہ وہ شاہ ایران کی ماتحتی کو چھوڑ کر نبی عربؐ (جو خود اپنی حفاظت بمشکل کر سکتا ہے۔ بقول میور) کی ماتحتی قبول کرے۔ اور وہ جو حال ہی میں بالفاظ میور "عمرہ کے بغیر مکہ سے واپس آیا تھا" وہ کیونکر خسرو اعظم کا مقابلہ کر سکتا تھا اس پر ہم میور صاحب کی اس سے زیادہ کیا تعریف کر سکتے ہیں۔ کہ "دروغ گورا حافظہ نباشد" +

یہ ایک حد تک درست ہے۔ کہ آنحضرت نے مدینہ کے قبائل سے اتحاد و مراسم قایم کرکے بناء امن ڈالی تھی۔ اور اہل مدینہ کے ہر طبقہ کے لوگ آپ کو حکم سمجھتے تھے۔ لیکن یہ کیونکر ممکن تھا۔ کہ اس مختصر۔ محدود۔ اور کمزور جماعت کے زیر سایہ دور دراز صوبوں کے شاہزادے۔ اور گورنر آجاتے۔ کیا دنیا میں صرف ایک یہی بڑی سلطنت تھی جس کی حفاظت کے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا تھا کیا سلطنت فارس کی ہمسر صرف مدینہ کی اسلامی جمعیت رہ گئی تھی۔ جو بقول میور "بارہ ماہ قبل نہایت بے بسی سے محصور ہو چکے تھے۔ پس یہ کیونکر ممکن تھا۔ کہ گورنر یمن خود بخود مع اپنی رعایا کے مسلمانان مدینہ کا مطیع ہو جاتا۔

ہنسی آتی ہے میور صاحب کی باتوں پر جس حکومت کے زیر سایہ آنے کی نسبت بڑے وثوق کے ساتھ دعوے کیا جاتا ہے۔ اس کی طاقت کی نسبت خود تو معترض صاحب یہ لکھتے ہیں۔ کہ "بمشکل اپنا آپا سنبھالنے کے قابل تھے" اور گورنر یمن نے اس حکومت کی طاقت کا یہ اندازہ کیا کہ اس کے بادشاہ کی گرفتاری کے لئے صرف دو آدمیوں کا بھیجدینا کافی سمجھا۔ پھر کیا وہ ایسی حکومت کی حفاظت کا طلبگار ہو سکتا تھا؟ عقل تو اسے باور نہیں کر سکتی۔

فرض کرو کہ حکومت فارس کا یمن پر پورا قبضہ نہیں رہا تھا۔ اور عامل یمن بھی کسریٰ کی حکومت کا جوا اپنی گردن سے اتارنا چاہتا تھا۔ مگر ہم پوچھتے ہیں۔ کہ کیا اس کا سر پھرا تھا۔ کہ وہ کنوئیں سے بچ کر کھائی میں گرتا۔ ایک جوئے کے نیچے سے نکلکر دوسرے کے نیچے بلاوجہ اپنی گردن دیتا۔

ایک اور پہلو سے غور کرو۔ اس وقت مسلمانوں کا مذہب نیا تھا۔ اس لئے اسلامی اثر عامل یمن کی رعایا کے لئے جو سب کے سب بت پرست تھے۔ کس طرح موزوں اور ان کے حسب دلخواہ ہو سکتا تھا۔

اگر بفرض محال یہ بھی مان لیا جائے۔ کہ باذان عامل یمن نے ایرانی حکومت کا جوا اپنی گردن سے اُتارنے کے لئے مسلمانوں سے تعلق پیدا کیا تھا۔ اور صرف یہ تعلق ہی ضروری تھا۔ تو یہ بغیر قبول اسلام بھی ممکن تھا۔ کیونکہ عرب کی بہت سی قوموں نے اس سے قبل بلا مسلمان ہونے کے رسول کریم سے عہد و پیمان کیا تھا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک یہ بھی شرط تھی۔ جو کوئی قبیلہ حضرت نبی کریم سے باہمی امداد کا معاہدہ کرنا چاہے اُسے اجازت ہے اور اس میں اس کے مسلمان ہونیکی شرط مشروط نہ تھی۔ اس واسطے عامل یمن اسلام قبول کرنے کے بغیر بھی بسہولت تمام مسلمانوں کے ساتھ دوستی کر سکتا تھا۔ الغرض میور صاحب کا یہ کہنا۔ کہ باذان حاکم یمن نے محض اس وجہ سے اسلام قبول کیا۔ کہ وہ شاہ فارس کی

اطاعت سے بے نیاز ہوگا۔ اور مسلمانوں سے امداد لینا چاہتا تھا صریحاً غلط ہے۔ اور واقعات اس کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔ اور سوائے میور صاحب کی قوت متخیلہ کے اور کسی جگہ اس کی اصلیت کا ذرا بھی پتہ نہیں لگتا +

واقعہ یہ ہے۔ کہ جس کشش نے باذان کو کھینچا۔ وہ اسلام کی صداقت اور آنحضرت کا معجزہ تھا۔ اس نے آنحضرت کے الفاظ کو سچا پایا۔ اور ایک نہیں دو نشان دیکھے۔ یعنی اول تو آنحضرت کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ دوم جس شخص نے حضور کے نامہ مبارک کو چاک کیا تھا۔ وہ خود ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ اور کسقدر جلد۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم نے دعا فرمائی تھی کہ مزق اللہ ملکہ (خدا اس کے ملک کو پھاڑ دے گا) اور اس طرح دنیا نے ایک دوسرا معجزہ مشاہدہ کیا۔ ایک تو خدا نے رسول کے دشمن کو ہلاک کیا۔ دوم اس کی ہلاکت کی خبر خود حضور نے ایسے وقت میں لوگوں کو دی جبکہ تمام عرب اس سے ناواقف تھا۔ اور لطف یہ کہ واقعہ کی صبح کو۔ رات کو ایران میں واقعہ ہوتا ہے۔ اور صبح کو پیغمبر مدینہ میں بیٹھا ہوا اس کی اطلاع کرتا ہے۔ یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے۔ پھر یہ بھی نہ بھول جانا چاہئے۔ کہ اس صداقت سے نہ صرف باذان متاثر ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے رفقاء بھی اسلام قبول کرتے ہیں +

میور صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ کسریٰ نے نبی کریم کے مذہب کی تحقیقات کرانی چاہی تھی۔ اور اسی وجہ سے اس نے عامل یمن کے نام حکم بھیجا تھا۔ کہ مدینہ میں سفیر بھیج کر اس نئے مذہب کے متعلق صحیح صحیح اطلاع بہم پہنچائی جائے۔"

ایسا خیال کرنا صریحاً دروغ بافی ہے۔ اور نہایت بیہودگی۔ کہ مغرور شاہ فارس نے اسلام کی تحقیقات کے لئے سفیر بھیجے تھے۔ کیونکہ جس شخص نے حضور کے خط کے پہلے ہی پرزے پرزے اڑا دیے تھے۔ اور سفیر کو غضب و غصہ کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ کیا اس سے توقع ہو سکتی تھی۔ کہ وہ تحقیقات اسلام

کی جانب متوجہ ہوتا۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ معتبر کتب تواریخ کی رو سے آنحضرت نے جس بادشاہ کو خط لکھا تھا وہ خسرو پرویز تھا۔ مگر میور کہتا ہے۔ کہ نہیں شیرویہ تھا۔ یہ بھی غلط ہے۔

ان ایلچیوں کے آنے پر اہل قریش کا خوش ہونا۔ ایرانی سپاہیوں کا خوف کے مارے کانپنا۔ آنحضرت کا رات بھر ٹھیرانے کے بعد صبح کو جواب دینا تمام باتیں ایسی ہیں جن سے میور کے اس بیان کی تردید ہوتی۔ کہ کسریٰ نے یہ ایلچی اسلام کی تحقیقات کے لئے بھیجے تھے۔

میور صاحب کے مذکورہ بیان کی تائید کوئی تاریخ نہیں کرتی۔ صرف ان خیالات کا ماخذ ان کا دماغ ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ صاحب موصوف واقعات کو توڑنے مروڑنے کے علاوہ تاریخی واقعات خود گھڑنے بھی لگتے ہیں۔ لیکن اس دقیقہ تراشی کی قدر و قیمت جسقدر ایک واقف شخص کے نزدیک ہوسکتی ہے۔ افسوس کہ وہ میور صاحب کے لئے مایۂ نازش نہ ہوگی۔

دوسری سفارت اور خط بنام شاہ مصر

حاطب بن ابی بلتعہ نامی سفیر مقوقش شاہ مصر کے پاس آنحضرت کا نامۂ مبارک لے کر گیا۔ اور شاہ مصر نے بڑی عزت کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ اس سفیر نے دربار شاہی میں حاضر ہوکر ایک نہایت دلچسپ اور موثر تقریر کی۔ جس سے پایا جاتا ہے۔ کہ جو شخص اس خدمت کے لئے منتخب کیا جاتا تھا۔ وہ نہ صرف سفیر کی حیثیت رکھتا تھا۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کا واعظ بھی ہوتا تھا۔ اس کو مجلس کے رنگ کے مطابق تقریر بھی کرنی آتی تھی۔ اور وہ مضبوط دلائل سے اپنے سامعین پر خاص اثر ڈال سکتا تھا۔ چنانچہ سفیر مذکور (حضرت حاطبؓ) نے وہ سماں دکھادیا۔ جو اب سے سینکڑوں برس پیشتر اس ملک کے دربار شاہی میں مشاہدہ کیا گیا تھا جس طرح موسےٰ علیہ السلام ایک زمانہ پہلے فرعون بادشاہ مصر کے روبرو دکھڑے ہوئے تھے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کا قایم مقام اسی ملک کے ایک اور بادشاہ کے سامنے کھڑا ہے۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ موسیٰ فرعون کے سامنے خود کھڑے تھے۔ لیکن اب پیغمبر عرب کا قایم مقام تھا جس نے نہایت مناسب الفاظ میں بڑی جرأت مگر نہایت ادب سے موجودہ بادشاہ کو فرعون کا انجام یاد دلایا اور کہا

انه کان قبلك رجل یزعم انه الرب الاعلیٰ۔ فاخذه الله نکال الاخرة والاولیٰ۔ فانتقم به۔ ثم انتقم منه فاعتبر بغیرك ولا یعتبر غیرك بك

آپ سے پیشتر ایک شخص گذرا ہے۔ جسنے اپنے تئیں خدائے تعالےٰ کہا اس لئے اللہ تعالےٰ نے اُس کو دنیا و آخرت کی سزا میں گرفتار کیا۔ پس آپ دوسروں کو دیکھکر عبرت حاصل کریں۔ ایسا نہ ہونے دیں۔ کہ اور لوگ آپ کے حال سے سبق لیں

اس کتاب کے پڑھنے والوں کا خیال اس جانب رجوع ہوسکتا ہے کہ یہ بادیہ نشین اور صحرائی مسلمان کیسے دلیر اور قوی دل تھے۔ کہ شاہانہ شان وشوکت اُن پر ذرا اثر نہ کرتی تھی۔ یہ سچ ہے۔ کہ وہ ڈرانے میں دلیر تھے۔ کیونکہ ایک بڑے نذیر کے قایم مقام تھے۔ تاہم ان کے الفاظ نرم وشیریں ہوتے تھے

مقوقس نے مذکورہ بالا تقریر کا یہ بلیغ جواب دیا کہ "ہم (میں اور میری قوم) ایک مذہب کے پیرو ہیں۔ پس جب تک کوئی بہتر مذہب نہ مل جائے اسے نہیں چھوڑیں گے" اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ میرا معاملہ فرعون کے برعکس ہے۔ فرعون غلطی پر تھا۔ اور اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا۔ لیکن میں ایک مذہب پر قایم ہوں۔ الہامی کتابوں کو مانتا ہوں۔ اس لئے اگر میں اپنے پہلے ہی مذہب پر قایم رہوں اور پیغمبر عرب کی پیروی نہ کروں۔ تو میں فرعون کی مثل خدا کے نزدیک گنہگار نہیں +

اس پر حضرت حاطب رضؓ نے اوّل آنحضرت کے دعاوی اور آپ کی رسالت کی غرض بیان کی۔ پھر فرمایا۔ کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے تو یہودیوں کے لئے ضروری تھا کہ ان پر ایمان لائیں پس اسی طرح جب پیغمبر عرب

نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ ہر دو کی پیشین گوئیوں کے عین مطابق ظہور فرمایا ہے
تو یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کا فرض ہے۔ کہ اس پر ایمان لائیں۔ اس لئے
ہم آپ کو اسی طرح قرآن کریم کی طرف بلاتے ہیں۔ جس طرح آپ اہل توریت کو
انجیل کی طرف بلاتے ہیں۔ جن لوگوں کے درمیان نبی مبعوث ہوتا ہے۔ وہ اس
کی قوم ہو جاتے ہیں۔ اور ان پر فرض ہوتا ہے۔ کہ اسے مانیں۔ چونکہ آپ اس
نبی کے زمانہ میں ہیں۔ اس لئے آپ کا فرض ہے۔ کہ اس پر ایمان لائیں۔

اس مدلل تقریر نے شاہ مصر کو لاجواب کر دیا۔ اور اس نے کچھ دیر خاموش
رہنے کے بعد آنحضرت کا خط دوبارہ پڑھا اور اسلامی سفیر سے مخاطب ہو کر کہا۔ میں
نہیں دیکھتا کہ آپ کے پیغمبر کوئی ایسی تعلیم دیتے ہیں۔ جس سے مجھ کو پرہیز کرنا
چاہئے۔ یا ایسی چیز سے منع فرماتے ہیں۔ کہ جس کی مجھے خواہش ہو۔ نہ وہ پیغمبر
ساحر ہیں۔ نہ فریب خوردہ ہیں نہ دغا باز ہیں نہ کاذب ہیں۔ میں ان میں نبوت کی
علامات پاتا ہوں۔

اس کے بعد بادشاہ نے آنحضرت کے نامہ کو ایک ہاتھی دانت کی
نفیس ڈبیہ یا بکس میں رکھکر اور اس پر مہر لگا کر اپنے خزانچی کے سپرد کر دیا۔ اور خود
آنحضرت کے نامہ عالی کا مناسب آداب و القاب اور موزوں الفاظ میں مودبانہ
جواب لکھا۔ اور اس میں ظاہر کیا۔ کہ مجھے معلوم ہے۔ کہ ایک پیغمبر مبعوث ہونے
والے ہیں۔ لیکن میرا خیال تھا۔ کہ وہ مقدس سرزمین شام میں پیدا ہونگے۔

یہاں پر یاد رکھنا چاہئے۔ کہ شاہ مقوقس کو جو نبی کا انتظار تھا۔ اس کی
بنا ان پیشین گوئیوں پر تھی۔ جو استثناء ۱۸-۱۸ یوحنا ۱-۲۱-۲۵- اعمال ۳-۲۰-
۲۲- یوحنا ۱۵-۲۶- اور دیگر عہد عتیق و جدید کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

اس خط کے ساتھ شاہ مصر نے چند تحائف بھی حضرت کی خدمت میں
روانہ کئے۔ اور سفیر کو نہایت احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ سر ولیم میور ان خطوط
کی ترسیل سے بھی حسب عادت قدیم انکار کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی

زمانہ کی نئی تحقیقات نے ان کو دنداں شکن جواب دیدیا ہے۔ اور ان کی ہٹ دھرمی کو بخوبی غلط ثابت کر دیا ہے۔

احادیث میں مقوقس کے نام کے خط کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ عاج کے بکس میں محفوظ رکھا گیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا پس یہی خط ۱۸۵۸ء میں ایک فرانسیسی سیاح نے شمالی مصر کے ایک عیسائی خانقاہ میں پایا چنانچہ اب وہ قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔ اس خط کا معائنہ ڈاکٹر بی بیچر نے کیا۔ اور کامل تحقیقات اور پوری جانچ پڑتال کے بعد اس کو اصل تحریر قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اس تحریر کا جو مطلب نکالا ہے۔ وہ بلفظہٖ وہی ہے۔ جو احادیث میں مذکور ہے۔ اس پر آنحضرت کی مہر کا نشان بھی ہے۔ اور اس مہر پر بعینہٖ وہی الفاظ کندہ ہیں جو حدیثوں میں مذکور ہیں۔

اس خط کے دستیاب ہو جانے سے حدیثوں کی صحت یقینی اور ان کا اعتبار زبردست ہو گیا ہے۔ اگرچہ معتبر احادیث کو مسلمان پہلے ہی سے سچا اور درست مانتے تھے۔ مگر اب مخالفین کو بھی انھیں صحیح اور درست ماننا پڑا ہے۔ اور میور کے اس اعتراض کی۔ کہ خطوط کی عبارت جعلی ہے کامل طور پر تردید ہو گئی ہے۔ آنحضرتؐ کے اس خط کا عکس رسالۂ ریویو آف ریلجنس قادیان اگست ۱۹۰۶ء میں چھپا ہے۔ جو حرف بحرف احادیث کے مضمون کے مطابق ہے۔

سفارت حبش حضور نبی کریمؐ نے شاہ ابی سینا کی خدمت میں جہاں ابتداً مسلمانوں کو پناہ ملی تھی۔ اور شاہ نے سب سے پہلے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کیا تھا۔ یکے بعد دیگرے دو خط عمر بن امیہ کے ہاتھوں روانہ کئے۔ پہلے خط کا تو وہی مضمون تھا۔ جو دوسرے بادشاہوں اور رؤسا کے نام بھیجے گئے یعنی مبنی بر دعوت اسلام تھا۔ لیکن دوسرا خط اس سے مختلف تھا۔ شاہ حبش کو اسلام کا بخوبی علم تھا نیز اُسے مسلمانوں کے اخلاق و عادات کے مطالعہ کا بھی موقعہ ملا تھا کیونکہ بہت سے صحابہ وہاں عرصہ تک رہے تھے۔ پس پہلے خط کا جواب

شاہ نجاشی نے نہایت ادب و انکسار سے دیا اور اسلام قبول کیا۔ اور ساتھ ہی اس بات کا افسوس کیا کہ حکومت کے جھگڑوں میں پھنسے ہونے کے باعث پیغمبر عرب کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا نیز اس نے سفیر اسلام کا نہایت احترام کیا۔ اور آپ کی نبوت کی تائید و تصدیق فرمائی۔ علاوہ ازیں چند تحائف آپ کی خدمت میں بطور ناچیز ہدیہ کے بھیجے۔ جن میں ایک خاصہ کا صبا رفتار گھوڑا۔ ایک اعلیٰ قسم کا خچر موسوم بہ دُلدُل اور ایک کنیز بریرہ نامی تھی +

دوسرا خط جو آنحضرت نے نجاشی کو بھیجا۔ وہ مہاجرین حبش کی واپسی کے متعلق تھا چنانچہ شاہ نجاشی نے اسے دیکھتے ہی دو جہاز تیار کرائے۔ اور ان میں مہاجرین صحابہ کو سوار کر کے بحری راستہ سے مدینہ روانہ کر دیا۔ اور وہ بخیریت تمام منزل مقصود پر پہنچ گئے +

ایک سفیر کی شہادت

آنحضرتؐ نے الحارث بن عمیر الازدی صحابی کو بحیثیت سفیر ایک عیسائی سلطنت کے حاکم کے پاس بصرہ کی جانب روانہ کیا۔ مگر اسے دمشق کے نزدیک شرحبیل بن عمر نامی ایک عیسائی سردار نے گرفتار کیا۔ اور رسیوں سے باندھ کر شہید کر دیا۔ یہ واقعہ اسلامی سفارت کی سخت توہین تھا۔ مسلمانوں کو اس حادثہ سے سخت صدمہ ہوا۔ غالباً فی الفور تو اس کا کچھ تدارک نہ ہو سکا۔ مگر بعد میں اس سنگدلی کا پورا پورا انتقام لیا گیا اسی واقعہ کے ذریعہ فتوحات روم و شام کا دروازہ کھلا۔ اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جو عظیم الشان جنگوں کا سلسلہ چھڑا وہ اسی کا نتیجہ تھا +

سفارت ہرقل شاہ قسطنطنیہ

جب ہرقل اعظم کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیر پہنچا۔ تو شہنشاہ نے اس کے ساتھ نہایت دوستانہ سلوک کیا۔ اور بصد تعظیم و تکریم اس پیغام کو دربار خاص میں سفیر کی زبانی سُنا۔ اگرچہ وہ اپنی تمام قوم کے اثر سے دفعتاً اسلام قبول کرنے سے مجبور تھا۔ مگر اس نے سفیر کی عزت و احترام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور اس کو نہایت اعزاز کیساتھ تحفہ تحائف دیکر رخصت کیا۔ اس خط کا مضمون

بھی وہی تھا جو اوروں کا تھا یعنی یہ کہ
"از جانب محمد رسول اللہ بخدمت شاہ قسطنطنیہ۔ ظاہر ہو کہ جس نے توحید الہٰی کے دین کو اپنا شعار بنایا۔ وہ ہمیشہ کی سلامتی میں آیا۔ میں آپ کو اسی دین حق کی جانب بلاتا ہوں۔ پس اگر تم اسے قبول کروگے۔ تو سلامتی پاؤگے۔ ورنہ کل قوم کی جانب سے جوابدہ ہوگے"

سر ولیم میور نے مذکورہ بالا تمام مراسلات کو فرضی بتاتے اور کل واقعات سے انکار کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ "جو خط ہرقل کو لکھا گیا تھا اس میں قرآن مجید کی ایک آیت بھی درج ہے۔ مگر اس آیت کو ویل نے ثابت کیا ہے۔ کہ وہ ۹ھ تک نازل نہیں ہوئی تھی"

چونکہ یہ خطوط ۶ھ میں لکھے گئے تھے اسواسطے میور اس نتیجے پر پہنچا ہے۔ کہ خطوط کی جو عبارت احادیث میں مذکور ہے۔ وہ جعلی ہے۔ لیکن ۱۸۵۰ء میں آنحضرت صلعم کا وہ خط ملجانے سے جو آپ نے مقوقس کے پاس بھیجا تھا اور جس کا محفوظ رکھا جانا احادیث میں مروی ہے میور اور ویل دونوں کی غلطی ثابت ہوگئی۔ کیونکہ اس میں وہ آیت موجود ہے۔ جس کو ویل کی تحقیق ۹ھ میں نازل ہونا ثابت کرتی ہے۔ چونکہ مقوقس اور ہرقل کو ایک ہی سال میں خط لکھے گئے تھے۔ اور اب جو ڈاکٹر بیچر نے اپنی عینی شہادت کی بنا پر مقوقس کے خط کی عبارت درج کی ہے۔ اس میں بھی وہ آیت درج ہے۔ جب مقوقس کے خط میں آیت مذکور موجود ہے۔ تو ہرقل کے خط میں بھی ضرور ہوگی۔ پس احادیث صحیح اور ویل اور میور کی غلطی اظہر من الشمس ہوگئی ✦

یہودیوں کا پھر سر اٹھانا

ہر چند کہ جو واقعہ بنی نضیر اور بنی قریظہ کے ساتھ گذرا تھا۔ اور ان کی شرارت کی جو عبرت انگیز سزا انھیں ملی تھی۔ وہ ایسا تھا۔ کہ باقی یہودی قبایل اس سے سبق حاصل کرتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ جب مذکورہ بالا قبائل کے بعض جلاوطن افراد خیبر و قلعہ القموص کے یہودیوں

کے پاس چلے گئے۔ اور مسلمانوں کی شکایت کی۔ تو تمام یہودی بھڑک اٹھے۔ اور انھوں نے مسلمانوں کے استیصال اور بیخ کنی کے لئے ایک بار اور سر توڑ کوشش کرنیکا ارادہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے نہ صرف تمام یہودی قبایل کو ہی اپنی مدد پر آمادہ کر لیا بلکہ ایسی چالیں چلیں۔ کہ اکثر عرب قبائل بھی ان کی امداد پر آمادہ ہو گئے۔ مگر قبل اس کے کہ یہ مدینہ کی جانب روانہ ہوں۔ مسلمان پیش قدمی کر کے ان پر آ پڑے۔ کیونکہ نبی کریم پر بذریعہ الہام یہودیوں کا منصوبہ منکشف ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کی جمعیت جو چودہ سو کے قریب تھی۔ اور قطعی فیصلہ کرنے پر تلی ہوئی تھی ماہ محرم سنہ ۷ھ کے ابتدا میں خیبر جا پہنچی تھی۔ یہودی اس وقت تک نہ تو خود ہی تیار ہونے پائے تھے۔ اور نہ ابھی ان کے دوست قبایل ان کی مدد کو پہنچ سکے تھے۔ اس لئے مقابلہ میں نہ آ سکے۔ اور قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ گو اس محاصرہ نے بڑا طول کھینچا۔ مگر اس اثنا میں مسلمان خاموش نہ بیٹھے اور دوسرے چھوٹے موٹے قلعوں کو فتح کرتے رہے۔ حتیٰ کہ قلعہ القموص کو بھی جس کے استحکام اور مضبوطی پر یہودیوں کو بڑا ناز تھا اور درحقیقت وہ تھا بھی نہایت مستحکم) تسخیر کر لیا۔ اب تو یہودیوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور ان سب کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اور سوائے مسلمانوں کی اطاعت کے اور کچھ بن نہ آیا۔ چنانچہ تمام یہودی قبایل نے اپنے اپنے سردار آنحضرت کی خدمت میں بھیجکر اپنے قصور کی معافی چاہی۔ اور رحم کی درخواست کی +

جنگ خیبر

باوجودیکہ یہودی اس شرارت کے باعث سخت سے سخت سزا کے مستوجب تھے۔ مگر آنحضرت نے جو درحقیقت رحمۃ للعالمین تھے۔ ان کے ساتھ نہایت مروت کا سلوک کیا۔ ان کی کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ اموال و اسباب جو قانون جنگ کے بموجب مال غنیمت ہو چکا تھا انھیں کو بخش دیا۔ ان کے مذہب سے بھی کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ بلکہ پوری پوری آزادی دی گئی۔ اس کے عوض میں انھوں نے اقرار کیا۔ کہ ہم سب میں سے کوئی مسلمانوں کے خلاف

بھی کوئی حرکت نہ کرے گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے۔ کہ یہود نے نصف محاصل دینے کا بھی اقرار کیا تھا۔

روایت میں آیا ہے۔ کہ بعد فتح خیبر جبکہ مسلمان واپس جانے والے تھے۔ تو ایک یہودن نے حضرت کی دعوت کی۔ اور آپ نے دعوت سے انکا خلاف اخلاق سمجھکر قبول کیا۔ مگر اس کم بخت نے کھانے میں زہر ملا دیا جس کے کھانے سے ایک صحابی تو جاں بحق تسلیم ہوگئے مگر آنحضرت نے بوجہ اس کے بدمزہ ہونے کے ایک دو لقمہ کھانے کے بعد ہاتھ کھینچ لیا۔ مگر اس ایک دو لقمہ کے زہر نے بھی آپ کو زندگی بھر تکلیف دی اور آپ نے وصال کے وقت بھی اس کی شکایت کی۔

یہ شرارت بالآخر ظاہر ہوگئی۔ مگر آنحضرت نے اس شریر اور دشمن جان دعوت کرنیوالی کو کچھ بھی نہ کہا۔ کیونکہ عورت کو سزا دینا آپ کی شان سے بعید تھا

آنحضرت کا نکاح بنت ابوسفیان سے

اس مہم کی واپسی کے بعد ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ جس کا خاوند ابی سینیا میں فوت ہوگیا تھا۔ مدینہ میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور اپنے شوہر کے انتقال کی خبر بیان کرکے اپنے ظالم باپ کے ڈر سے مکہ واپس جانے سے بھی مجبوری ظاہر کی۔ اور آنحضرت سے درخواست کی کہ وہ اسے اپنی پناہ زوجیت میں لیں۔ ام حبیبہ نہایت راسخ الاعتقاد مومنہ تھیں۔ ان کی عمر تیس چالیس کے درمیان تھی۔ اسوقت ان کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی جس کا نام حبیبہ تھا۔ اور اسی کے نام پر آپ کا نام اُم حبیبہ مشہور تھا۔ جیسا کہ عرب میں عام رواج ہے۔ کہ اولاد کو والدین کے نام سے موسوم کرنے کے علاوہ جیسے ابن عمر (عمر کا بیٹا) خود والدین کو بھی بعض وقت اولاد سے منسوب کرتے ہیں مثلاً ابوالقاسم (قاسم کا باپ) ام کلثوم (والدہ کلثوم) وغیرہ۔

یہ بیان ہوچکا ہے۔ کہ اُم حبیبہ کا باپ ابوسفیان مسلمانوں اور خصوصاً آنحضرت کا جانی دشمن تھا۔ پس آنحضرت نے ایسی ایماندار اور بیکس بی بی کی سرپرستی

اس لئے بھی ضروری سمجھی۔ کہ ابوسفیان کے ساتھ ایک قریبی رشتہ قایم ہو جائے گا اور ممکن ہے۔ کہ اس سے آیندہ زمانہ میں کوئی خوشگوار نتیجہ نکلے۔ پس آپ نے اُم حبیبہ کی درخواست قبول فرما کر اُن کو شرف زوجیت بخشا۔

مسلمانوں کی حج کے لئے روانگی

سنہ کے آخر میں مسلمان حج بیت اللہ کے لئے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ کیونکہ وہ وقت پورا ہو چکا تھا۔ جو معاہدہ قریش میں قرار پایا تھا۔ زیارت کعبہ کے شوق کے علاوہ حب وطن کا جوش بھی مسلمانوں کے دلوں میں کچھ کم نہ تھا۔ الغرض مسلمان نہایت امن اپسندی۔ اور خلوص کیسا تھ ہنستے مکہ پہنچے۔ عمرۃ القضا ادا کیا۔ اور طواف کعبہ کی رسم بجا لائے۔ پورے تین دن قیام کیا۔ اب آنحضرت کا ارادہ ہوا۔ کہ روانگی سے پیشتر اہل مکہ کی دعوت اور ایفائے عہد کے لئے اُن کا شکریہ ادا کریں۔ مگر قریش نے ٹھہرنے کی مہلت نہ دی۔ اور کہلا بھیجا۔ کہ تین دن گذر چکے۔ یہی ہمارا آپ کا اقرار تھا۔ اب ٹھیرنے کی اجازت نہیں۔ لہذا آپ لوگوں کو شہر سے باہر چلا جانا چاہیئے۔ مسلمان اس پر مکہ کی آبادی سے نکل آئے۔ اور چند میل کے فاصلہ پر جنگل میں آ ٹھیرے معاہدہ کی اس بلاحجت پابندی اور امن پسندی کا اہل قریش کے دل پر بہت اثر پڑا۔ اور خلق محمدی کو دیکھکر ان میں سے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ عرب کے مشہور شجاع **خالد ابن ولید** نے جو ابتدا سے مسلمانوں کا جانی دشمن تھا اور جس نے جنگ اُحد میں مسلمانوں کا نہ صرف پورے جوش سے مقابلہ کیا تھا۔ بلکہ اپنی جنگی قابلیت اور موقع شناسی کی وجہ سے اس جنگ میں مسلمانوں کی شکست کا خاص باعث ہوا تھا۔ اخلاق محمدی سے متاثر ہو کر اسی وقت اسلام قبول کیا۔ علاوہ ازیں عرب کا مشہور معروف شاعر **عمرو بن العاص** جس نے آنحضرت کی ہجو میں کئی قصیدے کہے تھے۔ ایمان لایا۔ اور اپنے پچھلے قصوروں کی معافی چاہی۔ اور ایسا جان نثار اسلام ثابت ہوا۔ کہ ہمیشہ اپنی فصاحت و بلاغت آنحضرت صلعم کی مدحت طرازی میں صرف کرتا رہا۔ اور اکثر لشکر اسلام

کی سپہ سالاری کر کے عظیم الشان فتوحات حاصل کیں۔ اور فاتح مصر کا لقب حاصل کیا۔ سچ ہے۔ سب کے دل اللہ تعالےٰ کے قبضہ میں ہیں "

میمونہ سے نکاح

بی بی میمونہ ایک معمر خاتون تھیں۔ شاید ان کا سن پچاس سال کے قریب تھا۔ انھوں نے بھی آنحضرت کے عقد نکاح میں آنیکی خواہش ظاہر کی۔ یہ درخواست بھی ویسی ہی تھی۔ جیسی بی بی سودہ کی۔ جس کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔ اسواسطے آنحضرت ان کی درخواست بھی رد نہ کر سکے اور چونکہ یہ خالد ابن ولید کی ایک قریبی رشتہ دار تھیں۔ اسواسطے آنحضرت نے اس رشتۂ اتحاد کو بھی منظور کر لیا۔ اور نکاح ہو گیا +

قتل سفیر کا انتقام

اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ اسلامی سفیر حارث کو عیسائی بادشاہ بنی غسان نے گرفتار کر کے بیدردی کے ساتھ قتل کروڈالا تھا۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے مسلمانوں نے ارادہ کیا اور تین ہزار اسلامی جانباز اس غرض کے لئے روانہ ہوئے۔ شاہ غسان عیسائی اور شہنشاہ ہرقل اعظم کا باجگذار تھا۔ اسواسطے اس نے شہنشاہ مذکور سے امداد طلب کی۔ اور ہرقل نے ایک جرار فوج اس کی مدد کے لئے روانہ کی۔ جس کا شہر موتہ کے قریب مسلمانوں سے نہایت سخت مقابلہ ہوا۔ طرفین کے بہت سے بہادر کام آئے۔ مگر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اور یہ پہلا موقع تھا۔ کہ لشکر اسلام نے ہرقل اعظم جیسے شہنشاہ کی باقاعدہ اور سامان جنگ سے آراستہ فوج کو زک دی۔ مگر اس کے ساتھ ہی سپاہ اسلام کو بھی بوجہ قلت تعداد نقصان اٹھانا پڑا۔ اور وہ فتح سے کوئی فائدہ حاصل کئے بغیر مدینہ کو واپس چلی آئی +

قریش کی عہد شکنی

صلحنامہ حدیبیہ (معاہدہ قریش) کے دوسرے سال مسلمانوں کے حلیف قبیلۂ بنی خزاعہ اور قریش کے معہود قبیلۂ بنی بکر میں کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ اور نوبت لڑائی تک پہنچی۔ بنی خزاعہ نے جو مسلمانوں کے دوست

تھے۔ آنحضرتؐ سے امداد طلب کی۔ مگر آنحضرت نے معاہدہ کی خلاف ورزی منظور نہ کی۔ اور ان کو صاف جواب دیدیا۔ لیکن جب بنی بکر نے قریش سے امداد طلب کی۔ تو وہ معاہدہ کی شرایط کو بالائے طاق رکھکر ان کی امداد پر کمربستہ ہوگئے حتیٰ کہ بعض سردار قریش بہ تبدیل لباس شریک جنگ ہوئے۔ اور اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا۔ کہ مسلمانوں کے دوستوں کو اور اس واسطہ سے خود مسلمانوں کو ضعف پہنچائیں۔ افسوس اہل قریش نے اپنی اس شرط کو کہ قریش مکہ اہل اسلام کے طرفداروں اور ہمعہدوں سے تعرض نہ کریں گے۔ ذرا پرواہ نہ کی۔ حالانکہ مسلمان اس شرط پر کاربند رہے۔ کہ اہل اسلام قریش کے طرفداروں کے خلاف شریک جنگ نہ ہوں۔ بنی بکر اور قریش مکہ نے نہایت بے دردی سے بنی خزاعہ کو پامال کیا۔ آخر اس قبیلہ نے مجبور ہوکر حرم محترم میں پناہ لی۔ باوجود جہالت اور بت پرستی کے اس وقت بھی اس قاعدہ پر برابر عمل ہوتا تھا۔ جو حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے جاری تھا۔ کہ کوئی شخص سنگین سے سنگین جرم کرکے بھی حرم کعبہ میں پناہ گیر ہوجاتا۔ تو اس سے کوئی بازپرس نہ کرسکتا تھا۔ اس پرانے دستور کے مطابق حرم مکہ میں داخل ہونے کے بعد بنی خزاعہ سے قطعاً مواخذہ نہ کیا جانا چاہئے تھا۔ مگر بنی بکر اور قریش فتح کے نشہ میں ایسے بیہوش تھے۔ کہ ان بیکسوں نے لاکھ فریاد کی۔ کہ خدا سے ڈرو۔ حرم محترم کے اندر خونریزی کرکے بے ادبی نہ کرو۔ یہاں قاتلوں اور مجرموں کو بھی امان دی جاتی ہے۔ مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ اور یہ غضب ڈھایا کہ خاص کعبہ کی چاردیواری میں تقریباً بیس آدمیوں کو قتل کیا۔

بنی خزاعہ میں سے جو لوگ جان بچا سکے وہ عمرو بن خزاعی کو ساتھ لیکر مدینہ آئے۔ اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی تباہی و مظلومی۔ اور قریش کی سفاکی و خونریزی کی دردناک داستان بیان کی۔ آنحضرت کو قریش کی عہدشکنی سے بہت رنج ہوا۔ اور بنی خزاعہ پر نہایت رحم آیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر ایسا میں

تمہاری مدد نہ کروں تو خدا میری مدد نہ کرے"۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ مسلمانوں میں جوش کی حد نہ رہی۔ ہر مسلمان کو بنی خزاعہ کے ساتھ ہمدردی تھی۔ قریش کی عہد شکنی کا رنج تو رہا ایک طرف محض حرم محترم کی بے حرمتی اور پرانے دستور سے بے اعتنائی کا غصہ محبان وطن و شیدایان ملت ابراہیمی کے لیے سوہان روح تھا اور انھوں نے تو اس سے بھی دو قدم آگے بڑھکر خود حرم کے اندر خونریزی کی تھی۔ جہاں کہ کسی جانور یہاں تک کہ جوں تک کو مارنے کی بھی ممانعت ہے۔ الغرض مظلوم فریق کی دادرسی۔ دوستدار قبایل کی نگہداشت و امداد۔ معاہدہ کی پابندی اور حرم کعبہ کے احترام نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ قریش سے انتقام لیں۔ اور قریش کو عہد شکنی اور سفاکی کا مزہ چکھائیں +

مکہ پر مسلمانوں کی یورش

اب مسلمانوں نے مظلوم کی دادرسی کے لئے کمر باندھلی۔ چنانچہ ار رمضان المبارک ۸ھ کو طیاری کا اعلان کیا گیا۔ اور اس کے تیسرے روز ہی دس ہزار سپاہ آنحضرت کی سرکردگی میں مکہ کی طرف روانہ ہوگئی اور اس طرح وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جس میں انبیائے سابقین نے حضرت موسے حضرت عیسےٰ اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی تھی۔ چنانچہ کتاب استثنا باب ۳۳ میں یہ پیشگوئی حسب ذیل عبارت میں درج ہے:-

"خداوند سینا سے آیا۔ اور **شعیر** سے ان پر طلوع ہوا۔ **فاران** کی چوٹیوں سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسی اس کے ساتھ ہیں۔ اس کے داہنے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہے"

اس پیشین گوئی میں کوہ سینا سے آنے والا موسےٰ نبی ہے۔ اور شعیر سے طلوع ہونے والا حضرت عیسےٰ اور **فاران** پر جلوہ گر ہونے والے نبی **حضرت محمد** ہیں۔ کیونکہ فاران، مکہ کے پہاڑ کا نام ہے۔

لشکر اسلام مدینہ سے چلکر بلا کسی قابل ذکر واقعہ کے مکہ کے قریب پہنچ گیا۔

قریش مکہ کو بھی شاید کچھ خبر مل گئی تھی۔ انھوں نے مقابلہ کی تیاریوں کا ارادہ کیا۔ مگر اہل اسلام کی اب ایسی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ کہ اب کسی میں مسلمانوں کے مقابلہ کی جرأت نہ پائی جاتی تھی۔ قریش اسی پس و پیش میں تھے۔ کہ کیا جائے۔ ابوسفیان جو سرگروہ کفار قریش تھا۔ لشکر اسلام کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کے لئے نکلا۔ اور ایک روز شام کو وہ اس مقام پر پہنچا جہاں مسلمان خیمہ انداز تھے۔ وہ یہ دیکھکر حیران رہ گیا۔ کہ جہاں تک نظر جاتی ہے۔ مسلمانوں کی فوج ہی فوج نظر آتی ہے اور جنگل میں دور دور تک آگ روشن ہے۔ لشکر اسلام کا یہ نظارہ ابوسفیان کے لئے سخت دلشکن اور مایوس کن تھا۔ اتنے میں اس نے مسلمانوں کے لشکر میں کسی کو دوسرے سے یہ کہتے سنا۔ کہ "اگر اس دفعہ قریش نے مقابلہ کیا۔ تو ان کا نام و نشان باقی نہ رہے گا"۔ اس نے فوراً پہچان لیا۔ کہ یہ حضرت عباس (عم رسول اکرم) کی آواز ہے۔ کیونکہ ان کی آواز بوجہ فطرتاً تیز اور بلند ہونے کے دور سے سنی اور پہچانی جاتی تھی۔ اب تو ابوسفیان کے پاؤں تلے سے گویا زمین نکل گئی۔ وہ بالکل ناامید ہو کر لشکر اسلام کی نظروں سے بچتا بچاتا حضرت عباس کے پاس پہنچا۔ اور کہنے لگا۔ کہ پھر آپ ہی ہمیں کوئی مفید مشورہ دیکر ہموطنی و بزرگی کا حق ادا کریں۔

حضرت عباس نے فرمایا۔ کہ تم نے اچھا کیا کہ تم چلے آئے۔ تمہاری خیر اور دین دنیا کی بھلائی اسی میں ہے۔ کہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمۂ توحید پڑھ لو"۔ یہ دونو ابھی یہ باتیں ہی کر رہے تھے۔ کہ کہیں حضرت عمرؓ کی نظر ابوسفیان پر پڑ گئی۔ انھیں کہاں تاب کہ ایسے دشمنِ کافر کو یوں بیباکانہ لشکر اسلام میں کھڑے دیکھیں۔ فوراً تلوار کھینچ کر چلے۔ کہ ابوسفیان کا سر تن سے جدا کر دیں۔ مگر وہاں پہنچکر جب حضرت عباس کو دیکھا۔ تو کہنے لگے۔ اس کافر کو آپ یہاں کیوں لے آئے ہیں؟ حضرت عباس نے انھیں سمجھایا۔ اور خود دوڑتے ہوئے آنحضرت کے خیمے میں گئے۔ اور ابوسفیان

سے قتل کی ممانعت کا حکم سے آئے۔ اور خود ان کو ہمراہ لیکر آنحضرت کی خدمت میں گئے۔ آپ ابوسفیان کے ساتھ۔ ہاں اپنے اُس دشمن کے ساتھ جو برسوں آپ کی جان کا خواہاں رہا تھا۔ ایسے اخلاق سے پیش آئے جیسے وہ برسوں کا دوست ہو ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھایا۔ اور نہایت شفقت سے فرمایا۔ کہ دیکھو بھائی ابوسفیان اللہ پاک کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔ بس وہی معبود حقیقی قابل پرستش ہے۔ اور اسی کا دین سچا ہے۔ جن چیزوں کی تم پرستش کرتے رہے ہو۔ وہ تمھیں نہ فایدہ پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان۔ اور میں جو یہ کہتا ہوں صرف تمہارے ہی بھلے کے لئے کہتا ہوں ؂

ابوسفیان نے متاسفانہ لہجہ میں کہا کہ "اے پیغمبر خدا۔ آپ کے رحم اور حلم کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ ہماری قوم نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے۔ ہمارا دل اس سے خوب واقف ہے۔ مگر اس کے عوض میں جو شفقت اور الطاف آپ فرما رہے ہیں۔ وہ بس آپ ہی کی شان کے شایاں ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے۔ کہ در اصل وہ چیزیں جن کی ہم پرستش کرتے رہے ہیں کچھ نہیں کر سکتیں۔ نہ ان میں کچھ طاقت ہے ورنہ وہ ضرور ہماری امداد کرتیں۔ اور ہم اس طرح ذلت پر ذلت اذیت پر اذیت نہ اُٹھاتے۔ پس میں صدق دل سے بت پرستی سے توبہ کر کے خدائے واحد کا دین اختیار کرتا ہوں"

ابوسفیان کے اسلام لانے کی خبر بجلی کی طرح تمام لشکر اسلام میں پھیل گئی۔ اور مسلمانوں کو اس سے بے انتہا خوشی ہوئی۔ تمام مسلمان جو اب تک ابوسفیان کے نام سے نفرت کرتے تھے۔ اور اس کے جانی دشمن تھے۔ اب اس سے معانقہ و مصافحہ کرتے تھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اب وہ ایک خدا کی پرستش کرنے والا ہو گیا تھا۔ حضرت عمر جو ابھی ابھی اس کے سر پر تلوار کھینچکر آئے تھے۔ انھیں بھائی جان کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ کیونکہ ابوسفیان اسلام لا کر دائرہ اخوت اسلامی میں آ گیا تھا۔

فتح مکہ

رات بھر لشکر اسلام نے آرام کیا۔ اور علی الصباح نماز فجر پڑھنے کے بعد ہر طرح سے آراستہ ہو کر اپنے مقام سے حرکت کی۔ اور دریائی سیلاب کی مانند مکہ کی جانب بڑھا۔ اسوقت کچھ لوگ اہل مکہ میں سے لشکر اسلام کی کیفیت دیکھنے کے لئے پہاڑیوں پر جمع ہو گئے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ لشکر اسلام بڑی شان و شوکت سے آرہا ہے۔ اوّل قبیلہ بنی سلیم کا فوجی دستہ آیا جس کا ہر ایک سپاہی شمشیر برہنہ ہاتھ میں لئے ہوئے۔ نیزوں کو جنبش دیتا ہوا اور باواز بلند نعرہ اللہ اکبر اور تکبیر تحریمہ پڑھتا ہوا بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ ان کے آگے مشہور شجاع حضرت خالد ابن ولید بحیثیت سپہ سالار تھے۔ اور ان کے ہاتھ میں نشان تھا۔ دوسرے نمبر پر ایک فوج زبیر ابن عوام کی زیر کمان تھی اور بحیثیت مجموعی اس سے ایک خاص جوش نمایاں تھا۔ اس کے بعد بنو کعب بن عامر پھر قبیلہ مزینہ کی فوجی جمعیت مع نشان افواج خاص شان و شوکت سے نمایاں ہوئی۔ اس جمعیت کے پیچھے خود آنحضرت قصوا اونٹنی پر سوار خاص جاہ و جلال سے تشریف لائے۔ آپ اسوقت سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے اور آپ کے دائیں بائیں پانچہزار کی جمعیت تھی۔ اسوقت آنحضرت سورہ انا فتحنا باواز بلند پڑھتے جاتے تھے۔ مہاجرین و انصار جو آپ کے گرد تھے پروانہ وار تصدق ہونے کو ہمہ تن طیار نظر آتے تھے۔

اس باجاہ و جلال و پر شوکت و پر ہیبت نظارہ نے جیسا اثر اہل مکہ کی تماشائی جماعت پر کیا۔ اس کے بیان کی چنداں حاجت نہیں۔ یہ لشکر بلا کسی روک ٹوک اور بلا کسی معمولی مزاحمت کے مکہ کے قریب جا پہنچا۔ اور اب شہر میں داخل ہونا ہی چاہتا تھا کہ ابوسفیان آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس امر کی اجازت چاہی کہ وہ آگے جا کر جلدی سے اپنی قوم کے لوگوں کو منع کر دے۔ کہ کہیں وہ بیوقوف مقابلہ کی حماقت میں نہ پڑ جائیں۔ غرض آنحضرت سے اجازت لیکر ابوسفیان مکہ میں پہنچا۔ اور لوگوں کو بلا کر کہا: اے عزیزو اور

دوستو! تم کو معلوم ہو کہ میں خدائے واحد پر ایمان لے آیا۔ بت پرستی سے توبہ کر چکا
کیونکہ ہمارے جھوٹے اور باطل مذہب نے اب تک ہمیں جو کچھ نقصان پہنچایا
ہے۔ وہ تم سے پوشیدہ نہیں۔ پس اب صلاح وقت یہی ہے۔ اور ملک کا
امن وامان ہماری سلامتی جان و مال اور دنیا و آخرت کی بہبودی اسی میں ہے۔
کہ تم سب بت پرستی سے توبہ کرو۔ ایک خدا کے سامنے سر جھکاؤ۔ پیغمبر کی اطاعت
کرو۔ ورنہ سوائے پشیمانی اور نقصان کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لشکر اسلام جس جوش
اور شان کیساتھ آ رہا ہے۔ اس سے خدائی طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور کون
ہے۔ جو اس طاقت کا مقابلہ کر سکے۔ پس بھائیو امن کی قدر کرو۔ مسلمانوں
اور ان کے مقابلہ کا خیال چھوڑ دو۔ کیونکہ اب مکہ میں اپنے خون کی ندیاں بہانا
بیفائدہ ہے۔ میری شجاعت سے بھی تم خوب واقف ہو۔ آخر اس کی بھی کوئی
وجہ ہے کہ میری حالت میں یہ تبدیلی ہوگئی۔ میرے خیال میں تو اس کی وجہ قدرت
کی زبردست تائید ہے۔ جو مسلمانوں کو حاصل ہے۔ پس یہ قدرتی بات ہے۔ خیر
میرا کام سمجھا دینا ہے ماننا نہ ماننا تمہارا اختیار ہے۔

ابوسفیان کا سلسلہ کلام ابھی ختم نہ ہونے پایا تھا۔ کہ اس کی بیوی دوڑی
ہوئی آئی۔ یہ سن چکی تھی۔ کہ ابوسفیان مسلمان ہوگیا۔ اور اس لئے سخت غصہ اور
طیش میں بھری ہوئی تھی۔ اس لئے آتے ہی ابوسفیان کی داڑھی نوچ لی۔
اور مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ اور لوگوں سے کہا۔ اے عرب کے بہادرو! اے
آل غالب! کیا تم اس بوڑھے بیوقوف کی بیہودہ باتیں سنو گے۔ اور اسے سزا
نہ دو گے۔ کیا تم میں غیرت وحمیت نہیں رہی۔ پھر کیوں اس کا منہ نہیں توڑتے
یہ بات یہیں تک رہی۔ کہ لشکر اسلام آپہنچا۔ اور اس کا لامتناہی سلسلہ دور تک
چلا گیا۔ قریش دیکھتے تھے۔ اور ان پر سکتہ کی سی کیفیت طاری تھی۔ ہیبت اور
جلال سے ان کے دل لرزے جاتے تھے۔ کس کی طاقت تھی۔ کہ اسوقت لشکر اسلام
سے برسر پرخاش ہو۔ تاہم عکرمہ بن ابوجہل نے کچھ شرارت کی۔ اور تھوڑے سے آدمیوں کو لیا

کو ساتھ لیکر قبیلۂ بنی سلیم پر جس کی کمان خالد ابن ولید کے ہاتھ میں تھی پیچھے سے حملہ کر دیا۔ دو مسلمان شہید ہوئے مگر خالد نے اس کا جواب تلوار سے نہ دیا۔ بلکہ اخلاق اور نرمی سے انھیں سمجھایا۔ کہ کیوں نادانی کر کے اپنی جانیں مفت گنواتے ہو۔ ابھی تہ و بالا کر دیئے جاؤ گے۔ ہم صرف آنحضرتؐ کے حکم کے منتظر ہیں۔ ورنہ تم مٹھی بھر لوگوں کی بساط ہی کیا ہے۔ اس جاہلانہ جوش سے باز آؤ۔ اور گھر کو لوٹ جاؤ۔ الغرض معاملہ یہیں تک رہا۔ اور زیادہ فساد نہ بڑھا۔ تاہم اس خفیف سی چھیڑ چھاڑ میں ان کے اٹھائیس آدمی کام آئے۔ اور ان کو یقین ہو گیا۔ کہ اب ہم مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے

لشکر اسلام بخط مستقیم خانہ کعبہ پہنچا۔ نبی کریمؐ اسوقت اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ نے سواری کی حالت میں ہی خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ بعدازاں آپ اُس کے اندر داخل ہوئے۔ اور وہاں جو تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ ان سے اس مقدس گھر کو پاک کیا۔ اسوقت عجیب نظارہ تھا۔ آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ اور آپ ہر ایک بُت کے سامنے جاکر اور یہ آیہ کریمہ پڑھکر "جاء الحق وزہق الباطل الخ" (حق آیا اور باطل گیا) اس بت کے سر پر مارتے تھے۔ اور وہ بت اوندھے مُنہ گر پڑتا تھا۔ کعبہ کے بڑے بتوں میں سب سے بڑا بت ہبل تھا۔ جس پر مشرکوں کا بڑا اعتقاد تھا۔ اور ہر مشکل و مصیبت کے وقت اس کو پکارتے اور اس کے آگے سر جھکاتے تھے۔ یہ کسی قدر اونچی جگہ نصب تھا۔ آپ کی چھڑی وہاں تک نہ پہنچ سکی۔ اسواسطے حسب اشارہ پیغمبرؐ حضرت علیؓ نے اوپر چڑھکر اُسے گرایا۔

علاوہ ازیں خانہ کعبہ کی دیواروں پر بھی بتوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ آپ نے ان کو بھی پانی سے دُھلوا کر مٹوایا۔ اور اس طرح بیت اللہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کیا۔ مشرکین مکہ کو جو بتوں کی برائی سننا تک گوارا نہ کرتے تھے آج انکے فنا ہونے پر بھی کان ہلانے کی جرأت نہ تھی۔ آنحضرتؐ جب کعبہ کو بتوں سے پاک کر چکے۔ تو آپ نے درگاہ ایزدی میں شکر ادا کیا۔ کہ مجھے اس فرض کے ادا کرنے کی توفیق بخشی۔ سبحان اللہ

اس کے بعد آنحضرت حرم کعبہ سے باہر تشریف لائے۔ اور شہر کی جانب متوجہ ہوئے۔ اس وقت قریش کی عجیب حالت تھی۔ ان کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ اور لرزے جا رہے تھے۔ کہ دیکھئے اب کیا حکم ہوتا ہے۔ ان کو یقین تھا کہ آج ہمارے کرتوتوں کی سخت سزا دی جائے گی۔ کوئی کہتا تھا۔ شاید پیغمبر صاحب قتل عام کا حکم دیں۔ اور اگر ایسا کریں۔ تو کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی۔ کیونکہ ہم لوگوں نے بھی تو انھیں تکلیف دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ کوئی کہتا تھا۔ ہاں آج ان کے انتقام کا وقت ہے۔ جو کچھ کریں کم ہے۔ پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ شہر چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ تو شاید جان بچ جائے۔ کوئی کہتا۔ مگر وہ ہمیں بھاگنے بھی کہاں دیں گے۔ الغرض لوگ سہمے جاتے تھے۔ اور کچھ شہر چھوڑ کر بھاگنے شروع ہو گئے۔ کہ آپ نے فوراً منادی کرا دی۔ کہ کوئی مسلمان تلوار نہ اٹھائے۔ اور مکہ کا کوئی آدمی شہر چھوڑ کر نہ بھاگے۔ اس سے کوئی بدسلوکی نہ کی جائے گی۔ آج انتقام اور بدلہ کا دن نہیں ہے۔ بلکہ شفقت اور رحمت کا دن ہے۔ میں تمہارا دشمن ہو کر نہیں آیا ہوں۔ نہ میں کسی قسم کا انتقام لونگا۔ بلکہ تم لوگوں سے وہ سلوک کرونگا۔ جو حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ اگرچہ وہ برادران یوسف تھے۔ مگر میں تم کو سخت لفظ کہنا بھی پسند نہ کروں گا"

اس کے بعد آپ نے عکرمہ بن ابوجہل کو اس ہنر کے جرم میں گرفتار کرنیکا حکم دیا جو لشکر اسلام کے داخلہ کے وقت اس نے مسلمانوں پر حملہ کر کے دو مسلمانوں کو شہید کر کے ان کے گھر اس خوشی کے وقت ماتم ڈال دیا تھا۔ انصاف اسی امر کا مقتضی تھا کہ قاتل کو سزا دی جائے۔ مگر عکرمہ اپنی گرفتاری کی خبر سنکر مکہ سے فرار ہو گیا۔ اس موقعہ پر ایک غیر مسلم مصنف بھی اس واقعہ کے متعلق اپنی رائے یوں ظاہر کرتا ہے۔ جس سے ہماری مراد شردھے پرکاش دیوجی سے ہے۔ وہ لکھتے ہیں "انصاف بھی آخر کوئی چیز ہے۔ عکرمہ نے جو بلا موجب حملہ کر کے دو بے گناہ مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ اور اس خوشی کے وقت ان دو بے گناہوں کے گھر میں ماتم بپا ہوا۔

اس کا انصاف بھی آخر خدا کی شریعت میں کچھ تھا یا نہیں۔

اب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرسی انصاف پر جلوہ فرما تھے۔ اور وہ خاص خاص قریش جنھوں نے مسلمانوں کی تباہی میں جان توڑ توڑ کر کوششیں کی تھیں پیش کئے جا رہے تھے۔ جن میں سے چند کے حالات حوالہ قلم ہیں۔

اوّل ہبّار آپ کی خدمت میں پیش ہوا۔ لوگوں کا خیال تھا۔ کہ اسے ضرور قتل کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ اس شخص نے آنحضرت کی صاحبزادی زینب کو جو حاملہ تھیں مکے سے مدینے جاتے ہوئے بڑی بیدردی سے پتھر مارے تھے۔ جس سے ان کو ایسی سخت چوٹیں آئی تھیں۔ کہ مدینہ پہنچ کر ان ضربات کی وجہ سے انتقال فرما گئیں۔ بدیں وجہ لوگ سمجھتے تھے۔ کہ یہ شخص حضرت زینب کے خون کے قصاص میں ضرور قتل کیا جائے گا۔ مگر حضرت نے اپنی شان رحمۃ اللعالمینی اس طرح دکھائی۔ کہ اپنے جگر گوشہ کے قاتل کی جان بخشی کی۔

اس کے بعد وحشی عدالت رسالت میں پیش ہوا۔ یہ حضرت کے چچا جناب امیر حمزہ کا قاتل تھا۔ خاندان پیغمبر کو اس موت کا خاص قلق تھا خصوصاً آنحضرت کی پھوپی جناب صفیہ کو اپنے بھائی کی موت کا بہت قلق تھا۔ غرضکہ قرینہ سے یہی پایا جاتا تھا۔ کہ وحشی کی جان بخشی نہ کی جائے گی۔ خود آنحضرت بھی اس سے سخت ناراض تھے۔ اس نے آتے ہی سب سے اوّل یہ بات کہی کہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ آنحضرت نے فوراً خون معاف کر دیا۔

اتنے میں ایک عورت نے حضرت کی خدمت میں پیش ہونے کی اجازت چاہی۔ یہ عکرمہ کی بیوی تھی۔ جس نے حاضر ہو کر اپنی پریشانی و سرگردانی کی داستان رو رو کر حضور نبوی میں بیان کی۔ اور نہایت عاجزی سے عکرمہ کے خون کی معافی چاہی۔ اس نے کہا کہ میرا شوہر خوف سے بھاگ گیا ہے۔ میں تنہا و لاوارث رہ گئی۔ بچے باپ کے لئے رو رو کر جدا میری جان کھائے جاتے ہیں۔ آپ خدا کے لئے میری اس بیکسی کی حالت پر رحم فرما کر اس کی جان بخشی کیجئے۔ آپ کے رحم

اکرم سے مجھے امید ہے۔ کہ مجھ عاجزہ کی عرض قبول فرماکر اس کو معافی دیں گے۔
آنحضرت کو اس کی گریہ وزاری اور درد بیقراری پر رحم آیا۔ اور مسلمان مقتولوں
کے وارثوں کو خون کی معافی پر رضامند کیا۔ جب وہ خون معاف کرنے پر راضی
ہو گئے۔ تو آپ نے عکرمہ کی بیوی کو اس کی جان بخشی کی اطلاع دیدی۔ اب
وہ اپنے شوہر کی تلاش کو نکلی۔ اور جنگل در جنگل بڑی مشکل سے اسے تلاش کر کے
گھر واپس لائی ہے۔ جو وقت عکرمہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو خوف کے مارے
منہ نہ آیا۔ بلکہ اپنی بیوی کو بطور سفارشی ساتھ لایا۔ اس شخص کا باپ ابوجہل آنحضرت
کا جانی دشمن تھا۔ جسقدر آنحضرت نے اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی اسی
قدر وہ دشمنی اور عداوت میں ترقی کرتا گیا۔ اسی جانی دشمن اور سخت دل شخص کا بیٹا یہ
عکرمہ تھا جس نے آنحضرت کے ساتھ عداوت اپنے باپ سے ورثہ میں پائی تھی۔ اور
جو دشمنی میں ایسا اندھا ہو رہا تھا۔ کہ جب تمام کفار قریش اپنے میں مقابلہ کی تاب
وجرات نہ دیکھکر خاموش ہو چکے تھے۔ تو یہ اس روز بھی نہ چوکا۔ اور پیچھے سے
حملہ کر کے دو مسلمانوں کو شہید کر ہی ڈالا۔ ایسے اشد کافر کا ایمان لانا واقعی
مقام مسرت تھا۔ چنانچہ جب عکرمہ اپنی بیوی کو ہمراہ لیکر حضور نبوی میں طلب معافی کی
غرض سے پہنچا۔ اسوقت حضور ایک خیمے میں تشریف فرما تھے۔ عکرمہ نے
اندر آنے کی اجازت چاہی۔ آنحضرت اسوقت اچھی طرح لباس پہنے ہوئے نہ
تھے۔ آپ نے ویسے ہی چادر کندھوں پر ڈال کر عکرمہ کو اندر بلا لیا۔ اور اسے
دیکھکر آپ ایسے خوش ہوئے۔ کہ جلدی سے اٹھکر بغلگیر ہوتے وقت ردائے
مبارک آپ کے کندھوں سے سرک گئی۔ آپ ایسے تپاک و مسرت سے ملے
کہ گویا برسوں کے بچھڑے ہوئے حقیقی بھائی ہیں۔ عکرمہ نے نہایت صدق
دل سے کلمہ شہادت پڑھا۔ اور زمرۂ خدام میں داخل ہو کر سعادت دارین حاصل کی۔
ہندہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ ناظرین کو واضح ہو۔ کہ یہ وہی
سنگدل عورت تھی۔ جس نے جنگ احد میں حضرت امیر حمزہ رض کی لاش کو چیر کر کلیجہ نکالکر

دانتوں سے چبایا تھا۔ ایسی سنگدلی کی نظیر شاید دنیا کم پیش کر سکے گی۔ جو اس عورت نے کی تھی۔ یہی وہ دلیر اور پر جوش دشمن اسلام عورت تھی جس نے اپنے شوہر ابوسفیان کے مسلمان ہونیکی خبر سنکر بھرے مجمع میں آکر اس کی داڑھی نوچی اور جوتیوں سے پیٹا تھا۔ یہی وہ خونخوار ظالم عورت تھی جس نے قریش کو اور اپنے شوہر کو جوش دلادلا کر مسلمانوں کی خونریزی پر ابھارا تھا۔ اسے خود اپنے کرتوت کی وجہ سے یقین جاں بخشی نہ تھا۔ اور سمجھتی تھی۔ کہ ضرور قتل کردی جاؤں گی۔ اسی واسطے وہ نہایت شرمندہ سر افگندہ منہ چھپائے دوسری عورتوں میں مل جل کر آکھڑی ہوئی آنحضرت نے اُسے پہچان لیا۔ اور اس کے تمام قصوروں سے درگزر کرکے اُسے بھی معاف کردیا اللہ اللہ شان فیاضی ورحیمی ایسے ایسے سنگین مجرموں کے ساتھ بھی آپ نے کیسی مہربانی کا سلوک کیا۔ جب آپ ہندہ کا قصور معاف کر چکے۔ تو فرمایا۔ کہ اے ہندہ جا اچھا ہوا کہ تو مسلمان ہوگئی۔ نیک کرداریوں اور نیک اعمال میں زندگی بسر کرنا۔ خدا کو ایک جاننا اور اسی کی پرستش کرنا۔ جھوٹ کبھی نہ بولنا۔ ہر قسم کی برائی اور بداعمالی سے بچنا۔ خدا کے سوا کسی دوسری شے کو معبود نہ بنانا۔"

الغرض خدائی مہربانی کا یہ نظارہ عجیب و غریب تھا۔ کہ جناب رسول اکرم کوہ صفا پر جلوہ فرما تھے۔ اور قریش مکہ گردہ درگردہ ہوکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور اپنی حماقتوں۔ غلطیوں اور شرارتوں کا اعتراف کرتے ہوئے آکر معافی کے خواستگار ہوتے تھے۔ اور آنحضرت دریا دلی سے معاف فرما رہے تھے۔ اور بغیر کسی جبر واکراہ کے وہ لوگ اسلام قبول کر رہے تھے الغرض چند گھنٹوں میں تمام قریش مکہ بخوشی خاطر مسلمان ہوگئے۔ اور بت پرستی سے ہمیشہ کے لئے تائب ہوکر اپنے سر مالک حقیقی کے سامنے جھکا دئے۔ غرضکہ آنحضرت نے

کبھی کے جو پھرتے تھے مالک سے بھاگے
دئے سر جھکا ان کے مالک کے آگے

وہ فخر عرب زیب محراب و منبر تمام اہل مکہ کو ہمراہ لے کر

گیا ایک دن حسب فرمان داور سوئے دشت اور چڑھ کے کوہ صفا پر
یہ فرمایا سب سے کہ اے آل غالب
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب
کہا سب نے قول آج تک کوئی تیرا کبھی ہم نے جھوٹا سُنا اور نہ دیکھا
کہا گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا تو باور کروگے۔ اگر میں کہوں گا
کہ فوج گراں پشت کوہ صفا پر
پڑی ہے۔ کہ لوٹے تمھیں گھات پاکر
کہا تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے
کہا گر میری بات یہ دلنشیں ہے تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے
کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اُس سے جو وقت ہے آنیوالا
وہ بجلی کا کڑکا تھا۔ یا صوت ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن سب کے دل میں لگادی اک آواز میں سوتی بستی جگادی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نام حق سے
سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا حقیقت کا گُر ان کو اک اک بتایا
زمانہ کے بگڑے ہوؤں کو بنایا بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا
کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دئے ایک پردہ اٹھا کر
کسی کو ازل کا نہ تھا یاد پیماں بھلائے تھے بندوں نے مالک کے فرماں
زمانہ میں تھا دور صہبائے بطلاں مئے حق سے محروم تھی بزم دوراں
اچھوتا تھا توحید کا جام اب تک
خم معرفت کا تھا منہ خام اب تک

نہ واقف تھے انسان قضا و جزا سے　　نہ آگاہ تھے مبتدا و منتہا سے
لگائی تھی اک اک نے لو ما سوا سے　　پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے
یہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا
یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق　　زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق　　اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم　　اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم　　اسی کی طلب میں مرو جب مرو تم
مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کو بڑائی

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں　　مہ و مہر ادنیٰ سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں　　نبی اور صدیق مجبور ہیں واں
نہ پرستش ہے رہبان و احبار کی واں
نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں

نصاریٰ نے جس طرح کھایا ہے دھوکا　　کہ سمجھے وہ عیسیٰ کو بیٹا خدا کا
مجھے تم سمجھنا نہ زنہار ایسا　　مری حد سے رتبہ بڑھانا نہ میرا
سب انساں ہیں جس طرح واں سرفگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم　　نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم　　کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بڑائی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

باب ہفتم

مراجعت مدینہ

فتح مکہ کا موقع مسلمانوں کے لئے نہایت مبارک تھا۔ کہ کعبہ کے بت سرنگوں ہو چکے تھے۔ تمام مکہ کے بت پرست بلکہ تمام عرب قبائل خدائے واحد کا کلمہ پڑھنے لگے تھے۔ اور مکہ والوں میں سے کسی کو اتنی طاقت نہ تھی۔ کہ مسلمانوں کی مخالفت کا دم بھرے۔ اسواسطے اگر آنحضرت اور مسلمان چاہتے۔ تو اب یہیں قیام فرماتے۔ لیکن اہل مدینہ کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی۔ کہ پیغمبر خدا اُن کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو۔ اسی واسطے انھوں نے اس مبارک موقع کے آنے سے بیشتر ہی جس کا شاید انھیں خواب وخیال بھی نہ ہو۔ حضورؐ سے عرض کر دیا تھا۔ کہ اگر جناب کو کبھی کامیابی ہو۔ تو ہم غریب جان نثاروں کو دل سے نہ بھلا دیں۔ اور اپنے قدوم میمنت لزوم سے مدینہ کو محروم نہ فرمائیں۔ اس لئے جناب سرور کائنات نے مکہ میں چند روز قیام فرمانے کے بعد مدینہ تشریف لانے کا عزم کیا +

تبیلہ بنی ہوازن و بنی ثقیف کی شرارت

روانگی سے قبل مسلمانوں کو معلوم ہوا۔ کہ قبایل **بنی ہوازن** اور **بنی ثقیف** ان پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ حیات رحنین اور بنو سعد کے قبایل بھی ان کے شامل حال تھے۔ معلوم ہوا۔ کہ ان لوگوں کا منشا یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کو بت شکنی کی سزا دیں۔ مگر مسلمانوں نے ان کا ارادہ معلوم کر کے ان سے نبٹ لینا ہی مناسب سمجھا۔ اور قبل اس کے کہ وہ حملہ کریں۔ مسلمان پیش قدمی کر کے ان پر جا پڑے۔ یہ بات خاص طور پر دلچسپ ہے۔ کہ اب ان حملہ آوروں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ سرگرمی دکھانیوالے قریش مکہ تھے۔ کیا یہ معجزہ نہیں۔ اور کیا اس کا اثر قیامت تک نہ رہے گا۔ کہ کل جو

لوگ مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ آج وہ جاں نثار دوست بن گئے ہیں۔ کیا خدا کے سوا کوئی اَور طاقت ہے۔ جو انسانی جذبات میں اس قدر جلد ایسا انقلاب پیدا کر دے ✦ سبحان اللہ ؎

الغرض مکہ سے دس میل دور سے دونوں گروہوں کی ایک کوہی درہ میں مڈھ بھیڑ ہوئی۔ حملہ آور بت پرست اعلےٰ درجہ کے تیر انداز تھے۔ اور اوّل اوّل جنگ کا رنگ ان کی کامیابی کا یقین دلاتا رہا۔ لیکن زورِ صداقت کا مقابلہ اسبابِ ظاہری کب تک کر سکتے ہیں۔ آخر انھیں شکست ہوئی۔ اور ان کے دو حصے ہو گئے۔ چنانچہ بنی ثقیف جو جنگجو حصہ تھا طائف کی جانب فرار ہو گیا۔ اور وہاں کے قلعہ میں محصور ہو گیا ✦

دوسرا حصہ قبیلہ بنی ہوازن جس کے ساتھ عورتیں۔ بچے اور مویشی اور دیگر سامان تھا۔ ایک پہاڑ کے دامن تک جا کر رُک گیا۔ مسلمان تعاقب کرتے ہوئے یہاں پہنچے۔ اور ان سب پر قبضہ کر لیا۔ اس لڑائی میں علاوہ اَور مالِ غنیمت کے چھ ہزار زن و مرد اور بچے بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ جو حسب قاعدہ سپاہ میں تقسیم کر دیئے گئے۔ مگر آنحضرت ان لوگوں کی گرفتاری پر سخت متاسف ہوئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام فرمایا۔ جس کا منشا یہ تھا۔ کہ ان کا کوئی سفارشی یا وارث آ جائے۔ تو چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ پندرہ روز گذر جانے کے بعد قبیلہ مذکور کے چھ سردار جناب سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنی حرکت پر اظہار ندامت کر کے گرفتاران بلا کی رہائی کی درخواست کی۔ آنحضرت تو یہ چاہتے ہی تھے۔ فوراً ان اسیرانِ جنگ کو بلا معاوضہ آزاد کر دیا۔ جو آنحضرت کے حصہ میں آئے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی باقی تمام مسلمانوں نے بھی آپ کی مثال کی پیروی کی۔ اور آن کی آن میں تمام اسیرانِ جنگ جو لشکر اسلام کے لونڈی غلام بن چکے تھے۔ آزاد ہو گئے۔ آنحضرت کی اس رحمدلی اور مسلمانوں کی فیاضی کا یہ اثر ہوا کہ دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے ✦

اس کے بعد محصورین طائف کی خبر لی گئی۔ طائف ایک پر فضا شہر پہاڑ کے اندر مکہ سے بیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ اب سے نو برس پیشتر آنحضرت اس شہر میں تبلیغ دین کے لئے تشریف لائے تھے جب آپ وعظ فرمانے کھڑے ہوئے۔ تو یہاں کے باشندے آپ کے ساتھ نہایت بدسلوکی سے پیش آئے تھے۔ چنانچہ جب حضور مجبور ہو کر وہاں سے واپس ہوئے۔ تو آپ کی زخمی پنڈلیوں سے ان سنگدلوں کے پتھر مارنے کی بدولت خون جاری تھا۔ لیکن اب طائف مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکا۔ اور مختصر محاصرہ کے بعد مسلمان قلعہ پر قابض ہو گئے۔ محصورین نے اطاعت قبول کرنے کے بعد آنحضرت سے نہایت لجاجت کیساتھ بت نہ توڑنے کی درخواست کی۔ اور کہا کہ انھیں دو برس تک بدستور رہنے دیا جائے۔ آنحضرت نے یہ درخواست نامنظور کی۔ پھر بت پرستوں نے ایک سال کے لئے کہا۔ وہ بھی نامنظور۔ آخر ایک ماہ تک آ گئے۔ مگر بیسود۔ کیونکہ وہ سچا خدا پرست اور توحید کا ہادی گھڑی بھر کو بھی بت پرستی دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ آخر ان سے کہدیا گیا۔ کہ اور جو کہو سو منظور۔ لیکن بتوں کے باب میں تمہاری درخواست ہرگز منظور نہیں ہو سکتی۔ خدا کے قانون میں ایک منٹ کے لئے بھی بت پرستی جائز نہیں۔ تمہاری یہی بات نہ سنی جائے گی۔ اور بتوں کو ایک لحظہ کے لئے نہ چھوڑا جائے گا۔ البتہ مذہب اسلام قبول کرنے کے لئے تم پر کوئی جبر نہیں۔ جی چاہے قبول کرو۔ جی چاہے نہ کرو۔

الغرض بتوں کی خبر لی جانے لگی۔ اور آخر جب انکے سب سے بڑے بت لات کے سر پر مسلمانوں کا گرز گراں پڑا۔ اور اسے پاش پاش کیا جانے لگا۔ تو طائف کے تمام زن و مرد زار زار روتے تھے۔ اور شور و بکا سے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ مگر مسلمان اپنے کام میں مصروف رہے۔ اور جب تک ایک ایک بت کا نشان نہ مٹا دیا۔ دم نہ لیا۔

الغرض طائف کے تمام بت توڑ ڈالے گئے۔ اور ان کے قلعہ جات پر مسلمانوں

کا قبضہ ہو گیا۔ مگر ان لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ نہ ان کو اس بارہ میں مجبور کیا گیا۔
یہ مقام بھی ان لوگوں کے لئے قابل غور ہے۔ جو اسلام کو کہا کرتے ہیں کہ وہ بذریعہ شمشیر پھیلایا گیا ہے۔ طائف پر مسلمان قابض ہو گئے۔ تمام قلعے فتح کر لئے اور وہ اس پر قادر تھے۔ کہ جان کی دھمکی سے بہ جبر تمام اہل طائف کو مسلمان کر ڈالتے مگر نہیں ایسا نہیں کیا گیا۔ کیونکہ مذہب ایسی چیز نہیں۔ کہ جب تک دل اُسے قبول نہ کرے۔ کسی سے زبردستی قبول کرا لیا جائے۔

تبلیغ اسلام اب وہ وقت تھا۔ کہ عرب کی باطل پرستیاں معدوم ہو گئی تھیں اور ہر طرف برکات اسلام نظر آتی تھیں۔ لوگوں کے دل خود بخود اسلام کی جانب کھنچے جاتے تھے۔ بات یہ تھی۔ کہ مکہ بت پرستی کا مرکز تھا۔ جب وہیں آفتاب توحید چمکا۔ تو باقی عرب خدا پرستی کے اثر سے کیونکر بے بہرہ رہ سکتا تھا۔ چنانچہ ان دنوں یہ حال تھا۔ کہ عرب کے قبائل کے قبائل آتے تھے اور **توحید حق** کا اقرار کر کے ایمان لاتے تھے۔ جو قبائل دور دراز علاقوں میں آباد تھے۔ اور ان کو مدینہ تک پہنچنا دشوار تھا۔ انھوں نے دربار رسالت میں اپنے قایم مقام بھیجکر محبت اسلام ظاہر کی۔ جس کا انتظام حضرت نے یہ فرمایا۔ کہ ایک ایک صحابی بطور نقیب یا مشنری ان کے ساتھ کر دیا۔ کہ وہ تلقین دین مبین کریں۔ اور اسطرح بھی ہزارہا اہل عرب دین حق میں داخل ہو گئے۔ اس سال (سنہ ۹ھ) میں اس قدر سفارتیں رسول خدا کی خدمت میں آئیں۔ کہ اس سال کا نام ہی تاریخ اسلام میں **سال وفود** (ڈیپوٹیشنوں کا سال) قرار دیا گیا ہے۔

غزوہ تبوک سنہ ۹ھ میں عرب میں ایک سخت قحط پڑا جس کا اثر سرحد کے قریب زیادہ تھا۔ لوگ فاقوں مر رہے تھے۔ اور اسی وجہ سے ملک میں کچھ بدامنی کے بھی آثار پائے جاتے تھے۔ یہ علاقہ جس کا صدر مقام **تبوک** تھا شاہ قسطنطنیہ کے زیر اثر تھا۔ سلطنت روما (اٹلی) نے یہاں آثار بدامنی دیکھکر اس

فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور عرب پر چڑھائی کرنیکی طیاریاں کرنے لگا۔ جیساکہ آجکل اٹلی والوں نے طرابلس پر بلا وجہ حملہ کرکے اپنے آپ کو مطعون خلایق بنا رکھا ہے) آنحضرت رحمت اللعالمین تھے۔ آپ نے ملک کو دشمن کے حملہ سے بچانا ضروری خیال فرمایا۔ چنانچہ آپ بھی کوشش میں مصروف ہوئے۔ اور باوجود قحط سالی کے جب آپ دشمنوں کے۔ روکنے کو بڑھے ہیں۔ تو پوری بیس ہزار سپاہ آپ کے زیر علم تھی؛

یہ فوج عرب کی سرحد تک پہنچی اور تبوک میں جاکر خیمہ انداز ہوگئی۔ مگر جب روما والوں کو مسلمانوں کی اس پیش قدمی اور مستعدی کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ نہ صرف حیران ہوگئے۔ بلکہ ہمت ہار کر بیٹھ رہے۔ کہ ایسے لوگوں سے عہدہ برآ ہونا ہمارا کام نہیں (کاش! اس واقعہ سے ترک سبق لیتے۔ اور طرابلس پر اہل اٹلی کے حملہ کی طیاریوں کی خبر سن کر ایسی ہی مستعدی دکھاتے۔ اور ثابت کردیتے۔ کہ ہم انھیں لوگوں کی اولاد ہیں جن کے مقابلہ سے تمہارے آباواجداد دور سے دور ہی بلا مقابلہ فرار ہو جاتے تھے) الغرض لشکر اسلام دس روز تک تبوک میں خیمہ انداز رہا۔ اور جب اُسے یقین ہوگیا۔ کہ اب دشمن حملہ نہ کریگا بخیریت واپس گیا۔ البتہ ایک سپاہی شہید ہوا جس کا انتقام آیندہ زمانہ میں مسلمانوں نے لیا؛

قبیلہ بنی طے کا سر اُٹھانا

انھیں ایام میں قبیلہ بنی طے کے بعض مفسدہ پرداز ملک میں آتش فساد برپا کرنے پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ جس کے روکنے کے لئے آنحضرت نے ایک فوج روانہ کی۔ جو حضرت علیؓ کے زیر کمان تھی۔ ان دنوں عدی بن حاتم طائی (مشہور زمانہ فیاض) بنی طے کا حاکم تھا۔ مگر وہ تاب مقاومت نہ لاکر شام کی جانب فرار ہوگیا۔ فوج اسلام نے بلا مزاحمت ان کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ اور اسیران جنگ کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان گرفتاران بلا میں مشہور زمانہ فیاض حاتم طائی

کی بیٹی بھی تھی۔ جب اُس نے اپنا حال عرض کیا۔ تو آنحضرت نے اس کی جاں بخشی کی۔ باقی مجرم جرم بغاوت میں ماخوذ کئے گئے۔ مگر سخی باپ کی سخی لڑکی نے نہایت ادب کیساتھ بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ کہ جس طرح حضور نے میرے حال زار پر رحم فرمایا ہے۔ اسی طرح میری قوم پر رحم کیا جائے۔ ورنہ مجھے بھی انھیں کے ساتھ مقید رکھا جائے۔ یا اگر انھیں قتل کی سزا دی جائے۔ تو مجھے بھی تہ تیغ کیا جائے۔ میں نہیں چاہتی۔ کہ میرے قبیلہ کے لوگ غلام بنا کر رکھے جائیں۔ اور میں آزاد رہوں۔ نہ قتل کئے جائیں اور میں زندہ رہوں۔ آنحضرت کے دل پر اس لڑکی کی حُبّ قومی کا خاص اثر ہوا۔ اور آپ نے اس کی خاطر اس کے تمام قبیلے کو رہا فرمایا۔ یہ لوگ آنحضرت کا یہ مہربانی آمیز برتاؤ دیکھکر اسیوقت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ یہ تھی اسلام کی تیغ بُراں جو اوّل سے ہر موقع پر کارگر ثابت ہوتی رہی ہے۔ اس واقعہ کو حضرت شیخ سعدی رح نے نظم کیا ہے جس کا درج کرنا یہاں خالی از دلچسپی نہ ہوگا:

حکایت بوستان

شنیدم کہ طَے در زمان رسول ۔۔۔ نہ کردند منشور ایمان قبول
فرستاد لشکر بشیر و نذیر ۔۔۔ گروہے ز ایشاں گرفتند اسیر
زنے گفت من دختر حاتم ۔۔۔ بخواہند ازیں نامور حاکم
کرم کن بجائے من اے محترم ۔۔۔ کہ مولائے من بود زاہل کرم
بفرمان پیغمبر پاک رائے ۔۔۔ کشادند زنجیر از دست و پائے
دراں قوم باقی نہادند تیغ ۔۔۔ کہ رانند سیلاب خوں بیدریغ
بزاری بہ شمشیر زن گفت زن ۔۔۔ مرا نیز با جملہ گردن بزن
مروت نہ بینم رہائی ز بند ۔۔۔ بہ تنہا و یارانم اندر کمند
ہمیگفت گریاں بہ اخوان طے ۔۔۔ بہ سمع رسول آمد آواز وے
بہ بخشید آں قوم و دیگر عطا ۔۔۔ کہ ہرگز نہ کرد اصل و گوہر خطا

اہل اسلام کا حج کے لئے مکہ آنا

ایام حج قریب آئے۔ تو آنحضرت نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علیؓ اور دیگر مسلمانوں کو جو حج کے متمنی تھے۔ خانہ کعبہ کے طواف کے لئے روانہ کیا۔ خود کسی مصلحت سے مدینہ قیام فرمایا۔ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو یہ بھی ہدایت کی۔ کہ بعد ادائے فرائض حج خانہ کعبہ میں اعلان کردیا جائے۔ کہ سال آیندہ سے شہر مکہ خدا پرستوں کا مرکز سمجھا جائے گا۔ اور وہاں بت پرستوں کو آنے کی اجازت نہ ہوگی۔

قافلہ اسلام مکہ کو روانہ ہوگیا۔ اور بعد ادائے حج حضرت علیؓ نے خانہ کعبہ میں اعلان کر دیا۔ کہ آیندہ سال سے کسی بت پرست کو یہاں آنے کی اجازت نہیں۔ نہ کوئی زمانہ جاہلیت کے طریق سے برہنہ ہوکر بیت الحرام کا طواف کرسکے گا۔ جن لوگوں نے خاص عہد و پیمان کر رکھے ہیں۔ وہ وقت مقررہ تک اسی طرح رہیں گے باقی لوگوں کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے۔ کہ اپنے اپنے ملکوں کو واپس چلے جائیں۔ اس کے بعد کوئی عذر قابل سماعت نہ ہوگا۔ اس کے بعد قافلہ مدینہ واپس آگیا۔

اگلے سال تقریباً تمام عرب مسلمان ہوچکا تھا۔ اور شاید ہی کوئی بت پرست کسی گوشہ میں پڑا ہوا باقی رہا ہو۔

تبلیغ دین

سنہ ھ میں آنحضرت نے عرب کے تقریباً تمام قبیلوں میں ان کی دینی تعلیم کے لئے **واعظ۔ منادی۔ قاری** اور **نقیب** مقرر کئے۔ نیز قرب وجوار کے غیر مسلم بادشاہوں اور سرداران قبایل کے پاس سفارتیں بھیجکر انھیں دعوت اسلام دی۔ بعض قبایل نے خود اس قسم کی درخواستیں آنحضرت کی خدمت میں بھیجیں۔ اس سعی اور اس جانفشانی کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ وہ ملک جو صدیوں سے چاہ ضلالت میں ڈوبا ہوا تھا جس میں ہر قسم کی بدیاں اور بت پرستی رائج تھیں۔ جہاں توہمات کی کالی گھٹا چھارہی تھی۔ جہاں کے باشندے افعال شنیعہ کے عادی تھے۔ یک لخت ایک قطعہ روضہ رضوان بنگیا۔ اور سب برائیاں اس سے دور ہوگئیں۔

وہ دین جس نے اعدا کو اخواں بنایا　　وحوش اور بہائم کو انساں بنایا
درندوں کو غمخوار دوراں بنایا　　گڈریوں کو عالم کا سلطاں بنایا

وہ خطہ جو تھا ایک ڈھوروں کا گلّہ
گراں کر دیا اس کا عالم سے پلّہ

مس خاک کو جس نے کندن بنایا　　کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا　　پلٹ دی بس اک آن میں انکی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا۔
ادہر سے اُدہر پھر گیا رخ ہوا کا۔

پیغمبر خدا کا الوداعی حج

اب وہ وقت تھا۔ کہ عرب میں ایک سرے سے دوسرے تک خدا پرستی کا دریا لہراتا نظر آ رہا تھا۔ اور اس کے سیلاب ممالک غیر تک پہنچ رہے یا پہنچنے والے تھے۔ اور رسول کریم جس خدمت کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے با حسن وجوہ پوری کر چکے تھے۔ اسواسطے خود جناب اقدس کو خیال ہو گیا تھا۔ کہ اب میں یہاں زیادہ عرصہ نہ رہونگا۔ اسی خیال سے جناب نے ایک الوداعی حج ادا فرمانے کا عزم کیا چنانچہ قافلۂ مسلمانان مدینہ سے روانہ ہو گیا۔

آج یدخلون فی دین اللہ افواجا کا وعدہ الٰہی پورا ہو چکنے کے بعد الیوم اکملت لکم دینکم کا نظارہ پیش نظر ہے۔ ناظرین کیا آپ قیاس کر سکتے ہیں۔ کہ اس حج میں آپ کے پیچھے کتنے آدمی تھے۔ وہی آمنہ کا یتیم بچہ جسے علیمہ دائی پرورش کے لئے لینے میں بھی تامل کرتی تھی۔ وہی شخص جسے مکہ میں کوئی پناہ نہ دیتا تھا۔ اور جسے بھاگتے وقت صرف دو جاں نثار رفیق ملے۔ کہ ایک بستر پر لیٹا۔ اور ایک نے ان کے ساتھ جان جوکھوں میں ڈال کر پہاڑ کی کھوہ میں پناہ لی کچھ خیال کر سکتے ہو۔ کہ آج اس کے جھنڈے کے نیچے کتنے آدمی ہیں؟ آج اس کے ساتھ **ایک لاکھ چوبیس ہزار خدا پرست** میدان عرفات میں خدائے واحد کے حضور میں سر

ننگے سر کھڑے بن سلے کپڑے کفن کی طرح پہنے۔ امیری غریبی کا فرق دور کئے۔ میدان حشر کا نمونہ بنائے کھڑے ہیں۔ اللہ اکبر! صداقت کی کامیابی!! کیسا عالیشان نظارہ ہے +

مکہ پہنچ جانے کے بعد ایک روز آپؐ کوہ عرفات پر تشریف لے گئے۔ اور وہاں ایک موثر تقریر فرمائی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

حاضرین اہل اسلام! میں شاید اگلے سال تم لوگوں میں نہ ہوں۔ اس لئے میں اب جو کچھ کہوں اُسے غور سے سنو۔ اور دل سے توجہ کرو۔ یہ مہینہ اور خاصکر یہ روز تم لوگوں کے لئے مقدس ہے۔ تم سب کے سب ہر سال اس روز اپنے خدا کے حضور اس گھر میں حاضر ہوا کرو۔

اے مسلمانو! یاد رکھو کہ قیامت کے روز تم سب کو اپنے خدا کے حضور حاضر ہونا پڑے گا۔ وہ اس وقت تمہارے ہر فعل اور حرکات و سکنات کا حساب و کتاب لے گا۔ دیکھو عورتوں کے ساتھ کبھی بدسلوکی نہ کرنا۔ ان سے ہمیشہ مہربانی سے پیش آنا۔ غلاموں کو آسایش دینا۔ وہ آسایش جو تم اپنی ذات خاص کو دیتے ہو۔ ان کی خطاؤں سے درگذر کرنا۔ یاد رکھو کہ کل مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ دیکھو کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے"۔ وغیرہ وغیرہ

بعد ازاں حج سے فراغت پاکر آنحضرت مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ اسی زمانہ یعنی آغاز سلاھ میں کچھ فوج اہل روم کی سرزنش کے لئے بھیجی گئی۔ کیونکہ غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت انھوں نے مسلمانوں کے لشکر میں سے ایک مسلمان کو قتل کر دیا تھا۔ مگر یہ فوج آنحضرت کی بیماری کی وجہ سے راستے ہی سے لوٹ آئی کیونکہ اسے آنحضرت کی علالت کی خبر پہنچ گئی۔ اور بعض صحابہ نے اسوقت بارگاہ رسالت میں حضوری کو ضروری سمجھا۔ اسوقت آنحضرت صلعم کی بیماری کا آغاز تھا۔ مگر روز بروز حالت بگڑتی جاتی تھی۔ اور ضعف زیادہ ہوتا جاتا تھا +

چھوٹے پیغمبر

انھیں ایام میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کذاب نے پیغمبری کا دعوے کیا۔ اور اپنے اپنے قبایل میں رسوخ پیدا کرکے لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کیا۔ اور ساتھ ہی اس کے یمن کے صدر مقام صنعا پر قبضہ بھی کر لیا۔ مگر مسلمان ان کو کب چھوڑنے والے تھے۔ اسود عنسی کو تو مسلمانوں نے فوراً ہی قتل کر ڈالا۔ مگر مسیلمہ کذاب اسوقت بچ گیا کیونکہ مسلمان آنحضرت کی علالت کی وجہ سے تشویش میں تھے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہی یعنی آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد اس کا بھی قصہ پاک کر دیا

آنحضرت کی علالت اور وفات

اسوقت سن مبارک تریسٹھ سال کا ہو چکا تھا۔ آثار پیری نمایاں تھے۔ اس پر علالت اور زور دکھا رہی تھی۔ بخار روز بروز شدید ہوتا جاتا تھا۔ ضعف غیر معمولی طور پر بڑھ گیا تھا۔ مگر اس حالت میں بھی پیغمبر خدا پانچوں وقت مسجد میں تشریف لاکر خود نماز پڑھاتے تھے۔ چونکہ بی بی عائشہؓ کا مکان مسجد کے بالکل قریب تھا۔ اسواسطے ایام علالت میں آپ کا قیام عموماً یہیں رہا۔ یہ بی بی حد سے زیادہ تیمار داری جناتی اور آنحضرت کی خدمت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیتی تھیں وفات سے تین روز پہلے آنحضرت نے جبکہ جناب کا جسم زیادہ تحلیل نظر آتا تھا حضرت علیؓ اور فضلؓ سے فرمایا کہ مجھے سہارا دے کر مسجد میں لے چل جب وہاں تشریف لے گئے۔ تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو امام بنا کر ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ اسی اشارہ سے بعد وفات حضرت ابوبکر آپ کے خلیفہ اور جانشین بنائے گئے بعد ادائے نماز رسول خدا نے فرمایا کہ اگر مجھ سے کسی شخص کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو میں اس کی معافی مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے جس کسی کا مجھ پر قرضہ ہو۔ تو وہ مجھ سے ابھی طلب کر لے۔

یہ سن کر ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی۔ کہ میرے تین درم

آپ کے ذمے ہیں۔ یہ قرضہ فوراً ادا کیا گیا +

اس کے بعد آنحضرت نے لوگوں کو بہت کچھ نصیحتیں کیں۔ پھر مکان تشریف لے گئے۔ اور اس کے بعد پھر زندہ باہر نہ آسکے۔ روز بروز علالت ترقی کرتی گئی آپ نے ایک پیالہ پانی کا بھر کر اپنے پاس رکھ چھوڑا تھا جس میں ہاتھ ڈبو کر بار بار چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے۔ پیاس کی شدت اور بخار کی حدت دمبدم ترقی پاتی تھی۔ آخر قانون قدرت کے مطابق وعدہ آگیا۔ آپ ۱۲ ربیع الاول سنہ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء کو پیر روز دو شنبہ بوقت دوپہر پروردگار عالم کا نام لیتے اور بالرفیق الاعلےٰ۔ بالرفیق الاعلےٰ (رفیق اعلیٰ کی جانب۔ رفیق اعلیٰ کی جانب) فرماتے ہوئے اس دار ناپائدار سے عازم ملک بقا ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون +

آنحضرتؐ جس روز دنیا میں تشریف لائے تھے اسی روز روانہ ہوئے یعنی جس تاریخ کو آپ تولد ہوئے تھے اسی تاریخ کو وصال فرمایا +

اللہ باقی من کل فانی

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملیگی مومن کو یہ قرآن کے سیپاروں میں
ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکر عمر عثمان علی
ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں
گر ارض وسما کی محفل میں لولاک لما کی دھوم نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

(ظفر علیخاں)

باب ششم

آنحضرت صلعم کے عادات و اخلاق

اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْم

غلط کہتے ہیں پھیلا دین احمد تیغ و خنجر سے
ہوا مقبول عام اسلام اخلاق پیمبر سے

مذہب میں سے اگر روحانیت کا حصہ نکال کر بہ نظر غور دیکھا جائے۔ تو اخلاق ہی اخلاق ہوگا۔ یا یوں کہو کہ مذہب اور اخلاق ایک ہی چیز ہے۔ اور ہم ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے۔

بہرحال اخلاق حسنہ دنیا میں ایک ایسی دلکش چیز ہے۔ کہ دوستوں کے علاوہ دشمنوں کے دل پر بھی اثر کرتی ہے۔ ہم بالعموم دوسرے مذاہب کی خوبیوں کو اپنی تنگ نظری اور تعصب کی وجہ سے نظر انداز کر جانیکے عادی ہیں۔ لیکن کسی شخص کی اخلاقی خوبیوں کا اعتراف ہمیں طوعاً و کرہاً کرنا ہی پڑتا ہے چنانچہ راجہ رامچندر جی کی شجاعت۔ اطاعت والدین اور اخلاقی خوبیوں کا معترف ایک مسلمان بھی اسی طرح ہے جس طرح کہ اس کو اوتار ماننے والا فرقہ۔ پس اعلیٰ اخلاق جو انسانی اوصاف میں داخل ہیں ایک پیغمبر یا اوتار میں ہم اس کے بہت کامل دیکھنے کے متمنی ہیں۔

جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارک پر جب اس حیثیت سے نظر ڈالی جاتی ہے۔ تو آپ کی شان بلا شائبہ شک نہایت ارفع نظر آتی ہے۔ ہم کوئی حسن خلق ایسا نہیں دیکھتے جس کا ظہور آپ سے موقع مناسب پر نہ ہوا ہو۔ اگرچہ اس کا اوراق کتاب میں جابجا ذکر آچکا ہے جس سے اس مضمون پر کافی روشنی پڑ گئی ہے۔ مگر ہم اس باب میں اس قسم کے واقعات کو

علیحدہ بھی دکھانا چاہتے ہیں۔ تاکہ تسوری فیتے تک اور ذکر حبیب سے دل حبیب کا لطف حاصل رہے۔

مہمان نوازی اور بے نفسی

جناب ہر شخص کی عزت کرتے تھے مہمان کو عزیز رکھتے تھے۔ بلا لحاظ اس کے کہ وہ کسی مذہب وملت کا ہو۔ یا کیسا ہی بُرے سے بُرا ہو۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے۔ کہ ایک بار کچھ لوگ باہر سے آئے۔ آنحضرت نے انھیں اپنا مہمان بنایا۔ اور ان کی خاطر تواضع کا یہ اہتمام کیا کہ ایک صحابی کے مکان پر ایک ایک مہمان بھیجدیا۔ اور ہدایت فرمادی۔ کہ ان کی خدمت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے مگر ان میں ایک شخص ایسا تھا۔ جو اپنی شرارت میں شہرۂ آفاق تھا۔ لہذا اس کو کسی صحابی نے منتخب نہ کیا۔ اور وہ آنحضرت کے مکان پر رہا۔ حضور نے کھانا طیار کرایا۔ اور اوّل سب کا سب مہمان کے سامنے رکھدیا۔ تاکہ اس کے سیر ہو لیکے بعد باقی لوگ کھائیں۔ لیکن یہ بزرگ سب چٹ کر گئے۔ جس کی وجہ سے اس شب آنحضرت اور آپ کے متعلقین بھوکے رہے۔ مگر حضرت نے مہمان کو کچھ نہ کہا۔ بلکہ بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ اور اس کے لئے علیحدہ مکان میں بستر کر کے اُسے سلادیا۔ چونکہ یہ شخص ارادتاً زیادہ کھانا ضرورت سے بہت ہی زیادہ کھا گیا تھا۔ اس لئے سخت بدہضمی ہوئی۔ رات بھر کوٹھری کے اندر رفع حاجت کرتا رہا اور بستر کو خوب خراب کیا۔ اور صبح ہوتے ہی بغیر اطلاع کے چلدیا۔ آنحضرت صبح کو اس کی خیر وعافیت دریافت کرنے آئے۔ تو تمام کوٹھری اور بستر کو غلاظت سے بھرا ہوا پایا۔ مگر مہمان کو نہ دیکھا۔ آپ نے اس کے بغیر اطلاع چلے جانے پر اظہار افسوس کے سوا کچھ نہ کہا۔ غلاظت آلود بستر کو اپنے ہاتھ سے دھونے لگے۔ اتنے میں صحابۂ کرام آگئے۔ اور انھوں نے مہمان کی حرکت دیکھکر سخت غیظ وغضب کا اظہار کیا۔ مگر آپ نے انھیں خاموش کر دیا عین اس وقت جبکہ آپ کپڑے دھو رہے تھے۔ وہ شخص بھی آپہنچا۔ کیونکہ وہ اپنی تلوار بھول گیا تھا۔ اور حضرت کو اس کام میں مشغول دیکھکر سخت شرمندہ ہوا۔ مگر آنحضرت اس سے بخندہ پیشانی پیش آئے۔ گویا اس نے کوئی ناسزا

حرکت نہیں کی۔ نہ آپ کو اس سے کچھ ملال ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ آپ کے حسن اخلاق سے مسخر ہو کر فوراً ایمان لے آیا+

عفو اور قصور سے درگذر

ایک مرتبہ ایک اعرابی آیا۔ اور مسجد کے احاطہ میں پیشاب کرنے بیٹھ گیا۔ اس کی اس حرکت ناشایستہ پر صحابہ کو بڑا غصہ آیا۔ اور چاہا۔ کہ اسے فوراً زدوکوب کریں۔ مگر آنحضرت نے انھیں اس ارادہ سے باز رکھا۔ اور جب وہ اٹھ بیٹھا۔ تو اسے اپنے قریب بٹھا کر نہایت بردباری سے سمجھایا کہ بھائی جان یہ مسجد صرف خدا کی عبادت کے واسطے ہے۔ اسو اسطے آپ کو ایسا نہ کرنا تھا۔ آیندہ ایسا نہ کرنا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہ فرمایا+

عاجزوں پر رحم اور قدر سخاوت

جب قبیلہ بنی طے نے سرکشی کی اور بقیۃ السیف اسیر ہو کر پیش کئے گئے۔ تو حاتم طائی کی بیٹی نے اپنے سخی باپ کے واسطہ سے اپنی اور اپنی قوم کی جان کی امان چاہی۔ آپ نے فوراً اس کی درخواست منظور فرمائی۔ جیسا کہ بالتفصیل پہلے بیان کیا جا چکا ہے+

بزرگوں کا ادب اور فرمانبرداری

آپ بزرگوں کا نہایت احترام فرماتے تھے حتیٰ کہ کئی بار ایسا ہوا۔ کہ آپ کی رضاعی والدہ جنابہ علیمہ آپ کے پاس تشریف لائیں۔ اور آپ نے اُن کے لئے اپنی ردائے مبارک بچھادی اور نہایت تواضع و تکریم سے پیش آئے۔ اور ان کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ نظر انداز نہ ہونے دیا۔ اسی طرح ایک روز ایک اور بڑھیا آپ کے پاس آئی آپ نے اس کی بڑی عزت کی۔ وہ آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ کی سہیلی تھی۔ اس تعلق سے آپ نے ان کی تعظیم کو ضروری سمجھا+

زیادتی اور سختی کے مقابلہ میں نرمی اور مہربانی

اگر آنحضرت پر کوئی شخص زیادتی کرتا یا گستاخی سے پیش آتا۔ تو آپ اس کو برداشت فرماتے اور اس سے بہ نرمی پیش آتے تھے۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے۔ کہ آپ پر ایک یہودی کا کچھ قرضہ آتا تھا۔ وہ وعدہ سے پیشتر ہی آپہنچا۔ اور سخت تقاضا

کیا۔ آنحضرت نے نہایت نرمی سے اس کو جواب دیا۔ مگر وہ کم بخت کہنے لگا۔ کہ تم کیا تمہارا خاندان ہی نادہندہ ہے۔ اس سے آپ کے صحابہ کو غصہ آیا۔ خصوصاً حضرت عمر جوش میں آ گئے۔ اور فرمایا۔ کہ اگر تو آنحضرت کی پاک مجلس میں نہ ہوتا۔ جس کا احترام مجھے مانع ہے۔ تو میں تجھے مار ڈالتا لیکن آنحضرت نے جناب عمر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم اس سے کیوں بگڑتے ہو۔ انصاف تو یہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے قرض ادا کرنے کو کہتے۔ اور اس سے بہ نرمی پیش آ کر درخواست کرتے۔ اب بہتر ہے۔ کہ تم اس کا قرض ادا کر دو۔ اور اس کو جھڑکنے کے عوض کچھ زیادہ دیدو دیدو۔ یہ بات سن کر یہودی آنحضرت کے قدموں پر گر پڑا۔ اور کہا کہ میں تو آپ کو آزماتا تھا۔ ہماری کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ ایک ایسا پیغمبر پیدا ہوگا۔ کہ اس کیساتھ جسقدر سختی کیجائے گی۔ وہ اسی قدر نرمی کرے گا۔ بیشک آپ پیغمبر آخر الزماں اور وہی سچے نبی ہیں +

حلم۔ اور انتہائے نیکی۔ خدا پر بھروسہ کرنا

جناب ایسے حلیم تھے۔ کہ باوجود اس کے کہ آپ کے دشمن آپ پر بے انتہا ظلم و زیادتیاں کرتے۔ مگر آپ اُن کو نقصان پہنچانے پر قادر ہونے کے باوجود ان سے بُرا سلوک نہ کرتے۔ اور نہ ان کی دشمنی کا خیال فرماتے۔ چنانچہ ایک جنگ کے حالات میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ آپ کے ایک دشمن قریش نے جنگل میں آپ کو تنہا پا کر آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ اور تلوار کھینچکر کہا۔ کہ بتا یہاں تیرا کون بچانیوالا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میرا خدا۔ یہ کہتے ہی اس شخص کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی۔ جسے حضرت نے اٹھا لیا۔ اور فرمایا کہ اب تو بتا کہ تجھے کون بچانیوالا ہے۔ وہ شخص کانپنے لگا۔ اور کہا کوئی نہیں۔ آپ رحم کریں۔ آپ نے فرمایا۔ کم بخت کہہ۔ کہ خدا۔ یہ کہکر تلوار واپس دیدی۔ اور اُس سے نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کی۔ یہ دیکھکر آخر وہ مسلمان ہو گیا۔

دشمن خصوصاً کمزور دشمن کو عفو کرنا

انسؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک یہودن آپ کے پاس ایک بکری لائی۔ جو زہر کھلا کھلا کر پالی گئی تھی۔

آنحضرت اس امر سے مطلع ہو گئے۔ آپ نے اس عورت سے کہا۔ کہ تیرا اس سے مطلب کیا ہے۔ اس نے کہا صرف آپ کا قتل۔ آپ نے فرمایا تو ایسا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ خدا کو یہ منظور نہیں۔ صحابہ اس کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ مگر آپ نے اسے معاف کر دیا۔ اسی طرح ایک اور عورت نے آپ کی دعوت کی۔ اور زہریلا کھانا کھلا کر جان لینے کا قصد کیا۔ اس کو بھی آپ نے معاف کر دیا +

نرمی سے کلام کرنا۔ سختی نہ کرنا

حضور صلعم ہر ایک شخص سے نہایت نرم اور شیریں کلامی سے پیش آتے تھے۔ ہرگز کسی کو سخت و سست نہ کہتے تھے۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے۔ کہ ایک دفعہ ایک یہودی نے آپ کو السلام علیکم کی بجائے السام علیکم (تم پر موت ہو) کہا۔ اس سے بی بی عائشہ صدیقہ بگڑیں اور خفا ہو کر کہا۔ کہ تجھ پر ہی موت اور لعنت ہو۔ مگر آنحضرت نے ان کو منع فرمایا۔ اور کہا کہ خدا ئے تعالےٰ کا ایک نام رفیق بھی ہے۔ اسواسطے وہ رفق یعنی نرمی کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے ہر ایک انسان کو سخت کلامی اور بدگوئی سے بچنا اور نرمی اختیار کرنی چاہئیے +

خادم سے برتاؤ۔ خود کام کرنیکی عادت

آنحضرت تقریباً اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتے تھے۔ اور باوجود کام کے بگڑ جانیکے خادم سے خشمگیں نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ جناب انسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ میں کامل دس سال آنحضرت کی خدمت میں رہا۔ مگر خدا کی قسم میں جس قدر کام کیا کرتا تھا۔ اس سے کچھ زیادہ کام آنحضرت میرا کر دیا کرتے تھے۔ اور اس طویل مدت میں کبھی آنحضرت نے مجھے نہیں جھڑکا۔ نہ یہ کہا۔ کہ فلاں کام کیوں نہ کیا۔ اور فلاں کام کیوں بگاڑ دیا۔ اللہ اللہ! جب تک خدا اس کی توفیق کسی کو خاص طور پر نہ دے۔ کوئی ایسے اعلےٰ اوصاف سے متصف نہیں ہو سکتا +

دوسروں کی تعظیم و تکریم

یہ بات جناب کی عادت میں داخل تھی۔ کہ جب کوئی شخص

آتا تو آپ اس کی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے چنانچہ ایک روایت میں وارد ہے
کہ ایک بار آپ حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ اور تمام جگہ اصحاب سے پر
تھی۔ اسی حالت میں حضرت جریرؓ صحابی تشریف لائے۔ چونکہ اندر جگہ نہ
تھی۔ اس واسطے دہلیز پر بیٹھ گئے۔ مگر آنحضرت نے فوراً اپنی چادر ان کو عطا کی۔
کہ اسے بچھا کر اس پر بیٹھ جاؤ۔ مگر حضرت جریرؓ نے بوجہ ادب اس پر نہ بیٹھے حضرت
کا ارشاد ہے۔ کہ جب کوئی تمہارے پاس آئے۔ اس کی تعظیم ضرور کرو بعض
اوقات ایسا ہوتا کہ آنحضرت تکیہ کے سہارے بیٹھے ہوتے تھے۔ اور دوسرے کے
سہارے کی اس میں گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ اس پر بھی آپ اسے تکیہ عنایت
کرتے۔ اور اگر وہ نہ لیتا تو خود بھی تکیہ سے علیحدہ ہو جاتے تھے +

آپ کام کرنے سے عار نہ کرتے تھے

باوجود اس کے کہ آپ کے خادم ہر وقت آپ کے
اشارہ پر جان تک فدا کرنے کو تیار تھے۔ تاہم حضرت
ہر ایک کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ ایک بار
جناب سفر کو تشریف لے گئے۔ صحابی بھی ہمراہ تھے۔ یہ سب کھانا پکانے میں مصروف
ہوئے۔ اور ایک ایک کام اپنے ذمہ بانٹ لیا۔ تو آنحضرت نے اصرار کر کے
لکڑیاں لانے کا کام خود اپنے ذمہ لیا یہی وہ بے تاج بادشاہ عرب تھا کہ
جس کے قدموں میں دنیاوی بادشاہ اپنا سر رکھنا باعث سعادت سمجھتا تھا سبحان اللہ
اسی طرح ایک دوسری روایت میں آیا ہے۔ کہ ایک بار آپ کنوئیں پر غسل
کر رہے تھے۔ اور ایک صحابی چادر سے آپ کا پردہ کر رہے تھے۔ پس جب آپ
فارغ ہوئے۔ اور صحابی کے نہانے کی باری آئی۔ تو آپ بھی چادر لے کر کھڑے
ہو گئے۔ اور پردہ کرنے لگے۔ انھوں نے ہر چند منع فرمایا۔ مگر آپ نے فرمایا ہرج
کیا ہے۔ جیسا میں انسان ہوں ویسے ہی تم ہو۔ مجھ میں ایسی کیا فوقیت ہے +
کتب حدیث و سیر سے بہت سے اقتباسات نقل سکتے ہیں۔
جن سے آنحضرت کے عادات حسنہ پر روشنی پڑتی ہے۔ اصل بات یہ ہے

کہ آنحضرت کی زندگی تمام انسانوں بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ انبیا اور اتقیا کے مقابلہ
میں اس قدر جامع اخلاق حسنہ واقع ہوئی ہے۔ کہ وہ کل معاملات انسانی
کی رہنما ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جناب سرور کائنات کی زندگی میں وہ تمام حالات
مختلفہ پیدا ہو گئے تھے۔ جن کے ذریعے جناب کو کل اخلاق فاضلہ کے اظہار کا
موقع ملا۔ اور بقول جناب صاحب "اسوۂ حسنہ" جہاں مشاہیر زمانہ کی زندگیاں
فرداً فرداً مختلف رنگوں میں مختلف الحال لوگوں کی پیروی کے لئے عمدہ نمونے
پیش کرتی ہیں۔ وہاں جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک ہی
زندگی مختلف الحال لوگوں کے حالات مختلفہ میں کامل ہدایت کا باعث
ہو سکتی ہے +

الغرض استقامت۔ مہمان نوازی۔ بے تعصبی۔ عفو۔ رحم۔ ادب
تعظیم۔ سختی کے مقابلہ میں نرمی۔ حلم۔ رضائے خدا۔ خدا پر بھروسہ وغیرہ وغیرہ
کون سے اخلاق حسنہ ہیں جو آنحضرت کی زندگی میں نہ دیکھے گئے۔ یہ بات
دعوے کیساتھ کہی جا سکتی ہے۔ کہ آنحضرت کے سوا کوئی انسان نہیں پیش
کیا جا سکتا جس کی زندگی جامع اخلاق حسنہ ہو۔ یہ ممکن ہے۔ کہ ایسا کوئی شخص
کبھی دنیا میں آیا ہو۔ لیکن کم از کم اس وقت دنیا کو ایسا کامل انسان کوئی
معلوم نہیں سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے +

معجزانہ اخلاق یہ ہے۔ کہ عین موقع پر اُس خلق خاص کا آنحضرت سے
اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً فتح مکہ کے وقت جب دشمن مقابلہ سے عاجز تھے۔ اور
آپ اُن پر ہر طرح اختیار رکھتے تھے۔ مگر جناب نے اس وقت اپنے طبعی عفو و
رحم کا وہ ثبوت دیا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی +

آنحضرت صلعم کی زندگی پر سرسری نظر

معزز ناظرین کتاب ہذا آپ اوّل سے آخر تک اس کتاب کو پڑھ چکے۔

مقدس شخص کی زندگی کے تمام اہم واقعات معلوم کر چکے جس کے نام لیوا آج دنیا کی وسیع آبادی کا ایک معتدبہ حصہ ہیں۔ آپنے خدا کی قدرت کا تماشا دیکھا۔ ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے عالم شہود میں آنے سے پیشتر ہی اس کا باپ وفات پا جاتا ہے۔ کیا اس یتیم کی بیوہ ماں اس مولود کو سعید سمجھے گی۔ پھر طرہ یہ کہ جب ایک دو بزرگ اپنا سایہ اس کے سر پر ڈالتے اور اُسے آغوش شفقت میں لیتے ہیں۔ تو چند روز بعد وہ بھی رہگرا ئے عالم بقا ہو جاتے ہیں۔ بیچاری بیکس ماں تعلیم و تربیت کا تو کیا ذکر انتظام کرے اُسے تو اس یتیم کی پرورش کا فکر ہی کھائے جاتا ہے۔

لیکن جب یہی بچہ کچھ پروان چڑھتا ہے۔ اور نام خدا جوان ہوتا ہے۔ تو ایسی باتیں بیان کرتا ہے۔ کہ بوڑھے لوگ حیران ہوتے ہیں ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست ✤ کتب خانۂ چند ملت بشست

اگر خدا نے یہ باتیں اس کے دل میں نہیں ڈالیں جسے مذہبی اصطلاح میں الہام کہا جاتا ہے۔ تو کہاں سے آئیں؟

وہ صرف باتیں ہی نہیں کہتا بلکہ اُس کی زبان میں ایسا معجزانہ اثر ہے۔ کہ عین قلب میں جا کر بیٹھتا ہے۔ اسیواسطے اسکی مخالفت میں حق کے مخالف کہتے ہیں۔ لوگو اسکی باتیں نہ سننا۔ اس کی باتیں جادو کی پڑیا ہیں۔ تم نے سنیں نہیں اور مسحور ہوئے نہیں۔ لوگ اس امر کی احتیاط کرتے ہیں۔ اور اپنی جیبوں میں روئی رکھتے ہیں۔ کہ خدانخواستہ ان کے کان میں وہ آواز نہ پہنچے۔ مگر خدا کی قدرت دیکھئے۔ کہ وہی ایک دن قدموں پہ سر رکھتے نظر آتے ہیں۔ حضرت عمر کس ارادہ سے گئے اور کیا ہو گیا۔

وہ لوگوں کو کیا سمجھاتا تھا؟ بس یہی کہ "ایک خدا کی اور قادر مطلق کی پرستش کرو۔ بُت یا اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی کسی شئے کو نہ پوجو۔ کیونکہ یہ چیزیں تمہیں فائدہ یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔ نیکی کرو۔ بدی سے پرہیز کرو۔ غرور چھوڑ دو۔ عاجزوں اور یتیموں کی مدد کرو۔"

بہت سے لوگ اس صداقت کے اثر میں آجاتے ہیں۔ لیکن اکثر ہیں جو ضد اور ہٹ دھرمی کے بندے بنے ہوئے ہیں۔ خدا کے نام سے چڑتے ہیں۔ بت پرستی کے خلاف وعظ کو بتوں کی توہین سمجھتے ہیں۔ اور خدا کے نام کا وعظ کہنے والے کو نہ صرف بُرا بھلا کہنے پر قناعت کرتے ہیں۔ بلکہ ہر قسم کی جسمانی اور روحانی اذیت پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مگر یہ خدا کا بندہ اپنے ہموطنوں اور خاص اپنے بھائیوں کے ظلم وستم جبر وتشدد سہتا ہے۔ ہر اذیت پر صبر کرتا ہے۔ مگر کیا مجال کہ صدائے حق بلند کرنے سے باز رہے یا حق کے دشمنوں کے حق میں کلمۂ بد زبان سے نکالے۔ بلکہ جب یہ زیادہ ستایا جاتا ہے۔ تو وہ خدائے واحد کیطرف ہاتھ اٹھا کر یہی دعا کرتا ہے۔ "خدایا میری قوم کو ہدایت دے نہ یہ کہ تباہ کردے) اور پھر خود ہی کہتا ہے۔ کہ کیا ہوا اگر یہ لوگ میرے کہنے کو نہیں سمجھتے۔ انشاء اللہ ان کی اولاد ضرور دین حق کی پیروی کرے گی"۔ ان الفاظ کو سنکر خدا کی شان جمالی جوش میں آتی ہے۔ اور کارکنان قضاوقدر کو بارگاہ صمدیت سے ارشاد ہوتا ہے کہ "ہاں لکھ لو ایسا ہی ہوگا"

جب حق کے دشمن کسی طرح باز نہیں آتے۔ اور انکی شرارت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ تو بالآخر یہ صداقت مجسم معہ اپنے چند جاں نثاروں کے ہجرت کر کے دوسرے شہر میں جا پہنچتا ہے۔ اور نور صداقت کے دیکھنے والے اس پر پروانہ وار تصدق ہوتے ہیں۔ اور کوئی وعدہ لیتے ہیں تو یہی کہ "اگر کبھی آپ کو کامیابی ہو۔ تو ہم غریبوں کو اپنے دل سے نہ بھلائیں۔ اور اسی شہر (مدینہ) کو اپنا مستقر فرمائیں۔ اللہ اللہ دشمن یہاں بھی چین نہیں لینے دیتا۔ آخر خدا کی شان جلالی جوش میں آتی ہے۔ پیغمبر کو ارشاد ہوتا ہے۔ کہ دشمن کی مدافعت کر کے اپنے حلقۂ اثر کے بنی نوع انسان کی حفاظت کرے۔ پیغمبر طوعاً وکرہاً سپہ سالاری کی خدمت بھی انجام دیتا ہے۔ اور اسے کئی معرکے پیش آتے ہیں۔ مگر خدا کی مدد سے ہر جگہ کامیابی رونما ہوتی ہے۔ اور بالآخر سب سے بڑی کامیابی وہ حاصل

ہوتی ہے۔ جسے **فتح مکہ** کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور دس ہزار قدوسیوں کی ہمراہی والی پیشین گوئی پوری ہوتی ہے۔ اب مخالف بلا کسی قسم کے حملہ کے سر جھکا دیتے ہیں۔ مگر دل میں خائف ہیں۔ کہ خدا جانے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ قتل عام کا حکم ہوتا ہے۔ یا پھانسیاں دی جاتی ہیں۔ مگر وہی یتیم جو جان بچا کر جلا وطن ہونے پر بھی ہر طرح ستایا گیا تھا۔ آج فاتحانہ اور شاہانہ حیثیت سے پھر اپنے شہر میں آتا ہے۔ اور اپنی شان رحمت للعالمینی اسطرح دکھاتا ہے کہ ہر ایک کے قصور سے درگذر کرتا اور سخت سے سخت مجرموں کو معاف کر دیتا ہے۔ اس رحم اور حسن سلوک سے تمام دشمن اور مخالف مسخر ہو جاتے ہیں۔ اور صداقت کو قبول کر کے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے نعرے بلند کرتے ہیں +

پیغمبر عرب کی زندگی ان تمام واقعات کی جو دنیا کے مختلف افراد کو پیش آتے جامع ہے اور وہ ان تمام خصائل حسنہ کا عملی نمونہ ہے جن کا بیان قرآن کریم میں ہے۔ یوں تو دنیا میں سینکڑوں مذہب گزرے اور اب بھی موجود ہیں اور بعض آسمانی کتابیں بھی صحیح یا غیر صحیح حالت میں موجود ہیں۔ لیکن ہر محقق اور منصف مزاج کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ قرآن شریف جیسی مکمل شریعت اور اسکا عملی نمونہ آنحضرت کی زندگی، آج روئے زمین پر موجود نہیں۔ بقول مصنف اسوہ حسنہ کہ قرآن کریم کی تعلیمات کو جب ہم آپ کے حالات ماثورہ سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم ان دونوں میں عجیب مطابقت پاتے ہیں۔ ایک طرف قرآن کریم کا کوئی حکم ایسا نہیں جس کی تعمیل آپ نے اپنی ذات سے نہ کر دی ہو۔ بالمقابل آپ کا کوئی قول و فعل ایسا نظر نہیں آتا۔ جو قرآن مجید کے کسی نہ کسی حکم کے ماتحت نہ آسکے۔ آپ کی زندگی دراصل کیا ہے۔ قرآن کریم کی عملی تفسیر۔ اور قرآن اسکے مقابل میں آپ کی زندگی کی کامل تصویر ہے۔

ہر مسلمان کو لازم ہے۔ کہ وہ آپ کے واقعات زندگی سے سبق سیکھے۔ اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی پوری کوشش کرے۔ تاکہ نجات ہو +

ضمیمہ اوّل

واقعہ معراج

قرآن شریف میں واقعہ معراج کا ذکر اس طرح آیا ہے:

(الف) سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہٗ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر ○

پاک ہے وہ جو لیگیا اپنے بندہ کو شب مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ برکت دی اسکے دور کو ہم نے۔ تاکہ دکھلائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کی نشانیاں۔ بیشک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے (پارہ پندرہ شروع)

آیت دوم

(ب) وجعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس۔

اور نہیں کیا ہم نے رویا جو تجھ کو دکھلایا مگر آزمایش واسطے لوگوں کے۔

قرآن کریم میں اور کہیں معراج کا ذکر نہیں آیا۔ پس ہم معراج کے متعلق جو کچھ رائے قایم کر سکتے ہیں۔ انھیں آیات کے الفاظ پر جس کی بحث ہم آیندہ کریں گے۔

ہاں حدیثوں اور روایات میں معراج کے متعلق بہت کچھ واقعات مذکور ہیں اور نہایت تفصیل کے ساتھ۔ مگر بخیال سر سید وہ سب کے سب اس قابل نہیں کہ بلا تنقید ان کو مان لیا جائے۔

سب سے بڑا عقدہ معراج کے متعلق یہ پیش آگیا ہے۔ کہ آیا وہ حالت بیداری میں انھیں واقعات کیساتھ ہوئی۔ جو حدیثوں میں بیان ہوئے ہیں۔ یا بصورت خواب کے روحانی۔ علماے اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف

ہے۔ چنانچہ معراج کو بعض روحانی کہتے ہیں۔ اور بعض جسمانی ہندوستان کے متاخرین مجتہدین میں سے سرسید رح بھی روحانی معراج مانتے ہیں۔ یعنی یہ کہ آنحضرت کو عالم رویا میں معراج ہوئی تھی۔ وہ اس بات کے حسب ذیل ثبوت پیش کرتے ہیں:-

(۱) بخاری میں لکھا ہے کہ:-

عن ابن عباس فی قولہ تعالےٰ وما جعلنا الرویا التی ارینٰک الا فتنۃ قال ھی رویا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ الی البیت المقدس (بخاری)

ابن عباسؓ نے قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر میں کہ وما جعلنا الرویا۔ الخ کہا کہ یہ آنکھ کا رویا ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رات دکھایا گیا تھا جب وہ بیت المقدس کو لے جائے گئے تھے۔

اس حدیث کے الفاظ میں معراج کا عالم رویا میں ہونا بیان کیا گیا ہے

(۲) قتادہ کی روایت میں آیا ہے کہ معراج کی رات آنحضرت چت لیٹے ہوئے تھے"

(۳) حسن کی روایت میں آیا ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا کہ معراج کی رات کو میں مقام حجر میں سوتا تھا"

(۴) انس کی روایت میں ہے۔ کہ آنحضرت مسجد الحرام میں سوتے تھے"۔ اور انس جب تمام واقعہ معراج بیان کر چکے ہیں تو آخر میں آنحضرت کے حسب ذیل الفاظ نقل کرتے ہیں کہ "پھر میں جاگ اٹھا اور میں مسجد حرام میں تھا"

(۵) اُم ہانی کی روایت میں ہے کہ "شب معراج آنحضرت عشا کی نماز پڑھکر ہم میں سو رہے۔ اور فجر سے پیشتر ہم نے اُن کو جگایا"

(۶) عبد ابن حمید کی روایت میں ہے۔ کہ معراج کا حال بیان کرتے میں حضرت نے فرمایا کہ "میں سوتا تھا" یا یہ کہا کہ میں چت لیٹا ہوا تھا۔ یا یہ کہیں سوتے یا جاگنے کے درمیان تھا"

اگر ان سب روایات کو صحیح مانا جائے۔ تو ان سے بخوبی ثابت

ہوتا ہے۔ اور شبہ کی گنجایش نہیں رہتی۔ کہ معراج خواب میں ہوئی۔ عالم رویا میں ہوئی۔ روحانی ہوئی۔ لیکن اگر ان سب کو شک کی نظر سے دیکھئے تو بھی اتنا ضرور ماننا پڑے گا۔ کہ اس زمانہ کے مسلمان جن میں یہ تمام راوی شامل ہیں معراج کو خواب ہی مانتے تھے۔

(۷) شفاے قاضی عیاض میں لکھا ہے:۔

فذھب طائفتہ الی انہ اسریٰ بالروح وانہ رویا منام مع اتفاقھم ان رویا الانبیاء حق و وحی والی ھذا ذھب معاویہ وحکی عن الحسن والمشھور عنہ خلافہ والیہ اشار محمد بن اسحاق (شفا)

ایک گروہ عالموں کا اس طرف گیا ہے کہ معراج روحانی تھی اور وہ سونے میں ایک رویا تھا۔ اسی کے ساتھ ان سب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے۔ کہ انبیا کا رویا حق اور وحی ہے۔ اور اسی بات کی طرف معاویہؓ بھی گئے ہیں۔ اور حسن سے بھی یہی روایت کیگئی ہے۔ لیکن اُن کی مشہور روایت اسکے برخلاف ہے اور اُسی کی طرف محمد ابن اسحاق نے اشارہ کیا ہے +

یہ حدیث معتبر ہے اور اس کے الفاظ سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہ صرف عالموں کا گروہ روحانی معراج کا قایل تھا۔ بلکہ حضرت معاویہ جیسے صحابی بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے +

(۸) تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ:۔

وحکی عن محمد بن جریر الطبری فی تفسیرہ عن حذیفہ انہ کان ذلک رویا۔ وانہ ما فقد جسد رسول اللہ صلعم وانما اسریٰ بروحہ وحکی ھذا القول ایضاً

نقل کیگئی ہے محمد بن طبری سے اس کی تفسیر میں۔ کہ حذیفہ نے کہا کہ یہ (واقعہ معراج) رویا تھا۔ اور رسول خدا کا جسم نہیں گیا تھا۔ اور معراج صرف روحانی تھی۔ اور یہی قول عایشہ رضؓ اور معاویہؓ

من عایشہ، وعن معاویہ رض (تفسیر کبیر) سے بیان کیا گیا ہے۔
یہ حضرت معاویہ کی دوسری شہادت ہے اور کون کہہ سکتا ہے۔ کہ حضرت عایشہ رض سے معتبر روایت اور کسی کی ہو سکتی ہے۔ اور یہ دونو شہادتیں روحانی معراج کی ہیں۔

(۹) معراج کا خواب اسی قبیل سے ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب نے دیکھا تھا۔ اور اسے **معراج یعقوب** کہتے ہیں۔ چنانچہ توریت میں لکھا ہے۔ کہ "پس بخواب دید اینک نردبانے بہ زمین بر پا گشتہ بسرش بہ آسمان مے خورد و اینک فرشتگان خدا ازاں بہ بالا و زیر مے رفتند و اینک خداوند براں ایستادہ مے گفت من خداوند خدائے پدرت ابراہیم وہم خدائے اسحاق ام۔ ایں زمینے کہ براں مے خوابی بتو و بہ ذریہ تو مے دہم و ذریہ تو مانند خاک زمیں گردیدہ۔ بہ مغرب و مشرق و شمال و جنوب منتشر خواہند شد۔ اینک من باتو ام (سفر تکوین باب ۲۸ درس ۱۲ ہے)

(۱۰) آنحضرت نے شب معراج کیا کیا نشانیاں دیکھیں" کے متعلق سرسید لکھتے ہیں۔ کہ یہ بات ظاہر ہے۔ کہ قرآن مجید میں صرف یہی مذکور ہے کہ حضرت نے کچھ نشانیاں دیکھیں"۔ مگر قرآن کریم کے طرز کلام پر غور کریں۔ اور نشانیوں کے لفظ کا اطلاق دیکھیں۔ تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ قرآن مجید میں آیت اور آیات کا لفظ احکام پر بولا گیا ہے۔ اور "دکھلانے" کا لفظ کسی بات پر کامل یقین کرا دینے اور ثابت کر دینے کی نسبت بولا جاتا ہے۔ (جیسا کہ آجکل کے اردو محاورہ میں جب ہمیں یہ کہنا ہوتا ہے۔ کہ اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ "ہم یہ دکھلاتے ہیں" مولف) پس آیت معراج کے ان الفاظ "لنریہ من آیاتنا" کے یہ معنے ہوئے۔ کہ "تاکہ یقین کرا دیں ہم اس کو اپنے بعض حکموں پر" پس وہ نشانیاں وہی احکام تھے۔ جو عالم رؤیا میں اُن کو وحی کئے گئے" آگے چلکر سید صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اب ہم کو

تلاش کرنی چاہئے۔ کہ وہ احکام کیا تھے؟ جب اسی صورت کو غور سے پڑھا جاتا ہے۔ تو آگے چلکر اسی میں حسب ذیل احکام ملتے ہیں۔ پس یہی نشانیاں ہیں جن کا اوّل میں ذکر آیا ہے:-

(الف) لا تجعل مع اللہ الٰہاً آخر فتقعد مذموماً مخذولا (آیہ ۲۲)

مت مقرر کر اللہ کے ساتھ معبود اور پس بیٹھ رہیگا تو مذمت کیا گیا ہلاکت میں سونپا ہوا

(ب) وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احساناً ۔ اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اُف ولا تنہرھما وقل لھما قولاً کریماً۔ آیۃ (۲۴)

اور حکم کیا تیرے پروردگار نے کہ پوجو مگر اس کو۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر پہنچیں تیرے نزدیک بڑھاپے کو دونوں میں سے ایک یا دونوں۔ پس مت کہہ اُن کو اُف۔ اور مت ڈانٹ ان کو۔ اور کہہ معزز بات +

اسی طرح دیکھو اس سورت کی آیات ۲۸-۳۱-۳۴-۳۵-۳۶-۳۷-۳۸-۳۹-۴۰-۴۱ +

اس بنا پر سر سید مرحوم فرماتے ہیں۔ کہ آیۃ ۴۱ سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان احکام کی وحی خدائے تعالے نے دی تھی۔ اور چونکہ یہ تمام احکام سورہ میں بہ لفظ وحی بیان ہوئے ہیں۔ اس لیے یقین ہوتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ کو معراج میں انھیں آیات کا انکشاف ہوا۔ سید صاحب یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ بعض روایات بہت سی چیزوں کے ظاہر ہونے کو بیان کرتی۔ مگر وہ قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ ان میں بہت کم ایسی ہیں کہ جن کا سلسلہ آنحضرتؐ تک پہنچتا ہے +

ایک اور مقام پر سید صاحب فرماتے ہیں۔ کہ یہ تمام روایات ایسی مخالف اور متناقض ہیں۔ کہ ہم کو کوئی شخص ایسا نہیں معلوم ہوتا۔ کہ ایک کی دوسرے سے تطبیق کرسکے +

اس قدر لکھ دینے کے بعد اب ہم دوسرے فریق کی جانب متوجہ ہوتے ہیں یعنی جو معراج رسول کو جسمانی قرار دیتا ہے۔ یہ طبقہ اپنے دعوے کے استحکام میں حسب ذیل دلایل پیش کرتا ہے

۱۔ "اسریٰ" کے معنی ہیں رات کے سفر کے پس اس کا اطلاق عالم رویا پر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ عین واقعہ پر ہوتا ہے۔ اس سے معراج کا جسمانی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ "بعبدہ" یعنی بندہ کہہ سکتے ہیں۔ انفصال روح و جسم کو۔ کیونکہ انسان یعنی بندہ ان دونوں چیزوں سے مرکب ہے۔ نہ کہ صرف روح کو۔ اس واسطے معراج سے روحانی سفر مراد نہیں لیا جا سکتا۔ بلکہ جسمانی مقصود ہے +

۳۔ رویا کے اصلی معنی دیکھنے کے ہیں۔ اور خواب میں دیکھنا اصطلاحی معنی ہیں۔ پس قرآن پاک میں اول الذکر معنی مراد ہیں یعنی آنکھ سے واقع میں دیکھنا نہ کہ خواب میں۔ وہ اپنی دلیل کو اور استحکام دیتے ہیں اس بات سے کہ ابن عباس کی روایت میں "رویا عین" آیا ہے۔ پس عین کی قید ظاہر کرتی ہے دراصل آنکھ سے دیکھنے پر +

۴۔ جن احادیث میں بوقت معراج آنحضرت کا سونا بیان ہوا ہے۔ ان کے یہ معنے ہیں کہ (۱) یا تو آنحضرت معراج ہوتے وقت اس طرح پر لیٹے ہوئے ہونگے۔ جیسے کہ لوگ عموماً سونے کے واسطے لیٹ جایا کرتے ہیں۔ یعنی صرف لیٹے ہونگے نہ کہ سوتے ہونگے +

یا معراج سوتے میں شروع ہوئی ہوگی پھر جاگ گئے ہونگے اور جاگنے کی حالت میں ختم ہوئی ہوگی +

۵۔ اگرچہ پارہ سبحان الذی میں آنحضرت کا مسجد اقصیٰ تک جانا بیان ہوا ہے۔ لیکن ثم دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ ؛ پھر وہ قریب ہوا اور جھکتا گیا۔ حتیٰ کہ دو کمانوں کی تقاب۔ بلکہ اس سے بھی نزدیک آیا) میں بارگاہ صمدیت کے نہایت قریب ہونے کا ذکر ہے +

سرسید علیہ الرحمۃ نے جو روحانی معراج کے موئید ہیں اُن اختلافات کو بالتفصیل دکھلایا ہے۔ جو کہ واقعات معراج کے بیان کرنے والے راویوں کے بیان میں پائے جاتے ہیں۔ سید رح نے ثبوت کے لیئے تمام احادیث نقل کردی ہیں ہم بخیال طوالت ان کی تفصیل نہیں کرنا چاہتے جن حضرات کو اس مسئلہ کی زیادہ چھان بین کرنی ہو۔ وہ سید موصوف کی معرکتہ الآرا کتاب "الخطبات الاحمدیہ" کا مطالعہ کرے۔ تاہم اختلافات کے متعلق کچھ نہ کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں +

(۱) اختلاف مقام وقوع معراج

مالک بن صعصعہ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے فرمایا۔ کہ آپ اس شب "حطیم میں تھے" (۲) انس۔ ابوذر سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ میں تھا میرے گھر کی چھت شق کی گئی (۳) اُم ہانی فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ ؐ کو معراج نہیں ہوئی۔ مگر یہ کہ اس شب کو میرے گھر میں تھے" حضرت عمر بن خطاب آنحضرت سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا۔ "پھر میں واپس آیا خدیجہ کی طرف اور انھوں نے کروٹ نہیں بدلی تھی"

(۲) شروع معراج کے واقعات میں اختلاف

ایک کہتا ہے کہ حضرت حجرہ میں سوئے ہوئے تھے۔ جبرئیل نے آپ کی ایڑی کو حرکت دی۔ آپ بیدار ہوئے تو کوئی شخص نظر نہیں آیا پھر حضرت خوابگاہ کو گئے۔ اس تذکرہ کو آنحضرت نے تین بار بیان کیا۔ اور تیسری بار فرمایا۔ کہ میرے بازو کو پکڑا اور مسجد کے دروازے تک کھینچ لائے (حسن) دوسرا کہتا ہے۔ کہ حضرت سوئے ہوئے تھے مسجد حرام میں۔ اس واقعہ

کو بیان کیا کہا کہ "جاگا میں - اور میں مسجد حرام میں تھا"
تیسرا کہتا ہے - کہ آنحضرت نے نماز عشا پڑھی اور ہم لوگوں میں سو رہے۔ فجر سے پہلے آنحضرت نے ہم لوگوں کو جگایا - پھر جب آپ نے فجر کی نماز پڑھ لی - اور ہم لوگوں نے بھی پڑھ لی - تو آپ نے ارشاد فرمایا - اے ام ہانی! میں نے تم لوگوں کے ساتھ عشا پڑھی - جیسا کہ تو نے اس میدان میں دیکھا - پھر میں بیت المقدس پہنچا - وہاں نماز پڑھی - پھر صبح کی نماز تم لوگوں کے ساتھ پڑھی - جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ اصبہانی وغیرہ وغیرہ
اسی طرح شق صدر، اس کے بعد کے واقعات - براق - سواری براق واقعات بیت المقدس ومتعلقات آن - خروج بیت المقدس - واقعات افلاک - سدرۃ المنتہیٰ - احکام
ان دونوں فریقوں کے بیانات لکھنے کے بعد اب ہم کچھ عرض کرنے کی جرأت کرتے ہیں اور اپنی فہم ناقص کے مطابق بتوفیق اللہ جل شانہ وعم نوالہ اس واقعہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ امر متنازعہ فیہ یہ ہے کہ معراج آیا روحانی ہوئی یا جسمانی؟
اس عنوان کے آغاز میں جو آیات پیش کی گئی ہیں - ان میں آیات الف میں صرف یہ بیان ہوا ہے - کہ آنحضرت مسجد الحرام سے مسجد اقصے تک تشریف لے گئے - واقعی یا عالم رویا کا کچھ پتہ نہیں چلتا - البتہ دوسری آیت یعنی (ب) میں رویا کا لفظ آیا ہے - اور اس سے ان لوگوں کے قول کی تائید ہوتی ہے - جو بطور رویا معراج کے قایل ہیں - یعنی روحانی معراج کے - پس قرآن کریم اسی قدر روشنی واقعہ معراج پر ڈالتا ہے۔ اور اسی سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے - کہ آیا یہ واقعہ اسقدر اہم ہے جس قدر اس زمانہ کے لوگ سمجھتے ہیں۔
سرسیدؒ نے معراج روحانی کے جو دلایل بیان کئے ہیں - اور جن کو ہم

نے کسیقدر تصرف اور اختصار کیساتھ تحریر کیا ہے۔ ان کی نسبت یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کہ وہ بظاہر پختہ اور باقاعدہ ہیں +

پھر اس کے مقابلہ میں دوسرے فریق کے دلائل اس پایہ کے نہیں ہیں۔ مزید براں روایات معراج شریف کا باہمی اختلاف ان کے قابل یقین ہونیکی سفارش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک روایت دوسری کی تردید کرتی معلوم ہوتی ہے۔ ان حالات کو مدنظر رکھکر ایک ثالث بالخبران لوگوں کے حق میں ڈگری نہیں دے سکتا جو ان کی صحت کلی کے دعویدار ہیں۔ لیکن میں یہاں ایک اور بات کے عرض کرنیکی جرأت کرونگا۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ سید صاحب نے جو دلائل واقعہ معراج کے عالم رویا میں واقع ہونے کے بہم پہنچائے ہیں کچھ شک نہیں۔ کہ نہایت مضبوط ہیں جیساکہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں۔ لیکن سید صاحب کے طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مرحوم نے یہ بحث اسواسطے کیا ہے۔ کہ مسلمانوں اور اسلام کو ان عیسائی معترضین کے حملوں سے بچائیں۔ جو معراج جسمانی کی حیثیت سے مسلمانوں کی تضحیک کرتے ہیں۔

باایں ہمہ کہ روحانی معراج کے دلائل نہایت مستحکم ہیں۔ اور میری ذاتی رائے بھی اسی کی مؤید ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ معراج جسمانی بھی ممکن ہے اور واقعہ معراج اگر درحقیقت جسمانی ہوا ہو۔ تو ہرگز کسی شخص کو اس کی تضحیک کرنیکا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ آجکل زمانہ نہایت سرعت رفتار سے آگے بڑھ رہا۔ اور حیرت انگیز ترقی کر رہا ہے۔ پتنگ۔ برج۔ غبارے۔ بیلون پرانے ہوچکے۔ اڑن کھٹولے اور دیوان گو قصہ پارینہ سہی۔ لیکن ہوائی جہازوں کے وجود سے کون انکار کرسکتا ہے۔ اور کوئی دن میں اگر یہی زمین وآسمان ہیں۔ تو انسان ہوا پر اڑا چاہتا ہے۔ پھر اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ کہ خدا کے عاجز بندے ناقص

عقل و حکمت والے بندے جب یہ کچھ کر سکتے ہیں۔ تو وہ خدا جو خالق و مالک ہے اکمل عقول و حکم کا۔ جو قادر ہے ہر ایک شے پر کیا اتنا بھی نہیں کر سکتا۔ کہ ایک زندہ انسان کو اپنی بارگاہ میں طلب کر کے اپنے احکام پہنچائے۔ کیا عیسائی نہیں مانتے۔ کہ حضرت عیسےٰ آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے۔ اور خدا کے داہنے (دیئنے) ہاتھ پر بیٹھے ہیں (ہم تو اس بات کو آج تک نہیں سمجھے کاش کوئی خدا کا بندہ سمجھاتا)

کیا عہد نامجات قدیم و جدید پر ان کا ایمان نہیں۔ کہ جن میں سینکڑوں جگہ لکھا ہے۔ خدا مرئی ہوا۔ اور فلاں پیغمبر سے ہم کلام ہوا۔ موسےٰ کو کوہ طور پر آنیکا حکم دیا۔

اصل بات یہ ہے۔ کہ ایسے ادق اور اہم معاملات کو سمجھنے کے لئے انسان کے قلب میں مذاق روحانی کی ضرورت ہے۔ بغیر اس کے ایسے معاملات کے لئے انسان اندھا ہے۔ میری رائے میں ایک مسلمان کے لئے بلا اختلاف اسقدر ماننا کافی ہے۔ کہ معراج ہوئی تھی۔ عام اس سے کہ وہ روحانی ہو یا جسمانی +

بعض غیر مسلم مصنفین کی معراج کے متعلق آرا حسب ذیل ہیں۔ ایک عیسائی منصف مزاج مورخ لکھتا ہے۔ کہ "جو کچھ ہم کو اس مقام پر بیان کرنا ہے۔ وہ یہ ہے کہ محمدؐ (صلعم) کو اپنے بعض سرگرم پیروؤں کا ذمہ دار قرار نہیں دینا چاہئے۔ جبکہ انھوں نے اس خواب کو (جس کے ہم پلہ دواین کاذی میں شاید ہی کوئی خواب ہو اور جس نے البتہ کسی قدر رنگ اس سے دانستہ اڑایا ہے۔ لیکن محمدؐ (صلعم) اس کو ہمیشہ خواب کہتے کہتے تھک گئے) ایک مہمل اور لایعنی چیز کے ساتھ بدل دیا۔"

شردھے پرکاش دیوجی رقمطراز ہیں:۔ "انھیں ایام میں جبکہ مکہ حضرت کی مخالفت پر تلا ہوا تھا۔ اور ہر شخص انھیں ستاتا اور اُن کی ہر بات کو

جھٹلاتا تھا۔ آپ پر کشف الٰہی کا وہ نورانی واقعہ گذرا جسے ظاہر بینوں نے کچھ کا کچھ سمجھکر اس میں ناحق کلام کو طول دیا۔ کسی نے کہا کہ وہ جسمانی تھا۔ اور حضرت اسی جسم خاکی کے ساتھ براق پر سوار ہوکر فلک الافلاک پر تشریف لے گئے تھے۔ اور وہاں خدائے بزرگ سے ہم کلام ہوئے۔ اور بہشت و دوزخ کی کیفیت کو جسمانی آنکھوں سے دیکھا۔ کوئی کہتا ہے کہ نہیں وہ رویائے روحانی تھا۔ یعنی جو کچھ دیکھا وہ عالم روحانی کا پرتوہ تھا اور بڑی گہری حقیقت رکھتا تھا ✦

ابیات در نعت

گر بشر تم کو رسول عربی کہتے ہیں — تو ملایک مہ عالی نسبی کہتے ہیں
حشر میں کیوں نہ ہو مطلوب شفاعت عاصل — آپ کو فرش سے تا عرش نبی کہتے ہیں
کیوں نہ ہر ایک ادا آئی تری حق کو پسند — تجھکو آئینۂ صد بوالعجبی کہتے ہیں
تیری گفتار سے اسلام ہوا شیریں کلام — اسی اعجاز کو شیریں رطبی کہتے ہیں
اُنکو تہذیب سکھائینگے سقر کے شعلے — یاں جو سنکر سخن بے ادبی کہتے ہیں
پوچھا حوروں نے تو ہی کون تو یہ میں نے کہا — مجھکو شیدائے جوان عربی کہتے ہیں
اُنکے جلوہ پہ کروں کیوں نہ دل و جان قربان — انبیا جنکو بامی و ابی کہتے ہیں
اہل محشر نے جو پوچھا تو کہا جوہر نے — مجھکو مداح رسول عربی کہتے ہیں

ابتو جاؤنگی مدینہ کو میں جوگن بن کر — عشق احمد میں پھرونگی میں بروگن بنکر
خاک ہو سر پہ ملی بال ہوں سر کے بکھرے — تار ہو آنسوؤں کا ہاتھ میں سمرن بنکر
نہ تو میں کعبہ گئی اور نہ مدینہ پہونچی — رہ گئی ہند میں کمبخت میں پاپن بنکر
مجھکو جانے دی مدینہ میں جو نکلے ارمان — سوت کیوں پیچھے پڑی ہے مری بیرن بنکر
ہوکے سو بار تصدق تری روضہ پہ نبی — ہار پھولوں کا چڑھاؤنگی میں مالن بنکر
نقش احمد کا لکھوں خون جگر سے دلبر — کل قیامت کو یہ کام آئیگا جوشن بنکر

ضمیمہ دوم

واقعہ شرح صدر یا شق الصدر

واقعہ معراج کی طرح واقعہ شرح صدر پر بھی علمائے دین اسلام نے بہت کچھ طول طویل بحث کی ہے۔ لیکن یہ بات ایک حد تک قابل افسوس ہے کہ اس کا نتیجہ ایسا نہیں ہوا کہ اس سے ایک محقق کچھ تسکین پا سکے۔ بلکہ بقول سر سید رح معانی کو اور بھی تاریک کر دیا ہے۔

از روئے قرآن مجید ہمارا اور ہر ایک مسلمان کا شرح صدر پر ایمان ہے۔ لیکن یہ بات کہ اس کی اصلیت کیا تھی یا کیا ہے صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے:۔

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَب ۝

کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ۔ اور اُتار رکھا تجھ سے بوجھ تیرا جس نے کڑکائی پیٹھ تیری اور اونچا کیا مذکور تیرا۔ سو البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر اور اپنے رب کی طرف دل لگا۔

پہلی آیت کا فارسی ترجمہ یہ ہے "آیا کشادہ نکردہ ایم۔ برائے تو سینہ ترا" اور اگر اس کا اردو ترجمہ کیا جائے۔ تو یہ ہوگا "کیا نہیں کھول دیا ہم نے تیرے لئے تیرا سینہ" مگر سید صاحب اس آیت کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں "کیا ہم نے تیرے لئے سینہ کو نہیں کھول دیا ہے"

اسقدر بیان کرنے کے بعد ہم اُن روایات و احادیث کی جانب مائل ہوتے

ہیں۔ جو اس واقعہ سے متعلق ہیں +

(۱) ہشامی حلیمہ سے نقل کرتا ہے۔ کہ اس نے بیان کیا کہ "ایک روز محمد (صلعم) اپنے بھائی اور بہن (رضاعی) کے ساتھ گھر کے قریب مویشی میں کھیل رہے تھے۔ وہ دونوں دفعتاً میرے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ اور رو کر کہنے لگے۔ کہ دو سفید پوش آدمی ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ کر لے گئے۔ اور ان کا سینہ چاک کر ڈالا۔ میں اور میرا خاوند اس مقام پر گئے۔ دیکھا کہ آنحضرت کا مارے خوف کے رنگ فق تھا۔ ہم نے ان کو چھاتی سے لگایا۔ اور ان کے اضطرار کا باعث پوچھا۔ انھوں نے جواب دیا۔ کہ دو آدمی سفید پوش میرے قریب آئے۔ اور مجھ کو چت لٹا کر میرا دل چیرا۔ اور اس میں سے کوئی چیز نکال لی۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا چیز تھی"+

(۲) ہشامی کہتے ہیں۔ کہ بعض علماء نے . . . . . . (نام راوی نہیں نہ سند ہے) اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ بعض لوگوں نے آنحضرت سے کہا۔ کہ آپ اپنی کچھ تعریف بیان فرمائیے۔ اس پر پیغمبر صاحب نے فرمایا۔ . . . . . . ایک دن میں اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ مویشی چرا رہا تھا۔ کہ دفعتاً دو آدمی جو سفید لباس پہنے ہوئے تھے اور اپنے ہاتھ میں ایک سونے کا طشت۔ برف اور پانی سے بھرا ہوا لئے ہوئے تھے۔ میرے پاس آئے۔ اور مجھ کو زمین پر لٹا کر میرے سینہ کو چاک کیا۔ اور میرے دل کو چیرا۔ اور اس میں سے ایک سیاہ قطرہ دبا کر نکال ڈالا۔ اس کے بعد انھوں نے دل کو اور سینہ کو برف سے دھو دھلا کر پاک صاف کر دیا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ کہ اس کو ایک طرف رکھکر اور دس آدمیوں کو دوسری جانب رکھکر تولو۔ مگر میں وزن میں زیادہ ہوا۔ تب اس نے سو آدمیوں سے مجھے تولا۔ اس پر بھی میں وزن میں گراں رہا۔ اس پر ایک نے دوسرے سے کہا۔ کہ اس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ اگر تم اسے تمام جہان کے مقابلہ

میں تولو گے. تب بھی یہ کم نہ نکلے گا +

واقدی نے بھی مذکورہ بالا ہردو روایات کو نقل کیا ہے۔ اور کتاب شرح السنۃ میں عرباض ابن ساریہ سے آنحضرت کے مذکورہ بالا فضایل کا بیان ہوا ہے نیز دارمی میں ابوذر غفاری سے آنحضرت کے تولے جانے کی روایت بیان ہوئی ہے

سر سید ان تمام راویوں کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ علمائے اسلام ان کو محض ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں۔ اور اس کی وجوہ حسب ذیل قرار دیتے ہیں:۔

۱۔ ان کے راوی نامعتبر ہیں۔ ٹھیک ٹھیک سندیں نہیں دیتے +

۲۔ بیان میں اختلاف ہے۔ چنانچہ (الف) حلیمہ سعدیہ والی روایت میں برفاب۔ طشت اور دل کے دھوئے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ (ب) ہشامی کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت کا تولا جانا شق صدر کے بعد حلیمہ کے گھر پر ہوا تھا۔ مگر (ج) دارمی میں جو ابوذر کی روایت ہے۔ اس میں شق صدر کا کچھ ذکر نہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت بطحائے مکہ میں تولے گئے +

شق صدر کے متعلق ایک روایت مسلم میں بھی آئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔ انس بن مالک نے کہا۔ کہ "ایک روز جبکہ پیغمبر صاحب مکہ میں اور لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبرائیل ان کے پاس آئے۔ اور ان کا دل چیرا۔ اور اس میں سے ایک قطرہ نکال کر کہا۔ کہ تجھ میں یہ شیطان کا حصہ تھا۔ تب اس کو ایک سونے کے طشت میں۔ آب زمزم سے دھویا۔ اور اس کو بجنسہٖ جہاں رکھا ہوا تھا۔ وہیں رکھ دیا۔ اور لڑکے بھاگ کر ظئیرۃ (آنحضرت کی دودھ پلائی) کے پاس گئے۔ اور کہا کہ محمد (صلعم) کو مار ڈالا۔ وہ فوراً محمد کے پاس دوڑی آئی۔ اور ان کا رنگ فق پایا۔ (انس کا بیان ہے) کہ انحضرت کے سینہ پر سیون کا نشان انھوں نے بچشم خود دیکھا +

مگر سرسید با وصف مسلم کو معتبر ماننے کے ذیل کی وجوہ سے اس بیان کو غلط قرار دیتے ہیں :-

آ - یہ مذکورہ بالا روایات سے مختلف ہے ۔

ٹ - انس نے بھی یہی واقعہ شب معراج کیساتھ بیان کیا ہے - اور اس طرح ان دونوں واقعات کے زمانوں میں بہت بڑا اختلاف ہوگیا ہے +

ٹ - معلوم ہوتا ہے - کہ انس سے نقل کرنے والے راوی نے انس کی اس طویل روایت میں سے جو معراج سے متعلق ہے - (جیسا کہ واقعہ معراج میں بیان ہوا) ایک ٹکڑا توڑ کر اور اس میں بھی کمی بیشی کر کے بیان کیا ہے - جس سے اس روایت کی بے اعتباری اور اس مضمون کا کہ سیون کا نشان انس نے خود دیکھا تھا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے +

ٹ - روایت مذکور میں آنحضرت کا سینہ چیر جانے اور اس کی سیون کا بیان ہے - پس قابل غور یہ امر ہے - کہ اگر سینۂ مبارک بقول راوی چیرا گیا ہو - تو کیا اس کے سینے کے نشان باقی رہے ہونگے - کیا معجزانہ کام اور عام جراح کے کام میں اتنا بھی فرق نہ ہوتا - پس سید صاحب تحریر فرماتے ہیں - کہ اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے - تو معجزہ کی اصلی وقعت کم ہو جاتی ہے - اسواسطے یہ روایت بے اصل ہے - سید صاحب کی یہ بھی رائے ہے - کہ انس کے بعد کے راوی نے اس میں غلطی کی ہے - جس کی تفصیل اوپر گذری +

ھ - صحابہ کرام نے آنحضرت کے حلیہ کے متعلق بیشمار روایات اور حدیثیں بیان کی ہیں جن کا مجموعہ آج بھی کتاب شمائل ترمذی میں موجود ہے - مگر اس سیون کا کہیں ذکر نہیں - پس اگر وہ واقعی ہوتی - تو اس کے نہ بیان کرنیکی کوئی وجہ نہ تھی اس سے بھی اس روایت کا بے بنیاد ہونا ثابت ہے +

یہ - انسؓ اس واقعہ کے وقوع کے وقت موجود نہ تھے - نہ انھوں نے ان لوگوں کے نام لکھے - جن کی وساطت سے انھیں یہ واقعہ معلوم ہوا - پس یہی ثبوت

ہیں اس کے غلط ہونے کے اور یہ حدیثوں کی جانچ کا عام قاعدہ ہے چنانچہ لکھا ہے کہ "اگر راوی کسی ایسے واقعہ کو بیان کرے۔ جس میں وہ خود موجود نہ ہو۔ تو وہ روایت قابل اعتبار نہیں۔ اگرچہ وہ راوی صحابہ ہی سے کیوں نہ ہو"

مذکورہ بالا تفصیل سے ظاہر ہے۔ کہ شرح صدر کی روایات ایسی مختلف ہیں۔ کہ اُن کی باہمی مطابقت ناممکن ہے۔ اور مصنف مواہب لدنیہ کی روایت تو بالکل ہی مختلف ہے۔ چنانچہ اُس نے لکھا ہے۔ کہ واقعہ شق صدر پانچ بار واقعہ ہوا۔ اوّل حلیمہ دائی کے مکان پر دوم مکہ میں بعمر دس سال سوم غار حرا میں۔ چہارم شب معراج۔ پانچویں ایک بار اور جس کا وقت نا معلوم بیان کیا گیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے۔ بقول سر سید ہ کہ ان بزرگ نے روایات مذکورہ بالا میں مذکورہ اختلاف دیکھکر واقعہ شرح صدر کو پانچ بار ہونا سمجھا۔ اور اصلیت ایک کی بھی مفقود ہے +

سر سید لکھتے ہیں کہ صرف ایک روایت جس میں شب معراج میں شق صدر کا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اعتبار کے لایق ہو سکتی ہے۔ مگر واقعہ معراج بطور رویا کے آنحضرت پر منکشف ہوئے تھے۔ اسواسطے یہ شرح صدر کا واقعہ بھی عالم رویا میں ہی وقوع پذیر ہوا +

شق صدر کے متعلق چند روایات (اگر وہ شب معراج کے درمیان ہوا) حسب ذیل ہیں۔ اور اس میں وہ روایت بھی شامل ہے۔ جس کو سید صاحب نے قابل اعتبار بیان کیا ہے۔

آنحضرت نے فرمایا	ترجمہ
اذ رتانی آت فشق ما بین ھذا الی ھذہ یعنی من ثغرۃ نحرہ الی شعرتہ (قتادہ)	میرے پاس ایک آنیوالا آیا۔ اور یہاں سے یہاں تک چاک کر دیا۔ یعنی سینہ کی ہڈی سے بالوں تک (قتادہ)
فنزل جبرئیل ففرج صدری (ابن شہاب)	پس اُترے جبرئیل اور چاک کیا میرا سینہ

فاستخرج قلبی ثم اتیت بطست من ذھب ملوا ایمانا فغسل قلبی ثم حشی ثم اعید - (قتادہ)	پس میرا دل نکالا - ایک طشت سونے کا لائے جو ایمان سے بھرا ہوا تھا پھر میرے دل کو دھویا گیا پھر دیا گیا پھر ویسا ہی کر دیا گیا - (قتادہ)
وفی روایۃ ثم غسل البطن بماء زمزم ملی ایمانا و حکمۃ (قتادہ)	ایک روایت ہے کہ پھر پیٹ کو زمزم کے پانی سے دھویا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا (قتادہ)
ثم غسلہ بماء زمزم - ثم جاء بطست من ذھب ممتلی حکمۃ و ایمانہ فافرغہ فی صدری ثم اطبقہ (ابن شہاب)	پھر اس کو دھویا - زمزم کے پانی سے پھر ایک طشت سونے کا لایا گیا - جو حکمت و ایمان سے بھرا ہوا تھا پس اس کو میرے سینہ میں انڈیلا اور پھر برابر کر دیا - (ابن شہاب)

ناظرین اس امر کا فیصلہ خود فرما سکتے ہیں - کہ سید صاحب کی مذکورہ بالا تحقیقات اور تلاش کہاں تک قابل داد ہے - درحقیقت روایات مذکورہ جس صورت میں موجود ہیں - وہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں - اسواسطے ہم بھی یہ فیصلہ کرنے سے معذور ہیں - کہ ایا اُن میں سے کوئی ایک بھی درست ہے - اور اس قابل ہے - کہ مان لیں - اس واسطے ہم قران شریف سے اس واقعہ کی شہادت چاہتے ہیں - مگر قرآن پاک میں اشارتاً یا کنایتاً بھی اس واقعہ کا ذکر نہیں آیا - اور صرف ایک مقام پر اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ آیا ہے - بعض علماء اسی کو واقعہ شق الصدر سے منسوب کرتے ہیں - لیکن دیکھنا یہ ہے - کہ یہ آیت کہاں تک اس قصہ سے متعلق ہو سکتی ہے - اس آیت کے کئی ترجمے - بلکہ تمام سورت کا ترجمہ ہم اس عنوان کے شروع میں دے آئے ہیں - اس کے معنی یہی ہیں "کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ تیرے لئے" لیکن ان الفاظ سے سینہ کا چیرا جانا - قلب کا نکالا جانا - یا دیگر متعلقہ باتیں نہیں معلوم ہوتیں - بلکہ اس فقرہ کے بطور محاورہ یہ معنی ہیں - کہ سینہ میں روحانی وسعت و عرفان الہی کی گنجایش غیر معمولی طور پر کر دینا - یا قوت برداشت اور استحکام کو قوی کر دینا - پس یہ ایک

وجہ ہے کہ ہم اس آیت کو واقعہ شق الصدر سے منسوب نہیں سمجھتے +

اوّل الذکر جنوں سے اکثر علماء و مفسرین کو اتفاق ہے ۔ ہمارے اس خیال کے مویدایک وجہ بھی ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ اس سورت میں خداے تعالےٰ آنحضرت سے خطاب فرماتا ہے " کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ۔ تیرے لئے ۔ اور اتار رکھا تجھ سے تیرا بوجھ جس نے کڑکائی تیری پیٹھ ۔ اور بلند کیا تیرا ذکر ۔ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے ۔ ہاں ضرور مشکل کیساتھ آسانی ہے ۔ پس جب تو فارغ ہو ۔ تو محنت کر اور اپنے رب کی جانب دل لگا "

یعنی خداے تعالےٰ اپنی توحید کے منادی کرنے والے پیغمبر سے ارشاد فرماتا ہے کہ تجھے ہم نے استحکام بخشا ۔ تیری امداد کی ۔ اور تکلیف کے بعد آرام ملتا ہے +

ساری سورت میں بحیثیت مجموعی غور کرو ۔ اور پھر سوچو کیا اس کی پہلی آیت کے واقعہ کو شرح صدر کے ساتھ یعنی سینہ چیرنے ۔ قلب کو برفاب سے دھونے ۔ اور سینہ میں ٹانکہ لگانے سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے ۔ ان امور سے ثابت ہوا ۔ کہ قرآن شریف میں اس واقعہ کا ذکر نہیں آیا +

اب نہ قرآن میں اس واقعہ کا ذکر ہے ۔ اور نہ معتبر حدیث و روایت میں ۔ اسواسطے ان دونوں باتوں کو مدنظر رکھکر اس واقعہ سے انکار کرنا شاید کسی مسلمان کے لئے مذہبی گناہ نہیں ۔ لیکن سید صاحب نے جس بنا پر اس واقعہ سے انکار کیا ہے ۔ وہ یہ ہے ۔ کہ عیسائی اس قصہ کی ہنسی اڑاتے ہیں ۔ اسواسطے کہ سائنٹیفک واقعہ نہیں ہو سکتا ۔ ہم نہیں خیال کرتے کہ اس واقعہ کو خلاف سائینس کہنے والے حق بجانب ہیں ۔ کیونکہ دل کا چیرا جانا ۔ اس میں سے کوئی شے نکالنی اور پھر جسم میں رکھدیا جانا اور انسان کا زندہ رہنا خلاف سائنس نہیں گو سائنس کہتا ہے ۔ کہ اسقدر عمل جراحی کے بعد آدمی زندہ نہیں بچ سکتا ۔ مگر حال ہی کا ایک واقعہ حسب ذیل ہے جس سے

سائنس کے اس مسئلہ کی تردید ہوتی ہے۔
صوبجات متحدہ امریکہ کے شہر فلاڈلفیا میں متھوڈسٹ ہسپتال کے ڈاکٹر ہمینڈ صاحب نے حال میں ایک نہایت حیرت انگیز اور طبی دنیا میں ہلچل مچا دینے والا عمل جراحی کیا یعنی یہ کہ ایک مریض کا گردہ اسقدر خراب ہو گیا کہ اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔ مگر اتفاق سے مریض کے ہسپتال میں زیر علاج ہونیکے وقت ایک تندرست آدمی ایک حادثہ سے فوت ہو گیا۔ ڈاکٹر نے اس شخص کا گردہ نکال کر مریض کے خراب گردہ کی بجائے داخل کر دیا۔ اور مریض چند روز میں تندرست ہو گیا۔ (اخبار ہندوستان ۲۶ جنوری ۱۹۱۲ء)
یہ واقعہ بالکل سچ ہے ڈاکٹر ہمینڈ صاحب کو پیغمبر یا صاحب معجزہ ہونیکا دعوےٰ نہیں ہے۔ پس غور کرنا چاہئے۔ کہ صرف علم و عمل سے جب اس قدر بات ممکن ہے۔ تو کیا وہ خدائے قادر مطلق ایسے ایسے واقعات کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ جس کے ادنےٰ بندے جنھیں اُس کی عقل و حکمت سے کوئی نسبت ہی نہیں ہو سکتی یہ کچھ کر سکتے ہیں۔ تو کیا وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ عیسائیوں کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ جب کہ خداوند تعالےٰ کنواری مریمؑ سے عیسیٰؑ کو پیدا کر سکتا ہے۔ تو وہ ایسا بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرتؐ کا واقعہ شق الصدر ہے۔ اس پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں نہ خلاف سائنس کہہ کر انکار کرنیکی کوئی ضرورت۔

یا رسول اللہ حبیب خالق یکتا توئی	برگزیدہ ذوالجلال پاک بے ہمتا توئی
نازنین حضرت حق صدر بدر کائنات	نور چشم انبیاء چشم و چراغ ما توئی
در شب معراج بودی جبرئیل اندر رکاب	پا نہادہ بر سر گنبد خضرا توئی
شمس تبریزی چہ داند لغت تو پیغمبرا	مصطفےٰ و مجتبےٰ ہم سید اعلیٰ توئی

ضمیمہ سوم

غیر مسلم اہل الرائے کی رائیں

آنحضرت اور اسلام کے متعلق

گھر کی شہادت خواہ کتنی ہی صداقت مآب اور آفتاب کی طرح روشن ہو اور خواہ کسی قدر بھی بلا طرفداری اور رو رعایت کے ہو تاہم یہی کہا جائے گا۔ کہ یہ اپنوں کی طرفداری ہے۔ اس لحاظ سے شاید ہمارے بعض احباب اس تحریر سے اس نتیجے پر پہنچیں۔ کہ چونکہ یہ کتاب ایک مسلمان کی لکھی ہوئی ہے۔ اس لئے زیادہ تر خوش اعتقادی اور حسن ظن پر مبنی ہے۔ اسواسطے مناسب ہوگا۔ اگر اس جگہ ہم ایسے اصحاب کی رائیں درج کر دیں۔ جو اگرچہ مسلمان نہیں۔ مگر چشم بینا اور دل انصاف پسند اور بے تعصب رکھتے ہیں ؛

سر ولیم میور مصنف سوانحعمری آنحضرت (بزبان انگریزی) باوجود اُن بے بنیاد الزامات اور دور از کار و لاطائل دلایل کے جو آپ نے آنحضرتؐ اور اُن کے صحابہ کرامؓ کی ذات سے منسوب کئے ہیں اعتراف کرتے ہیں "ابو طالب نے اپنی مجبوری کو کفار قریش کے مقابلہ میں ظاہر کر کے محمد (صلعم) سے اعلان حق سے باز رہنے پر اصرار کیا۔ تو آپؐ نے جواب دیا " اگر منکرین میرے داہنے ہاتھ پر کرہ آفتاب اور بائیں پر کرۂ ماہتاب رکھکر مجھے امر حق کے اعلان سے روکنا چاہیں گے۔ تو میں (واللہ) باز نہ آؤنگا۔ تاوقتیکہ مجھے کامیابی نہ ہو۔ یا اس کوشش میں ہلاک نہ ہو جاؤں " اسی طرح آپ دوسرے موقعہ پر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "ہم صاف طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اسلام کی

تعلیم نے بہت سے خیالات فاسدہ کو جو جزیرہ نمائے عرب میں پھیلے ہوئے تھے ہمیشہ کے لئے رفع کر دیا۔ اسلام کے نعرۂ اللہ اکبر کے روبرو بت پرستی معدوم ہوگئی۔ مسئلہ وحدانیت اور خدائے پاک کی اکمل الصفات ذات اُمت محمدیہ کے لئے ایک زندہ اصول تھا جو اُن کے دل میں اس طرح گھر کر گیا تھا۔ گویا یہ انھیں کا مسئلہ ہے۔ جیسا کہ لفظ اسلام ظاہر کرتا ہے۔ سب سے پہلے اس مذہب کے پیرو کو توکل اور رضا کا سبق دیا جاتا ہے۔ معاشرتی خوبیاں بھی ان لوگوں میں کچھ کم نہیں پائی جاتیں۔ کُلُّ مُؤمِنٍ اِخْوَۃٌ کی تعلیم سب کے دل میں قایم کرائی جاتی ہے۔ حکم ہوتا ہے۔ کہ یتیموں کی خبرگیری کرو۔ غلاموں سے نرمی کا برتاؤ کرو۔ سیئات کے نزدیک مت جاؤ۔"

جی۔ ایم۔ راڈویل "دلیلوں سے ثابت ہے۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے سب کام اس نیک نیتی کی تحریک سے ہوتے تھے۔ کہ لوگوں کو جہالت اور بت پرستی سے چھڑائیں۔ اور یہ کہ ان کی ہمیشہ از ہمیشہ خواہش یہ تھی۔ کہ امر حق یعنی توحید الٰہی کا جوش جو اُن کی روح پر غایت درجہ مستولی ہو رہا تھا اس کا خوب اشتہار و اظہار کریں۔ ان کی ذات کریم اور سیرت صداقت مشحون سے ہمیشہ اُن کو ان لوگوں میں تصور کرنا چاہئے۔ جن کے اخلاق اور ایمان کو اپنے ابنائے جنس کے تمام امور دنیوی پر کامل اختیار حاصل ہے"

ڈاکٹر لیٹنر صاحب۔ "میں بہت ہی ادب کیساتھ یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اگر فی الواقع خدائے پاک کے ہاں سے۔ جو تمام نیکیوں کا مخرج ہے۔ الہام ہوتا ہے (آپ کو شک کیوں ہے۔ مولف) تو محمد کا مذہب الہامی مذہب ہے۔ اور اگر ایثار نفسی۔ دیانت داری۔ راسخ الاعتقادی۔ نیکی اور بدی کی کامل جانچ اور برائی کے دور کرنے کے عمدہ ذرایع ہی الہام کی ظاہری علامات ہیں۔ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مشن الہامی تھا"

پادری ڈاکٹر مارکس ڈیوڈز صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ کیا محمد کسی

طرح نبی نہیں ہے؟ بیشک ان میں دو ایسی باتیں تھیں جن سے کہ ہم پہچان سکتے ہیں کہ وہ انبیا کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اولاً تو آپ نے خدا تعالےٰ میں اس سچائی کا نور دیکھا جس کو اُن کے ہم وطن دیکھنے سے قاصر رہے۔ دوئم اُن کے دل میں ایک ایسی حرکت تھی۔ جو انھیں اپنی سچائی کے مشتہر کرنے میں اشتعال دلاتی تھی "۔

پادری سٹیفن صاحب "محمد صاحب کا منشا یہ تھا۔ کہ اپنے ہم ملک عربوں میں اپنے جدامجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا سچا دین از سر نو تازہ کریں جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہم ملک یہودیوں میں تازہ کیا تھا۔ اس میں وہ بخوبی کامیاب ہوئے "۔

پادری اسحاق ٹیلر:۔ اسلام نے تہذیب و شائستگی پھیلانے میں عیسائیت سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں۔ کہ میں مشنریوں کے بیانات پر کسی قدر شبہ رکھتا ہوں۔ اسلام حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے دین کی تکمیل کر رہا ہے۔ یہودیت ایک قوم اور فرقہ تک محدود تھی۔ اسلام تمام دنیا کے لئے ہے۔ محمد صلعم کی تعلیم میں مذہب عیسوی کے خلاف کوئی بات نہیں "۔ (بلکہ تائید ہے۔ بشرطیکہ کامل توحید ہو۔ جیسے قدیم عیسوی مذہب میں تھی۔ جبکہ تثلیث کا شاخسانہ نہ تھا۔ مؤلف)

پادری ریورینڈ باسورتھ سمتھ:۔ ملک کے بادشاہ اور نبی ہونیکی حیثیت سے وہ ایک وقت میں سیزر اور پوپ کا سا مرتبہ رکھتے تھے۔ وہ پوپ تھے لیکن پوپ کی سی دھوکہ بازی سے مبرا تھے۔ وہ سیزر تھے لیکن سیزر کی سی کارروائیوں سے مبرا تھے۔ باقاعدہ فوج کے بغیر حفاظت کے سپاہی نہ ہونے کے باوجود۔ محل کے بغیر مقررہ خراج کے نہ ہوتے ہوئے اگر کوئی آدمی یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ آپ نے (آنحضرت نے) خدائی طاقت سے حکومت کی (جانوں پر نہیں بلکہ دلوں پر بھی ہو لف) تو وہ محمد ہی تھے۔ کیونکہ ان کو یہ طاقت و حکومت سب مہیا تھی۔ لیکن ہتھیار نہ تھے "۔

اڈورڈ گبن: محمد (صاحب) کا مذہب شکوک اور شبہات سے پاک صاف ہے قرآن خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہے۔ مکہ کے پیغمبر نے بتوں کی انسانوں ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا کہ جو شے طلوع ہوتی ہے غروب ہو جاتی ہے۔ اور جو حادث ہے وہ فانی ہوتی ہے۔ اور جو قابل زوال ہے وہ معدوم ہو جاتی ہے۔ اس نے اپنی معقول سرگرمی سے کائنات کے بانی کو ایک ایسا وجود تسلیم کیا جسکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ نہ وہ کسی شکل میں محدود نہ کسی مکان میں مقید۔ اور نہ کوئی اس کا ثانی موجود ہے جس سے اس کو تشبیہ دے سکیں۔ وہ ہمارے نہایت خفیہ ارادوں سے بھی آگاہ رہتا ہے۔ بغیر کسی اسباب کے موجود ہے۔ اخلاق اور فعل کا کمال جو اس کو حاصل ہے۔ وہ اس کو اپنی ہی ذات سے حاصل ہے۔ ان بڑے بڑے حقایق کو پیغمبر نے مشہور کیا۔ اور اس کے پیروؤں نے ان کو نہایت مستحکم طور سے تسلیم کیا۔ اور قرآن کے مفسروں نے معقولات کے ذریعہ سے بہت درستی کے ساتھ اُن کی تشریح اور تصریح کی۔ ایک حکیم جو خدا تعالے کے وجود اور اس کی صفات پر یقین رکھتا ہو مسلمانوں کے مذکورہ بالا عقیدے کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ وہ ایسا عقیدہ ہے۔ جو ہمارے موجودہ ادراک اور قوائے عقل سے بہت بڑھکر ہے۔ اسواسطے کہ جب ہم نے اُس نامعلوم چیز (خدا) کو زمان، مکان، حرکت، مادہ، حس، اور تفکر کے اوصاف سے مبرّا کر دیا۔ تو پھر ہمارے خیال کرنے اور سمجھنے کے لئے کیا چیز باقی رہی۔ وہ اصل اوّل (خدا) جسکی بنا عقل اور وحی پر ہے۔ محمد صاحب کی شہادت سے استحکام کو پہنچی۔ چنانچہ اس کے معتقد ہندوستان سے لیکر مراکو تک موحد کے لقب سے ممتاز ہیں۔ اور بتوں کو مصنوعی سمجھنے سے بت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا ؏

مسٹر طامس کارلائل: ہم لوگوں (عیسائیوں) میں جو یہ بات مشہور ہے کہ محمد (نعوذ باللہ) ایک پرفن اور فطرتی شخص اور گویا جھوٹ کے اوتار تھے۔ اور اُن کا مذہب دیوانگی و خام خیالی کا ایک تودہ ہے۔ اب یہ سب باتیں لوگوں کے نزدیک

غلط ٹھیرتی جاتی ہیں۔ جو جو غلط باتیں دوراندیش اور مذہبی سرگرمی رکھنے والے آدمیوں (عیسائیوں) نے اس انسان (محمد صلعم) کی نسبت قایم کی تھیں۔ اب وہ الزام قطعاً ہماری روسیاہی کے باعث ہیں چنانچہ ایک یہ بات جو مشہور ہے کہ پارک صاحب نے جب گروٹیس صاحب سے پوچھا کہ یہ قصہ جو تم نے لکھا ہے کہ محمد نے ایک کبوتر کو سکھایا تھا۔ کہ وہ ان کے کان میں سے میل نکالا کرتا تھا اور مشہور کیا تھا کہ وہ فرشتہ ہے جو ان کے پاس وحی لایا کرتا ہے۔ تو اس قصہ کی کیا سند ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اس قصہ کی کوئی سند اور کچھ ثبوت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے۔ کہ ایسے ایسے قصوں کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ جو جو باتیں اس انسان (محمد صلعم) نے اپنی زبان سے نکالیں۔ بارہ سو برس سے اٹھارہ کروڑ آدمیوں کے لئے بمنزلہ ہدایت کے قایم ہیں۔ ان اٹھارہ کروڑ آدمیوں کو بھی اسی طرح خدا نے پیدا کیا جس طرح ہم کو پیدا کیا۔ اسوقت جتنے آدمی محمدؐ کے کلام پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس سے بڑھکر اور کسی کے کلام پر اس زمانہ کے لوگ یقین نہیں رکھتے۔ پھر کیا ہم خیال کر سکتے ہیں۔ کہ جس کلام پر خدائے مطلق کی اس قدر مخلوق زندگی بسر کر گئی اور اسی پر مر گئی۔ کیا وہ ایسا جھوٹا کھیل ہے جیسا کہ ایک بازیگر کا ہوتا ہے +

اس پر جناب سرسیدؒ اپنی مشہور معرکتہ الآرا کتاب خطبات الاحمدیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "میں اسقدر اور زیادہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ کروڑوں آدمی اسوقت بھی اُس پر نہایت مستحکم اعتقاد سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور جن ملکوں میں اسلامی سلطنت کبھی نہیں گئی۔ اُن ملکوں کے لوگوں نے بھی اُن کی باتیں سن کر انکو قبول کیا۔ اور اب بھی کہ اس کے بانی کو دنیا سے گئے ہوئے سوا تیرہ سو برس ہو گئے۔ ہر ایک ملک میں اور ان ملکوں میں بھی جہاں اسلامی سلطنت نہیں ہے۔ ہزاروں نئے لوگ اس پر بغیر کسی لالچ اور دہوکے کے۔ اور بغیر کسی تدبیر کرنے والوں کی تدبیر و حکمت کے ایمان لاتے ہیں۔ اور اسلام

کو قبول کرتے ہیں۔ تو وہ کیا ایسا جھوٹ کھیل ہے۔ جیسا کہ ایک بازیگر کا ہوتا ہے
نہیں بلکہ اس کے سچ ہونے کا ہر ایک کے دل پر یقین ہوتا ہے ؎

یہ جملہ معترضہ تھا۔ مورخ موصوف مذکورہ بالا عبارت سے آگے لکھتے ہیں
کر "میں اپنے نزدیک ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتا۔ بلکہ میں یہ نسبت اور
چیزوں کے اس پر جلد یقین کرتا ہوں۔ اگر جھوٹی اور فریب کی باتیں دنیا میں
اسقدر زور آور ہوں اور رواج پکڑ جائیں اور مسلم ٹھہر جائیں۔ تو پھر اس دنیا
کی نسبت کوئی کیا سمجھے گا۔ اس قسم کے خیالات جو بہت پھیلے ہوئے ہیں
بہت ہی افسوس کے قابل ہیں۔ اگر ہم کو خدا کی سچی مخلوقات کا علم کچھ حاصل کرنا
منظور ہو۔ تو ہم کو ایسی باتوں پر ہرگز یقین نہ کرنا چاہیئے۔ وہ باتیں ایسے زمانہ
میں پھیلی تھیں جبکہ توہمات کو بہت کچھ دخل تھا۔ اور انھیں توہمات کے سبب
خیال تھا کہ آدمی کی روحیں غمگین خرابی میں پڑی ہوئی ہیں۔ جو ان کی ہلاکت
کا سبب ہے۔ میرے نزدیک اس خیال سے کہ ایک جھوٹے آدمی نے
ایک مذہب قایم کیا۔ اور کوئی اس سے زیادہ بد اور ناخدا پرست خیال دنیا
میں نہیں پھیلا۔ بھلا یہ ممکن ہے۔ کہ ایک جھوٹا آدمی جو چونہ اور اینٹ اور مصالح
کی حقیقت کو سچ نہ جانے اور پختہ مکان بنالے۔ وہ مکان پختہ کا ہیکو ہوگا۔ بلکہ خاک کا ایک
ڈھیر ہوگا۔ بارہ سو برس تک اس کو کب قیام ہو سکتا ہے۔ اور اٹھارہ کروڑ آدمی
اس میں کب رہ سکتے ہیں۔ بلکہ اب تک وہ مکان کبھی کا سر کے بل گر پڑا
ہوتا۔ پس ضروری ہے کہ ایک آدمی اپنے طریقوں کو قانون قدرت کے مطابق
کرے۔ اور قدرت کے سامانوں کی حقیقت کو سمجھے اور اس پر عمل کرے۔ ورنہ
قدرت سے اس کو یہ جواب ملیگا۔ کہ نہیں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ جو قانون اور قواعد
خاص ہیں وہ خاص ہی رہیں گے عام نہیں ہونگے ؎

افسوس ہے کہ کوئی شخص مثل کاگ لسٹر یا اور ایسے ہی بہت سی
دنیا کے سر برآوردہ لوگوں کے چندر وز کے لئے اپنے فن و فطرت سے کامیاب

ہو جاتے ہیں۔ مگر اُن کی کامیابی ایک جعلی ہنڈی کی مانند ہوتی ہے جس کو وہ اپنے نالایق ہاتھوں سے جاری کرتے ہیں۔ اور خود الگ تھلگ رہتے ہیں۔ اور دوسروں کو اس کے سبب سے نقصان پہنچاتے ہیں۔ مگر قدرت آگ کے شعلوں فرانسیسی ہنگاموں اور اسی قسم کے اور غضبناک ظہور میں ظاہر ہو کر یہ بات بہت قہر اور غضب سے دنیا پر ظاہر کر دیتی ہے۔ کہ جعلی ہنڈیاں جعلی ہی ہیں؛

یہی مورخ ایک دوسرے موقع پر آنحضرت کی ذات اور کام کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ یہ امر یقینی ہے۔ کہ بت پرستی کا معدوم کرنا اور خدائے تعالیٰ واحد مطلق کی عبادت کی ایسے مذہب و قوم میں بنیاد ڈالنا جو انتہا درجہ کی بت پرست ہو اور خدا کو بھول گئی ہو حقیقت میں یہ ایسا کام تھا جس کو خود خدائے تعالیٰ نے ہی مقرر کیا ہو؛

اس آخری فقرہ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مورخ مذکور آنحضرت کے منجانب اللہ پیغمبر مامور ہونے کو تسلیم کرتا ہے۔

شاید اس سوانحعمری کے اکثر ناظرین اس بات سے واقف ہوں۔ کہ مسلمان ہونیکے لئے خدائے تعالیٰ کو ایک اور اس کے رسول کو برحق ماننا ہی کافی ہے۔ گویا معنوی طور پر عقیدۃً مسٹر کارلائل مسلمان ہیں؛

مصنف موصوف اپنی کتاب "لکچرز آن ہیروز" میں تحریر کرتے ہیں کہ "اسلام کا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب پہلے ہی پہل اس کے ذریعہ سے زندہ ہوا۔ اہل عرب گلہ بانوں کی غریب قوم تھی۔ اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں پھرا کرتی تھی۔ اور کسی شخص کو ان کا کچھ خیال بھی نہ تھا۔ اس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کلام کیساتھ جس پر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف بھی نہ تھا۔ وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہو گئی۔ اور چھوٹی چیز نہایت ہی بڑی بن گئی۔ اس کے بعد ایک صدی کے اندر ایک جانب غرناطہ اور ایک طرف دہلی ہو گئی...... یہی عرب اور یہی

حضرت محمدؐ اور یہی ایک صدی کا زمانہ گویا ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو ظلمت میں چھپا ہوا ایک ریگستان تھا۔ مگر دیکھو کہ اس ریگستان نے زور شور سے اڑ جانے والی بارود کی طرح نیلے آسمان تک اٹھتے ہوئے شعلوں سے دہلی سے تا بہ غرناطہ روشن کر دیا۔"

چیمبرز ان سائکلوپیڈیا "مذہب اسلام کا وہ حصہ بھی جس میں بہت کم تغیر و تبدل ہوا ہے۔ اور جس سے اس کے بانی کی طبیعت نہایت صاف صاف معلوم ہوتی ہے۔ اس مذہب کا نہایت کامل اور روشن حصہ ہے۔ اس سے ہماری مراد قرآن کے علم اخلاق سے ہے۔ نا انصافی۔ کذب۔ غرور۔ انتقام۔ غیبت۔ استہزاء۔ طمع۔ اسراف۔ عیاشی۔ بے اعتباری۔ بدگمانی نہایت قابل ملامت بیان کی گئی ہیں۔ نیک نیتی۔ فیاضی۔ حیا۔ تحمل۔ صبر۔ بردباری۔ کفایت شعاری۔ سچائی۔ راستبازی۔ ادب۔ صلح۔ سچی محبت۔ اور سب سے پہلے خدا پر ایمان لانا۔ اور اس کی مرضی پہ توکل کرنا سچی ایمانداری کا رکن اور سچے مسلمان کی نشانی خیال کی گئی ہے۔"

اس مصنف نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ ہم اس بات پر غور نہیں کر سکتے۔ کہ اسلام نے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے کیا کیا۔ لیکن اگر نہایت ٹھیک کہا جائے۔ تو یورپ میں علوم و فنون کی ترقی میں اسی کا حصہ تھا۔ مسلمان علی العموم نویں صدی سے تیرہویں صدی تک وحشی یورپ کے لئے روشن ضمیر معلم کہے جا سکتے ہیں۔ قدیم علم ادب ہمیشہ کے لئے بغیر کسی علاج کے مفقود ہو جاتا۔ اگر مسلمانوں کے مدرسوں میں اس کو پناہ نہ ملتی۔ عربی فلسفہ۔ قدرتی چیزوں کی تواریخ۔ جغرافیہ۔ علم تاریخ۔ صرف نحو۔ علم کلام اور فن شاعری کی بہت سی کتابیں پیدا ہو گئیں۔ جو نسل انسان کے باقی رہنے تک جاری رہیں گی۔

اڈورڈ گبن "حضرت محمدؐ اپنے ملک کے لئے کیسے تھے؟ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ "حضرت محمد (صلعم) کی سیرت میں سب سے آخر جو بات غور کرنے کے لایق ہے۔ وہ یہ ہے کہ اُن کی عظمت و شان بہبود عوام کے لحاظ

سے مفید ہوا یا مضر جو لوگ آنحضرت کے سخت دشمن ہیں وہ بھی اور نہایت متعصب
عیسائی اور یہودی بھی باوجود پیغمبر برحق نہ ماننے کے اس بات کو ضرور تسلیم کریں گے کہ
آنحضرت نے دعوائے رسالت ایک نہایت مفید مسئلے کی تلقین کے لئے اختیار کیا گو
وہ یہ کہیں کہ صرف ہمارے ہی مذہب کا مسئلہ اس سے اچھا ہے۔ آنحضرت یہودیوں
اور عیسائیوں کی کتب سماویہ قدیمہ کی صداقت و پاکیزگی اور ان کے بانیوں میں اگلے
پیغمبروں اور معجزوں اور ایمانداری کو مذہب اسلام کی بنیاد خیال کرتے تھے۔ عرب
کے بت خدا کے تخت کے روبرو توڑ دئے گئے تھے۔ اور انسانی خون کے کفارہ
کو نماز روزہ اور خیرات سے بدل دیا جو ایک پسندیدہ اور سیدھے سادے طریقے
کی عبادت ہے (یعنی بتوں پر قربانی چڑھانے کو بند کر کے اس کی بجائے نماز
روزہ قایم کیا) اُن کے مجھنے کی جزا و سزا ایسی تمثیلوں میں بیان کی جو ایک جاہل
اور ہوا پرست قوم کی طبیعت کے نہایت موافق تھیں۔ آنحضرت نے مسلمانوں
میں نیکی اور محبت کی ایک روح ڈالدی۔ آپس میں بھلائی کرنے کی ہدایت کی اور
اپنے احکام اور نصایح سے انتقام کی خواہش۔ بیوہ عورتوں اور یتیموں پر ظلم و ستم
ہونے سے روک دیا۔ جو اقوام اعتقاد میں مخالف تھیں۔ آخر فرمان بردار
ہو کر متفق ہو گئیں۔ جو بہادری بیہودہ طور پر خانگی جھگڑوں میں صرف ہوتی تھی اب
وہ نہایت مستعدی سے غیر ملک کے دشمن کے مقابلہ پر مائل ہو گئی۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ کی رائے حسب ذیل ہے "کیا یہ بات خیال میں آسکتی
ہے۔ کہ جس شخص نے (آنحضرت نے) اُس نہایت ناپسند اور حقیر بت پرستی کے
بدلے جس میں اُس کے ہموطن (اہل عرب) مدت سے ڈوبے ہوئے تھے۔ خدائے
برحق کی پرستش قایم کرنے سے بڑی بڑی دایم الاثر اصلاحیں کیں۔ مثلاً اولاد کشی
(دختر کشی) کو موقوف کیا۔ نشہ کی چیزوں کے استعمال کو اور قمار بازی کو جس سے
اخلاق کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ منع کیا۔ اسوقت کثرت ازدواج کا جو بُرا
رواج تھا۔ اُسے محدود کر کے بہت کچھ گھٹا دیا غرضیکہ ایسے بڑے اور سرگرم مصلح

کو کیا ہم فریبی ٹھہرا سکتے ہیں؟ اور یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایسے شخص کی تمام کارروائیاں مکر پر مبنی تھیں نہیں ہرگز ایسا نہیں کہہ سکتے۔ بیشک محمد (صلعم) بجز نیک دلی اور ایمانداری کے اور کسی سبب سے ایسے استقلال کے ساتھ اپنی کارروائی پر ابتدا نزول وحی سے جو خدیجہ رض سے بیان کی آخر دم تک جب کہ حضرت عائشہ کے حجرے میں شدت مرض سے وفات پائی مستعد نہیں رہ سکتے تھے۔ جو لوگ ہر وقت اُن کے پاس رہتے تھے اور جو اُن سے بہت ربط ضبط رکھتے تھے اُن کو بھی کبھی اُنکی ریاکاری کا شبہ نہیں ہوا۔ اور کبھی انھوں نے اپنے نیک برتاؤ سے تجاوز نہ کیا۔ بیشک ایک نیک اور صادق طبیعت شخص جس کو اپنے خالق پر بھروسہ ہو اور جو ایمان اور رسم و رواج میں بہت بڑی اصلاح کرے۔ حقیقت میں صاف صاف خدا کا ایک آلہ ہوتا ہے اس کو ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ خدا کا پیغمبر ہے۔ جس طرح خدائے تعالےٰ کے اور وفادار خادم گزرے ہیں۔ اگرچہ اُن کی خدمتیں کامل نہ تھیں۔ اسی طرح محمد کو بھی ہم خدا کا ایسا سچا خادم کیوں نہ سمجھیں جس نے خدائے تعالیٰ کی خدمت ایسی وفاداری سے کی جیسی اوروں نے مگر بمقابلہ اوروں کی خدمت کے پوری اور کامل تھی۔ اس بات کو کیوں یقین نہ کیا جائے۔ کہ اُس کو زمانہ اور اپنے ملک میں اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت اور تنظیم سکھلانے کے لئے اور اُنکی حالت کے مناسب اُن کو ملکی اور اخلاقی امور میں نصیحت کرنے کے لئے خدا نے بھیجا تھا۔ اور وہ راستبازی اور نیک کرداری کا واعظ تھا؟ نوٹ:۔ تعلیم اسلام۔ زمانہ اور ملک کی قید سے بری ہے۔ مولف

ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بات آپ کی صاف باطنی پر بخوبی دلالت کرتی ہے کہ سب سے پہلے جو لوگ ایمان لائے وہ آپ کے دوست اور اہل خاندان تھے۔ جو آپ کی عادات سے خوب واقف تھے۔ اگر معاذ اللہ آپ فریبی ہوتے۔ تو یہ لوگ ہرگز آپ پر ایمان نہ لاتے۔ اور اُن پر یہ فریب ظاہر ہو جاتا۔ درحقیقت یہ بات کبھی ثابت نہیں ہوئی کہ محمد صلعم نے ترویج شریعت یا اثبات دعوائے نبوت کے لئے مکر اور حیلے کئے یا جھوٹے معجزات دکھائے۔ مجھے اس میں شک نہیں

ہے کہ اس شخص سے جس کے آنے کی خبر اپنے بھائیوں میں سے حضرت موسےٰ نے بنی اسرائیل کو دی ہے اور فارقلیط جس کی خبر عیسیٰ مسیح نے انجیل یوحنا میں دی ہے۔ محمد (صلعم) صاحب مراد ہیں +

سطور بالا سے ظاہر ہے کہ صاحب موصوف صاف طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ کی پیشگوئیاں آنحضرت کے متعلق ہی تھیں نیز ایک اور موقع پر اپنی کتاب "اپالوجی فار دی محمد اینڈ قرآن" میں لکھتے ہیں کہ اس بات کا خیال کرنا جیسا کہ بعضوں نے کہا ہے بہت بڑی غلطی ہے کہ قرآن میں جس مذہب کی تلقین کی گئی اس کی اشاعت بزور شمشیر ہوئی تھی۔ کیونکہ جن لوگوں کی طبائع تعصب سے خالی ہیں۔ وہ سب بلا تامل اس بات کو تسلیم کریں گے۔ کہ حضرت محمدؐ کا دین مشرقی دنیا کے لئے ایک حقیقی برکت تھا۔ اور اس وجہ سے خاص کر اس کو ان خونریز تدبیروں کی حاجت نہ پڑی ہوگی جس کی حضرت موسیٰ کو بت پرستی کے استیصال کیلئے پڑی تھی۔ پس ایسے اعلیٰ وسیلے کی نسبت جس کو قدرت نے بنی نوع انسان کے خیالات اور مسائل پر مدت دراز تک اثر ڈالنے کو پیدا کیا ہے گستاخانہ پیش آنا اور جاہلانہ مذمت کرنا کیسی لغو اور بیہودہ بات ہے۔ جب ان معاملات پر خواہ اس مذہب کے بانی کے لحاظ سے خواہ اس مذہب کے عجیب و غریب عروج و ترقی کے لحاظ سے نظر کی جائے۔ تو بجز اس کے اور کچھ چارہ نہیں ہے۔ کہ اس پر تہ دل سے توجہ کی جائے۔ اس امر میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا۔ کہ جن لوگوں نے مذہب اسلام اور مذہب عیسائی کی خوبیوں کو بمقابلہ ایک دوسرے کے تحقیق کیا ہے نیز غور کیا ہے۔ ان میں سے بہت ہی کم ایسے ہیں۔ جو اس تحقیقات و تردد کے بعد اکثر اوقات اس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور نہ ہوئے ہوں۔ کہ مذہب اسلام کے احکام بہت ہی عمدہ اور مفید مقاصد کے بنے ہیں بلکہ اس بات کا اعتقاد کرنے پر بھی مجبور رہتے ہیں۔ کہ آخر کار مذہب اسلام سے انسان کو فائدہ کثیر ہوگا "

مسز بیسنٹ صاحبہ پیغمبر اعظم (آنحضرت) کی جس بات نے میرے دل میں اُن کی عظمت و بزرگی قایم کی ہے وہ اُن کی وہ صفت ہے جس نے اُن کے ہموطنوں سے "الامین" (بڑا امانت دار) کا خطاب دلوایا۔ کوئی صفت اس سے بڑھکر نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی بات اس سے زیادہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے قابل اتباع نہیں۔ ایک ذات جو مجسم صدق ہو اس کے اشرف ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ ایسا ہی شخص اس قابل ہے۔ کہ پیغام حق کا حامل ہو"

شری سے پرکاش دیوجی برھمو سماج کے واعظ و مولف سوانح عمری آنحضرت صلعم لکھتے ہیں۔ کہ حضرت محمد صلعم صاحب بانی مذہب اسلام منجملہ ان بزرگ اشخاص کے ہیں جنھوں نے قانون قدرت کے موافق جہالت اور تاریکی کے زمانہ میں پیدا ہوکر دنیا میں بہت کچھ صداقت کی روشنی کو پھیلایا۔ اور لوگوں کو روحانی و دنیاوی ترقی کا راستہ دکھایا۔ نہ صرف ریگستان عرب کے لیے حضرت محمد صاحب کا وجود مسعود عزت و عظمت کا باعث ہے۔ بلکہ آنحضرت کی ذات سے جو جو فیض دنیا کو پہنچے ان کے لئے نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کو ان کا شکر گذار ہونا مناسب ہے۔ کون کون سی تکلیفیں ہیں جو اُس بزرگ نے نسل انسان کے لئے اپنے اوپر برداشت نہیں کیں۔ اور کیا کیا مصیبتیں ان کو اس میں اُٹھانی نہیں پڑیں؟ عرب جیسے ایک وحشی اور کندہ ناتراش ملک کو خدا کی توحید کی تعلیم دینا اور سبد سے راستہ پر لانا ایک ایسے ہی فلسفی مزاج کا کام تھا اور آخر اسی سے انجام ہوا۔ تنگدل اور متعصب لوگ ایسے بزرگوں کی نسبت کچھ ہی کہیں۔ لیکن جو لوگ انصاف پسند اور کشادہ دل ہیں۔ وہ کبھی محمد صاحب کی اُن بے بہا خدمات کو جو وہ نسل انسان کی بہبودی کے لئے بجا لائے بھلا کر احسان فراموش نہیں ہو سکتے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں۔ وہ پرلے درجہ کے تنگدل اور ناحق شناس ہیں +

جس طرح دنیا میں اور بزرگ اپنے جلال اور بزرگی کا ایک مستحکم ستون قایم کر گئے ہیں۔ اسی طرح محمد صاحب بھی اپنی فضیلت کا ایک ایسا جھنڈا گاڑ گئے

کر گئے ہیں جو ہمیشہ کے لئے اُن کی یادگار رہے گا یعنی یہی اسلام کا جھنڈا جس کے نیچے اسوقت اس دنیا کے تیرہ چودہ کروڑ آدمی پناہ گزین اور ان کے نام پر جان دینے کے لئے مستعد کھڑے ہیں ان کی فضیلت کا طرۂ عالیشان نشان ہے"

لالہ لاجپت رائے صاحب لیڈر آریہ سماج: "مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ میرے دل میں پیغمبر اسلام کے لئے نہایت عزت ہے میری رائے میں ہادیان دین و رہبران بنی نوع انسانی میں اُن کا درجہ بہت اعلیٰ ہے"

مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب شاد وزیر اعظم حیدر آباد دکن۔

مدینہ کو چلو دربار دیکھو | رسول اللہ کی سرکار دیکھو
نہ روکیں گے مجھے درباں کہ ہوں میں | غلام احمد مختار دیکھو
محمد رحمت للعالمیں ہیں | یہی رحمت کے ہیں آثار دیکھو
خدا کو جانتا ہوں دل سے واحد | کہ وحدت سے نہیں انکار دیکھو
فدا ہوں نام احمد مصطفےٰ پر | وہ بیشک ہیں مرے سردار دیکھو

کیا اونے سے اعلیٰ اس نے اے شاد
یہ شان حضرت جبار دیکھو

پنڈت جوالا ناتھ صاحب دہلوی:

نور احمد ہے احد اے نگران برزخ | کنز مخفی ہے یہاں جلوہ نشان برزخ
پردہ جلوہ ہی نہیں ستر تجلی کا حجاب | چشم باطن ہے تو آ دیکھ جہان برزخ

پنڈت پربھو دیال صاحب لکھنوی:

فلک افلاک پر صدقے۔ زمیں پر نازنیں صدقے۔ جہاں کے خوبرو قرباں۔ زمانہ کے حسیں صدقے
زماں قرباں زمیں صدقے مکاں قرباں مکیں صدقے۔ مرا دل ہی نہیں قرباں مری جاں ہی نہیں صدقے
دو عالم آپ پر یا رحمۃ للعالمیں صدقے

چمن میں بلبلیں شیریں کلامی پر ہوئیں صدقے۔ رخ پرنور پر زہرہ جبیناں نازنیں صدقے
نیاز و انکساری پر الہ العالمیں صدقے۔ لب جاں بخش کی باتوں پہ اک ہم ہی نہیں صدقے

کلیم اللہ صدقے عیسیٰ گردوں نشیں صدقے

ضمیمہ چہارم
تاریخ کعبہ

عرب کی قومی روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا۔ اور اسوقت ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل شریک حال تھے۔ قرآن کریم میں اس گھر کے بننے کی نسبت اس طرح ذکر آیا ہے۔ کہ "جب ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے خانہ کعبہ کی بنا ڈالی۔ تو خدائے تعالےٰ سے یہ دعا مانگی۔ کہ بار الٰہا اس گھر کو ہم سے قبول کر بیشک تو اس دعا کو سنتا اور دلی نیت کو جانتا ہے" +

اس دعا کے الفاظ نیز دیگر روایات سے ظاہر ہے۔ کہ یہ گھر یعنی خانہ کعبہ خدا کے واسطے یعنی اس کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا۔ گویا یہ ایک مسجد تھی۔ چنانچہ کلام مجید میں خانہ کعبہ کو کئی جگہ مسجد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے +

ابتداءً کعبہ کے گرد وہ مکانات بھی نہیں تھے۔ جو اب حرمؔ کے نام سے مشہور ہیں پس خاص کعبہ وہی مقام ہے۔ جو تعمیر حضرت ابراہیم ہے +

قرآن مجید میں کعبہ کی تعمیر کا زمانہ نہیں بتایا گیا صرف اس کو "بیت العتیق" (بہت پرانا گھر) کہا گیا ہے۔ نیز اس کی نسبت کہا گیا ہے "سب سے پہلا گھر جو آدمیوں کے لئے خدا کی عبادت کرنے کو بنایا گیا"۔ تاہم اگر حساب لگایا جائے۔ تو زمانہ تعمیر معلوم ہوسکتا ہے چنانچہ زمانہ حال کے تاریخی حساب سے بناء کعبہ کی تاریخ تعمیر سنہ ۲۰۹۲ نبوی یا انیسویں صدی قبل مسیح ہوسکتی ہے۔ اور ان اعداد و شمار سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ کعبہ سے پیشتر کوئی گھر خدا کی عبادت کے لئے تمام دنیا میں نہیں بنایا گیا تھا +

حضرت ابراہیم اور ان کی تمام اولاد میں یہ رسم تھی۔ کہ خدا کی عبادت کی جگہ پر ایک لمبا ان گھڑ پتھر بطور نشان رکھ لیا کرتے تھے۔ اور اس کو مذبح یا قربان گاہ یا بیت اللہ کہتے تھے۔ یہاں خدا کی عبادت کرتے اور اس کے نام پر قربانی کیا کرتے تھے۔ یہ رسم عرب میں آنحضرت کے زمانہ تک متواتر چلی آئی تھی بلکہ اب بھی ہے جیساکہ حجر اسود کی موجودگی، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ کعبہ تعمیر ابراہیمی ہے +

مذکورہ بالا قربانی وغیرہ کی رسم کا تذکرہ توریت میں بھی موجود ہے چنانچہ کتاب پیدائش باب ۱۲ درس ۷ میں لکھا ہے۔ کہ تب خداوند نے ابراہیم کو دکھلائی دے کر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دونگا۔ اور اس نے وہاں خداوند کے لئے جو اس پر ظاہر ہوا ایک مذبح بنایا +"

علاوہ ازیں اسی باب کی آٹھویں آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ پھر وہاں سے ابراہیم نے کوچ کیا۔ اور آگے جاکر پھر ایک مذبح بنایا۔ اور خدا کے نام سے یعنی خدا کے گھر کے نام سے اس کو موسوم کیا +

اسی کتاب کے تیرہویں باب کی آٹھویں آیت میں ہے کہ " بلوطستان ممری جو حبرون میں ہے۔ ابراہیم جا رہا۔ اور وہاں خداوند کے لئے ایک مذبح بنایا +

مذکورہ بالا ہر سہ آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ تعمیر مذبح۔ اسکو خدا سے منسوب کرنا۔ اس پر قربانی کرنا طریق ابراہیمی ہیں۔ یہ طریقہ ان کی اولاد میں جاری رہا جس کا ذکر کتاب پیدائش میں آیا ہے +

یہ مذبح کس طرح بنایا جاتا تھا؟ اس کا جواب توریت سے ملتا ہے چنانچہ کتاب خروج باب ۲۵ میں لکھا ہے۔ کہ اگر میرے لئے پتھر کا مذبح بنائے تو تراشے ہوئے پتھر کا نہ بنائیو۔ کیونکہ اگر تو اسے اوزار لگائیگا۔ تو اسے ناپاک کریگا

اسی کتاب کے باب ۲۴ درس ۴ میں لکھا ہے کہ " اور موسیٰ نے خداوند کی ساری باتیں لکھیں۔ اور صبح کو سویرے اٹھا اور پہاڑ کے نیچے ایک مذبح بنایا اور اسرائیل کے بارہ سبطوں کے موافق بارہ ستون بنائے گئے +

اور کتاب پیدائش باب ۲۸ درس ۱۸-۱۹-۲۲ میں لکھا ہے کہ یعقوب صبح سویرے اٹھا اور اس پتھر کو جسے اس نے اپنا تکیہ کیا تھا لے کے ستون کی مانند کھڑا کیا۔ اور اس کے سر پر تیل ڈالا۔ اور اس مقام کا نام بیت ایل (بیت اللہ) رکھا اور کہا کہ یہ پتھر جو میں نے ستون کی مانند کھڑا کیا خدا کا گھر ہوگا"

غرض مذبح بنانے کا طریق یہ تھا۔ کہ کبھی تو صرف ان گھڑ پتھر کھڑا کر دیا کرتے تھے۔ اور کبھی اس کے ساتھ مکان بھی تعمیر کر دیا کرتے تھے یہی حالت کعبہ اور حجر اسود کی ہے۔ جو ایک ان گھڑ طویل پتھر ہے۔ اولاً حجر اسود کو کھڑا کیا تھا۔ بعد ازاں جب تعمیر کچھ عمل میں آئی تو اس کے ایک گوشہ میں اس کو لگا دیا گیا۔

دیگر روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مثل بنی اسرائیل کے بنی اسمٰعیل کا بھی یہی طریق عبادت تھا۔

بت پرستی کا آغاز۔ اخبار مکہ میں لکھا ہے کہ "بنی اسمٰعیل وجرہم مکہ میں رہتے تھے جب وہاں ان کی گنجائش نہ رہی۔ تو وہ ملک میں نکلے اور معاش کی تلاش میں لگ ہو گئے پس لوگ خیال کرتے ہیں کہ ابتدائے پتھر کا پوجنا بنی اسمٰعیل میں اس طرح شروع ہوا کہ جب ان میں سے کوئی مکہ جاتا۔ تو حرم کے پتھروں میں سے ایک پتھر اٹھا لیتا۔ حرم کو بزرگ سمجھ کر اور مکہ و کعبہ کے شوق میں جہاں اترتے تو اس پتھر کو رکھ لیتے اور اس کے گرد مثل کعبہ کے طواف کرتے۔ پھر اس کی یہانتک نوبت پہنچ گئی۔ کہ جو پتھر اچھا دیکھتے اور جو حرم کا پتھر عجیب اور خوشنما معلوم ہوتا اس کی عبادت کرتے۔ اسی طرح پشتوں پر پشتیں گذر گئیں اور اگلی نسلوں نے رفتہ رفتہ اصلی بات کو بھول کر ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے دین کو بدل دیا۔ اور بتوں کی پرستش کرنے لگے۔

حجر اسود صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر اسود کو حضرت ابراہیم نے کوہ ابوقبیس سے اٹھا کر ایک مقام پر بطور قربان گاہ کے کھڑا کیا۔ اور اس کے بعد کے زمانہ میں اس پر مکان بنایا۔ نیز یہ پتھر دو بار آتش زدگی میں جلنے کی وجہ سے سیاہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ ایک بار زمانہ جاہلیت میں آگ اس طرح پر لگی۔ کہ ایک عورت خوشبو

جلا رہی تھی اتفاقاً وہ آگ پردہ میں لگ گئی۔ اور اس طرح تمام خانہ کعبہ میں آگ لگ جانیسے وہ پتھر سیاہ ہوگیا۔ اور اسوجہ سے اس کا نام ہی سنگ اسود پڑ گیا۔

اس کے بعد خداپرستی کے زمانے میں بھی یعنی بعہد اسلام ابن زبیر کے زمانہ میں خانہ کعبہ میں آگ لگی۔ اور سنگ اسود ٹوٹ کر تین ٹکڑے ہوگیا اس واسطے ابن زبیر نے اس کے گرد چاندی کا چوکھٹا چڑھوا دیا تھا۔

سنگ اسود کعبہ میں لگانے سے مقصود یہ تھا کہ اس مقام سے طواف شروع کیا جائے گویا ختم دور کی ایک نشانی تھی۔ چنانچہ کتاب اخبار مکہ میں مرقوم ہے کہ جب حضرت ابراہیم کو حکم ہوا کہ خدا کا گھر بنائے۔ اور جب وہ بناتے بناتے اس مقام پر پہنچے جہاں اب سنگ اسود ہے۔ تو انھوں نے اسمعیل سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ۔ تاکہ وہ لوگوں کے لئے ایک نشانی ہو۔ اور اسی سے طواف شروع کیا کریں وہ ایک پتھر لائے۔ ابراہیمؑ نے اس کو پسند نہیں کیا پھر ابراہیم کو یہ پتھر مل گیا۔ تو انھوں نے اسمعیل کے اس سوال کے جواب میں کہ یہ پتھر کہاں سے آیا۔ کہا کہ اس نے دیا جس نے تیرے پتھر کے بھروسہ پر مجھے نہیں رکھا۔

مقتدر باللہ ابوالفضل جعفر ابن معتضد کے عہد میں جو ۲۹۵ھ میں خلیفہ ہوا تھا۔ قرامطہ حجر اسود کو کعبہ سے اکھاڑ کر لے گئے۔ مگر کچھ مدت بعد پھر لے آئے۔

کعبہ بیت العتیق ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خانہ کعبہ وہی پرانا معبد ہے۔ جس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں پڑی اور جس سے پہلے کوئی مسجد خدا کی عبادت کے لئے دنیا میں نہیں بنی اور اس کے بہت سے ثبوت ہیں (۱) عرب کی ملکی و قومی روایتوں سے یہ بات ثابت ہے۔ (۲) غیر مذاہب کے مورخین و محققین نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ مسٹر گبن کعبہ کی صحیح قدامت سنہ عیسوی سے قبل مانتے ہیں اور تحریر کرتے ہیں کہ ساحل بحر احمر کے ذکر میں ڈایوڈورس یونانی مورخ نے ثمود یت اور سبین کے بیان میں ایک مشہور معبد یعنی کعبہ کا ذکر کیا ہے۔ جس کے اعلیٰ درجہ کے تقدس کی تمام اہل عرب تعظیم کرتے تھے۔ اور

یہ نہایت قدیم زمانہ حضرت ابراہیم کا زمانہ ہے۔(۳) تمام اہل عرب ہر زمانہ میں آپ
حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل سے منسوب کرتے رہے +

تعمیر کعبہ۔ خانہ کعبہ موجودہ حالت میں یعنی جیسا کہ اب ہے کئی ان تعمیروں کا
مجموعہ ہے۔ جو وقتاً فوقتاً عمل میں آئیں۔ اسواسطے ذیل میں ان تعمیروں اور ان
کے تعمیر کنندوں کی تاریخ درج کی جاتی ہے +

تعمیر ابراہیم۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کعبہ کے سب سے پہلے معمار حضرت ابراہیم
اور حضرت اسمٰعیل تھے۔ انکی تعمیر کی کیفیت کتاب اخبار مکہ میں حسب ذیل ہے:۔
"حضرت ابراہیم نے بیت اللہ بنانے کو پہاڑ کی گھاٹی میں جہاں اس قسم کی عمارات
بنانے کو بالطبع جگہ پسند کی جاتی ہے۔ جگہ منتخب کی۔ اور اس کی زیادہ تر وجہ
یہ تھی کہ یہ جگہ چشمہ زمزم کے نہایت قریب تھی۔ وہاں انھوں نے حضرت اسمٰعیل
کی شرکت سے کعبہ (مسجد) بنایا۔ کتابوں میں اس کا ارتفاع نو درعہ (۹ گز)
اور ایک طرف کا عرض بیس اور ایک طرف کا بائیس اور ایک جانب کا طول
اکتیس(۳۱) اور ایک طرف کا بتیس(۳۲) لکھا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ اس
زمانہ میں کسی مکان کا مساوی الاضلاع ہونا ضروری نہ سمجھا جاتا تھا +

پیمائش مذکورہ بالا کے مطابق ذیل میں نقشہ خانہ کعبہ درج ہے۔ جس سے
اصل ہیئت ذہن نشین ہو سکے گی:۔
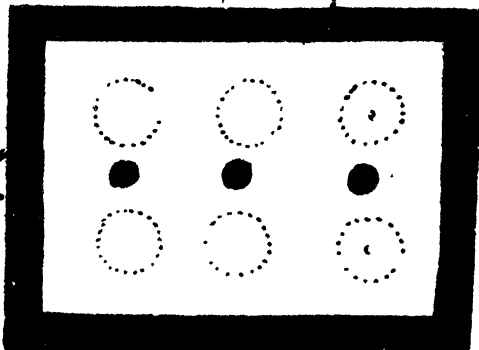
دائیں جانب جو حصہ نقطوں میں محصور ہے وہ بھی حضرت ابراہیم کے وقت میں داخل خانہ کعبہ تھا۔ مگر قریش نے تعمیر کے وقت (جسکا ذکر آگے آئیگا) اس قدر چھوڑ دیا تھا۔ اس نقشہ کے اندر نقطہ دار حلقہ وہ ستون ہیں

جو قریش نے قایم کئے. مگر اب وہ موجود نہیں ہیں۔ اور سیاہ دائروں سے وہ ستون نمایاں کئے گئے ہیں جو عبداللہ بن زبیر نے قایم کئے تھے. غرضکہ نقشہ کا سیاہ حصہ خانہ کعبہ کا موجودہ احاطہ ہے +

خانہ کعبہ میں ابتدائً دیواریں ہی دیواریں تھیں چھت یا سائبان وغیرہ بالکل نہ تھا۔ دروازہ زمین کے برابر اور زمین سے ملا ہوا تھا۔ اس میں نہ کواڑ تھے نہ کنڈی اور اس زمانہ کی یہی طرز تعمیر تھی۔ اس سے زیادہ فن تعمیر نے ترقی نہیں کی تھی + اس عمارت کے ایک بیرونی گوشہ پر طواف کے شمار کرنے کو ایک لمبا پتھ لگا دیا گیا تھا یہی سنگ اسود تھا۔ اس چار دیواری کے اندر ایک کنواں کھودا گیا تھا۔ اور اس کو خزانہ کہتے تھے۔ خانہ کعبہ میں آئی ہوئی نذر و نیاز اس میں محفوظ رکھی جاتی تھی +

تعمیر بنی جرہم حضرت ابراہیمؑ کے بعد ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ ان کے جانشین ہوئے۔ اور جب انھوں نے بھی وفات پائی. تو بنی جرہم جو ان کے قریبی رشتہ دار تھے۔ اور بنی اسمٰعیل کے مربی خانہ کعبہ کے متولی مقرر ہوئے چنانچہ خانہ کعبہ کے اختیارات **مضاض ابن عمر جرہمی** (جو حضرت اسمٰعیل کی بیوی کے والد تھے) کے ہاتھ میں آگئے۔ اسی زمانہ میں ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ یعنی ایک پہاڑی نالہ آیا جس سے خانہ کعبہ تک پانی چڑھ گیا۔ اور اس سے عمارت کچھ مسمار ہو گئی مگر بنی جرہم نے فوراً تعمیر شروع کر دی۔ اور اس کی بنا انھیں بنیادوں پر رکھی جن پر حضرت ابراہیم نے عمارت بنائی تھی۔ الغرض عمارت اسی طرح کی بن گئی۔ مگر ایک اسقدر بات زیادہ ہوئی۔ کہ سطح زمین سے نو گز بلند رکھی گئی۔ تاکہ خانہ کعبہ سیلاب وغیرہ کی آفات سے محفوظ رہے +

تعمیر عمالیق تعمیر بنی جرہم کے بعد پھر اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ کہ عمارت کعبہ منہدم ہو گئی۔ اور اس کو قوم عمالیق نے پھر بنایا۔ عمالیق ایک قبیلہ تھا۔ عرب العاربہ کا اور اس نے بنی جرہم پر غلبہ پا لیا تھا۔ اسواسطے اہتمام خانہ کعبہ اس کے

قبضہ میں تھا۔ یہ لوگ سنہ عیسوی سے ایک سو سال پیشتر مکہ پر قابض تھے۔ اور اسی زمانہ میں انھوں نے جذیمہ بادشاہ سے سخت لڑائی لڑی تھی +

تعمیر قصی:۔ تعمیر عمالیق کے بہت مدت بعد کعبہ کی عمارت میں خدا جانے کس سبب سے نقص آیا۔ پس اس وقت **قصی** ابن کلاب نے اسے تعمیر کیا۔ یہ زمانہ ٹھیک تحقیق نہیں ہے۔ مگر چونکہ یہ تحقیق ہے۔ کہ قصی آنحضرت سے چھ پشت پیشتر تھا۔ اس واسطے آنحضرت کی ولادت سے تقریباً دو سو سال پیشتر کا یہ واقعہ ہوگا +

تعمیر قریش:۔ جب آنحضرت کا سن شریف تیرہ چودہ سال کا تھا۔ اسوقت غلاف کعبہ میں آگ لگی۔ اس سے نہ صرف غلاف کو ہی نقصان پہنچا۔ بلکہ آگ کے زیادہ بھڑک جانے سے دیواریں کئی جگہ سے پھٹ گئیں۔ اور بالکل سیاہ ہوگئیں۔ اور یہ مکان بحیثیت مجموعی نہایت کمزور ہوگیا جس کے گر جانے کا ہر وقت اندیشہ لگا رہتا تھا۔ دوسرا حادثہ یہ ہوا۔ کہ پہاڑی نالہ مثل سابق کے چڑھ آیا۔ خانہ کعبہ کے اندر پانی بھر گیا۔ اور اس نے دیواروں کی بنیادیں ہلا دیں۔ اسواسطے قریش کو کعبے کے از سرنو تعمیر کرنیکی فکر ہوئی۔ کیونکہ اسوقت وہی متولی تھے +

بعض مورخین کا بیان ہے۔ کہ قریش فن تعمیر سے بہت ہی کم واقف تھے۔ اسواسطے وہ اس عمارت کی تعمیر کے لئے شش و پنج میں تھے۔ کہ خوش قسمتی سے رومی عیسائیوں کا ایک جہاز بندرگاہ شعیب میں آکر ٹوٹ گیا۔ ان لوگوں نے اس کی لکڑیاں فروخت کردیں۔ جو شاید خانہ کعبہ کے لئے خریدی گئیں۔ علاوہ ازیں ان لوگوں میں ایک انجنیر بھی تھا۔ اس نے بھی تعمیر میں مدد دی۔ الغرض تجدید عمارت کی صلاح پختہ ہوگئی اور اس کے لئے چندہ جمع ہونے لگا +

اب سب لوگ لکڑی پتھر ڈھونے میں مصروف تھے۔ اور آنحضرت بھی اس کار خیر میں شریک تھے۔ اگرچہ آنحضرت کا سن ابھی کم تھا جب یہ کام ہوچکا۔ یعنی تعمیر کا سامان اکٹھا ہوگیا۔ تو اب یہ مشکل پیش آئی۔ کہ کعبہ کون ڈھائے؟ خدا

جانے خدا کے گھر ڈھانیوالے پر کیا آفت آئے؟ یہ خیالات تھے جن سے قریش ڈر رہے جاتے تھے۔ آخر ولید ابن مغیرہ نے دل کڑا کر کے کہا میں بوڑھا تو ہوں ہی۔ اگر مر جاؤنگا کیا ہے۔ یہ کہہ کر باقی دیواریں کدال سے گرانے لگا۔ اس کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی شریک ہو گئے۔ اور جلد کام ختم کر دیا۔

اب موجودہ سامان، مصالحہ کا اندازہ کیا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ ناکافی ہے۔ شاید لکڑیاں کم تھیں۔ جن کو چھت پر ڈالنا تھا۔ اسواسطے تجویز ہوئی کہ کعبہ کو اصل عمارت سے چھوٹا کر کے بنائیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے چھ گز اور ایک بالشت زمین حجر کی جانب چھوڑ دی۔ اور اس طرف عرض میں ایک جدید بنیاد کھود کر عمارت چن لی۔ جو نقشہ میں سیاہ دکھائی گئی ہے۔

اب کعبہ کی کرسی چار گز بلند رکھی گئی۔ اور اسی قدر بلندی پر دروازہ بنایا گیا تاکہ سیلاب کا پانی اندر نہ جا سکے۔ نہ بغیر سیڑھی کے کوئی شخص اندر داخل ہو سکے۔ جب عمارت بن گئی۔ اور سنگ اسود لگانیکی نوبت آئی۔ تو اس بات پر تفرقہ پیدا ہوا کہ اسے کون لگائے۔ ہر ایک قبیلہ اپنے لئے یہ اعزاز طلب کرتا تھا۔ مگر یہ مسئلہ حضرت کے ہاتھوں نہایت سہولت سے طے ہو گیا۔ جیسا کہ ناظرین آنحضرت کے حالات زندگی میں پیچھے پڑھ چکے ہیں۔ غرض اس قضیہ کے طے ہو جانیکے بعد پھر تعمیر شروع ہوئی۔ اب اس کی بلندی دوچند کر دی گئی۔ یعنی زمین سے اٹھارہ گز بلند۔ حالانکہ پہلے صرف ۹ گز ہی بلند تھا۔

دیواروں کی تعمیر کے بعد عیسائی معماروں نے دریافت کیا۔ کہ چھت گول رہے یا سیدھی یا بنگلہ نما۔ اہل عرب نے کہا کہ چورس ہی رہے۔ اسواسطے اس میں چھ ستون قایم کئے گئے۔ اور چورس چھت بنا دی۔ شاید ستون اسواسطے ڈالے ہوں۔ کہ شہتیر کے لئے لمبی لکڑی میسر نہ آئی ہو۔ اور شاید اسیوجہ سے معمار بنگلہ نما چھت بنانیکو کہتے تھے۔ الغرض چورس چھت بن گئی۔ اور اس کا پرنالہ اس جگہ پر ڈالا گیا۔ جو جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ اندر ایک چوبی زینہ چھت تک بنا دیا۔

نیز چھت میں ایک روشندان رکھا۔ اور اس سے دو فائدے مدنظر تھے۔ ایک تو روشنی آتی تھی۔ اور دوسرے چھت پر چڑھ سکتے تھے۔

تعمیر عبد اللہ ابن زبیرؓ معاویہ ابن ابی سفیان کے بعد جب یزید خلافت کا مدعی ہوا۔ اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ تو عبد اللہ ابن زبیر نے اسکے ادعائے خلافت کو تسلیم نہ کیا۔ جسکی وجہ سے حصین بن نمیر کو یزید نے فوج دیکر مکہ پر چڑھائی کے لئے بھیجا۔ کئی روز تک عبد اللہ ابن زبیر سے مقابلہ ہوتا رہا۔ عبد اللہ بن زبیر کے سب لوگ کعبہ کے گرد خیموں میں پڑے ہوئے تھے۔ اور حصین کوہ ابو قبیس سے گوپھن میں رکھکر پتھر مارتا تھا۔ جس کی وجہ سے غلاف کعبہ پھٹ گیا۔ نیز آگ ایک خیمہ میں لگ جانے کی وجہ سے کعبہ میں بھی جا لگی۔ کیونکہ اسوقت ہوا تیز چل رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام خانہ کعبہ جل گیا۔ چونکہ دیواروں میں زیادہ لکڑی لگی تھی۔ اسواسطے اب اس کی یہ حالت تھی۔ کہ جانوروں کے بیٹھنے سے بھی دیواریں ہلنے لگتی تھیں۔ نیز کئی جگہ سے دیواریں شق بھی ہو گئی تھیں۔ یہ واقعہ ۳ ربیع الاول ۶۴ھ کا ہے۔ اس کے دس گیارہ روز بعد یزید مر گیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع کعبہ میں پہنچی۔ تو ابن زبیر نے حصین کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ دیکھ کعبہ جل گیا۔ اور یزید بھی مر گیا۔ پھر اب لڑائی کیسی! خدا جانے نیا خلیفہ کیا کرے۔ یہ پیغام سن کر حملہ آور ۵ ربیع الثانی ۶۴ھ کو شام واپس چلا گیا۔ اس کے چلے جانیکے بعد ابن زبیر نے سرداران قریش کو جمع کر کے تعمیر کعبہ کے متعلق مشورہ کیا۔ اور کہا کہ اس عمارت کو جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے منہدم کر دیا جائے۔ مگر یہ ایک بڑی ٹیڑھی بات تھی۔ کیونکہ اب بھی لوگ اس خیال پر جمے ہوئے تھے۔ کہ خانہ خدا ڈہانے والے پر آفت آنا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے تعمیر کا کام رک رہا تھا۔ آخر ابن زبیر نے خود کدال لیکر پہلے کام شروع کیا۔ یعنی اوپر چڑھکر دیواریں ادھیڑیں۔ پھر تو اور لوگ بھی اس کام پر لگ گئے۔ اور بہت جلد اس کو ختم کر دیا۔ یہ واقعہ جمادی الاول ۶۴ھ کا ہے۔ اخبار مکہ میں لکھا ہے۔ کہ ان ایام میں ابن عباس مکہ میں نہ آئے۔ کیونکہ انہدام

کعبہ شاید ان کے خلاف طبع تھا۔ مگر ابن زبیر نے ان کے پیغام کے موافق کعبہ کے چاروں طرف تختہ بندی کرا کے چوبی دیواریں کھڑی کرادیں۔ اور ان کے اوپر کپڑا منڈھوا دیا۔ اس طرح اندر کام بھی ہوتا رہا۔ اور باہر لوگ طواف بھی کرتے رہے ✦

اب ابن زبیر نے اس بنا کو چھوڑ کر جس پر قریش نے تعمیر کی تھی حضرت ابراہیم کی بنیادوں کو نکلوا کر ان پر عمارت بنوانی شروع کی۔ اور ایک عمدہ تجویز اوڑکی کہ دو دروازے ایک جانب شرق دوسرا جانب غرب رکھا۔ تاکہ مشرقی دروازہ قدیم سے لوگ داخل ہوکر دوسرے سے نکل سکیں ✦

زمین کی جو کرسی قریش نے باقوم کی صلاح سے رکھی تھی اُسے بھی اُڑا دیا اور دروازوں کو بھی زمین پر قایم کیا۔ مگر دیواروں کی بلندی اب بیشتر سے کئی گز بڑھا کر ستائیس گز کردی۔ جو لمبائی کے لحاظ سے نہایت موزوں ہوگئی نیز ایک تبدیلی یہ کی گئی کہ قریش کے چھ ستونوں کی بجائے ابن زبیر نے صرف تین ستون رکھے۔ کیونکہ اب لمبے شہتیر مل گئے تھے۔ حجر اسود بدستور لگا دیا گیا ✦

تعمیر حجاج بن یوسف: عبدالملک ابن مروان نے اپنی خلافت کے زمانہ میں عبداللہ ابن زبیر کے مقابلہ کے لئے مکہ کو فوج بھیجی۔ اس کا سپہ سالار حجاج بن یوسف تھا اس معرکہ میں عبداللہ ابن زبیر شہید ہوئے۔ حجاج شہر مکہ پر قابض ہوگیا۔ اور اس نے عبدالملک کو لکھا کہ "خانہ کعبہ میں ابن زبیر نے ایسی چیزیں بنادی ہیں۔ جو پہلے نہ تھیں۔ منجملہ ان کے ایک نیا دروازہ بھی بنادیا ہے۔ عبدالملک نے فوراً لکھدیا کہ عبداللہ کی زاید تعمیر کو گرادو۔ اور جدید دروازہ کو بھی تیغہ کرادو۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں حجاج نے چھ گز اور ایک بالشت کعبہ کو توڑ دیا۔ اور قریش کی بنیاد پر وہاں دیوار بنادی۔ نیا دروازہ تیغا کرا دیا۔ باقی عمارت بدستور رکھی چنانچہ اسوقت جو عمارت موجود ہے۔ وہ مذکورہ بالا ترمیم کے علاوہ ابن زبیر کی تعمیر ہے نیز شرقی دروازہ کی چار گز اور ایک بالشت اونچائی اور کعبہ کے اندر کی سیڑھیاں اور اس کے اندر روشندان بھی تعمیر حجاج ہے۔ بعض راویوں کا بیان ہے۔ کہ ابن زبیر

لے جو تعمیر کی تھی۔ وہ آنحضرتؐ کی کسی حدیث کے مطابق تھی۔ اس کا تذکرہ جب عبدالملک کے سامنے ہوا تو اُس نے غور کے بعد کہا "بخدا میں پسند کرتا ہوں کہ جیسے ابن زبیر کے خلاف کیا"

اسمائے کعبہ۔ بیت ایل (قدیم نام حضرت ابراہیم کا رکھا ہوا) بیت اللہ۔ کعبہ بیت العتیق۔ مکہ۔ بکہ۔ ام القریٰ۔ ام رحم۔ الباسہ۔ الحطمہ بھی کعبہ کے نام ہیں۔ مگر چند اول الذکر کے سوا باقی غیر مشہور اور توصیفی نام ہیں +

قصہ اصحاب فیل کتب سیر و احادیث میں مذکور ہے۔ کہ اصحاب فیل سے پہلے بھی کئی لوگوں نے کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ کیا۔ مگر وہ آفت ناگہانی میں مبتلا ہو گئے۔ ان سب میں اصحاب فیل کا واقعہ زیادہ مشہور ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ یمن کا ایک بادشاہ اُبرہۃ الاشرم نامی عیسائی تھا۔ اس نے صنعاء یمن میں غمدان کے قریب ایک بہت بڑا گرجا بنایا تھا۔ جس کا نام اس نے قلیس رکھا۔ اُبرہہ خانہ کعبہ کی طرف لوگوں کا رجحان دیکھکر جلتا تھا۔ اور چاہتا تھا۔ کہ لوگ کعبہ کا حج چھوڑ کر اس کے بنائے ہوئے گرجا کا حج کریں۔ جب یہ عام خلقت کا رُخ اپنے تعمیر کردہ گرجا کی طرف نہ پھیر سکا۔ تو اس نے خانہ کعبہ کے ڈھانیکا ارادہ کر دیا۔ اور یہی تدبیر اپنے مقصد کی کامیابی کی نکالی چنانچہ خانہ کعبہ کے گرا دینے کے ارادہ سے اپنا لشکر جس میں بہت سے ہاتھی تھے لیکر مکہ پر چڑھ آیا۔ اور مع فوج اور ہاتھیوں کے "خمس" میں آپڑا۔ اگرچہ اسوقت کئی قبیلے مقابلہ کرنیکو تیار تھے۔ مگر وہ اپنے آپ کو حملہ آور سے کمزور سمجھتے تھے غرض اہل مکہ مقابلہ پر نہ آئے۔ جب اس کے ہاتھی حرم کی حدمیں آئے۔ تو خدا نے پرندے مسلط کئے۔ ان پرندوں کی چونچ اور پنجوں میں عذاب کی کنکریاں تھیں جس پر ایک کنکری پڑتی وہیں رہجاتا یہانتک اسیطرح اسکا سارا لشکر تباہ ہو گیا۔ اور خدا نے اپنے گھر کو دشمن سے بچا لیا۔ قرآن شریف میں یہ واقعہ سورۃ الفیل میں مذکور ہے +

ختم شد

کتب زیر طبع و تیاری

گلستان مسرت فارسی

یہ قابل قدر کتاب عرصہ تقریباً ۲۰ سال کا ہوا طبع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں فارسی کے مشہور اساتذہ کے کلام میں سے منتخب اشعار تقریباً ۲۰۰ مختلف عنوانوں کے تحت میں جمع کئے گئے ہیں شائقین علم ادب۔ مقررین۔ مؤلفین و مصنفین کے لیے یہ کتاب غذائے روح ہے۔ اب کمپنی نے اس کو عمدہ لکھائی چھپائی اور کاغذ کے اہتمام سے دوبارہ طبع کرنیکا ارادہ کیا ہے۔ ضخامت کتاب کی تقریباً ۴۰۰ صفحے ہے۔ اور پہلی مرتبہ [illegible] قیمت پر شائع ہوئی تھی۔ مگر اب نایاب ہے۔ اس کتاب کی قیمت چار روپیہ رکھی جائیگی۔ جو صاحب درخواست خریداری معہ قیمت نقد بھیج دینگے ان کو صرف سہ روپیہ میں دیجائیگی۔ صرف ڈھائی سو درخواستوں کے آنے پر کتاب چھپوائی شروع کر دیجائیگی۔

گلستان مسرت اردو

فارسی کتاب کی عمدگی اور فوائد کو دیکھکر کمپنی نے ایک کتاب اسی طرز پر اردو شعراء کے کلام سے انتخاب کر کے شائع کرنیکا ارادہ کیا ہے کیونکہ بفضل خدا اب اردو زبان ملک میں بہت ترقی کر گئی ہے۔ اور تحریر و تقریر میں بڑے بڑے شعراء کے کلام سے سند لانیکا رواج روز بروز ترقی پر ہے۔ ایک استاد فن کو اس انتخاب کے کام پر مقرر کر دیا گیا ہے۔ اور امید ہے کہ چند ماہ بعد یہ کتاب نہایت حسن و خوبی سے شائع ہوگی۔ ضخامت اس کتاب کی چار یا پانچسو صفحے ہوگی اور قیمت بلحاظ کثرت اخراجات و لاگت ۳ و ۴ روپیہ کے درمیان رکھی جائیگی۔ لیکن اگر شائقین خریداری جلد جلد درخواستیں بھیجکر اس کی کثیر اشاعت کا یقین دلائیں۔ تو یقیناً قیمت میں تخفیف ہو جائیگی۔ جو صاحب درخواست کے ساتھ پیشگی قیمت بھیجدینگے ان کو صرف دو روپیہ میں یہ نفیس و نادر کتاب دیجائیگی قیمت کی باقاعدہ رسید ملیگی۔

المشتہر

ہلال ٹریڈنگ کمپنی ۱۲ پیسہ سٹریٹ لاہور

علاج الطیور

باتصویر

جس میں مرغی اور دیگر پالتو پرندوں شش بطخ - فیس مرغ - کبوتر - تیتر وغیرہ کی
پرورش نسل کشی - بچوں کے رکھ رکھاؤ بیماریاں - ان کے اسباب و علامات
علاج وغیرہ کے متعلق ایک ویٹرنری گریجویٹ کی تازہ تصنیف جو اس فن کی بہت
سی انگریزی - کتابوں - رسالوں اور پروفیسروں اردو انگریزی
وغیرہ سے انتخاب کر کے لکھی گئی ہے - اردو زبان میں اس قسم کی کوئی کتاب
اس سے قبل شایع نہیں ہوئی - اس کتاب کی لکھائی چھپائی میں خاص
اہتمام کیا گیا ہے - اور دو قسم کے کاغذ پر چھپائی گئی ہے - ٹائٹل رنگین
کاغذ ولایتی ۸؍ - کاغذ دیسی ۱؍

ملنے کا پتہ - ڈاکٹر صدیق حسین برنی ویٹرنری اسسٹنٹ امروہہ یو پی

مشیر صادق

یہ اسم بامسمیٰ کتاب بہت سے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد ہندوستانی بھائیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے
فائدہ کی غرض سے لکھی گئی ہے اس کتاب میں مدلل طور پر سمجھایا گیا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی کی کیا کرنا ہوتا
اور محض موجودہ حالت میں کیوں رہتے انسان اپنا فرض پورے طور پر ادا نہیں کرتا اس کے بعد اس فرض کے
ادا کرنے کی قابل عمل ترکیبیں بتائی گئی ہیں - ہم ہندوستانی بھائی پر اس مفید کتاب کا پڑھنا فرض ہے
سے زائد صفحے کی کتاب عمدہ لکھائی چھپائی اور رنگین ٹائٹل کے ساتھ زیر طیاری ہے - اور صرف
کے ٹکٹ ڈاک آنے پر یا ہم سے بذریعہ وی پی بھیجی جاتی ہے -

ملنے کا پتہ
اکرام اعظم برنی پیسہ اخبار سٹریٹ لاہور